حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ
و دیگر اکابرین

خطباتِ جمعہ

سال بھر کے اسلامی مہینوں سے متعلق
اسّی ۸۰ سے زائد مستند خطبات

محرم الحرام
صفر المظفر
ربیع الاوّل
ربیع الثانی
جمادی الاولیٰ
جمادی الثانی
رجب المرجب
شعبان المعظم
رمضان المبارک
شوال المکرم
ذیقعدہ
ذوالحجہ

قرآن وحدیث اور اسلاف کی تعلیمات کی روشنی میں علماء... خطباء... مبلغین حضرات کیلئے بہترین عام فہم مستند تحفہ... ہر اسلامی مہینے کے اہم تاریخی واقعات کیساتھ... فضائل، احکام وآداب اور ترغیب وترہیب کے دلچسپ واقعات سے مزین اسّی سے زائد اصلاحی مواعظ کا مبارک مجموعہ

 خطبات الاحکام لجمعات العام (عربی)

مرتب
حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
(خلیفہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ و دیگر اکابر علماء کے خطبات سے ماخوذ
سال بھر کے اسلامی مہینوں سے متعلق اسی (۸۰) سے زائد مستند خطبات

خطباتِ جمعہ

جلد اوّل

محرم الحرام
صفر المظفر
ربیع الاوّل
ربیع الثانی
جمادی الاولیٰ
جمادی الثانی
رجب المرجب
شعبان المعظم
رمضان المبارک
شوال المکرم
ذیقعدہ
ذوالحجہ

قرآن وحدیث اور اسلاف کی تعلیمات کی روشنی میں علماء... خطباء... مبلغین حضرات کیلئے بہترین عام فہم مستند تحفہ... ہر اسلامی مہینے کے اہم تاریخی واقعات کیساتھ... فضائل، احکام وآداب اور ترغیب وترہیب کے دلچسپ واقعات سے مزین اسّی سے زائد اصلاحی مواعظ کا مبارک مجموعہ

مع **خطبات الاحکام لجمعات العام** (عربی)

مرتب
حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
(خلیفہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

خطباتِ جمعہ

تاریخ اشاعت.........شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

ناشر.........ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.........سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان — مکتبہ الفاروق۔ معریال روڈ چوہڑ ہڑپال۔ راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انارکلی........ لاہور — دارالاشاعت........ اُردو بازار........ کراچی

مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار........ لاہور — مکتبۃ القرآن........ نیو ٹاؤن........ کراچی

مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار........ لاہور — مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار.... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ

کما صلّیت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آلِ ابراہیم

انّک حمیدٌ مجید

اللّٰھم بارک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ

کما بارکت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آلِ ابراہیم

انّک حمیدٌ مجید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

اسلام کی ترویج اور اس کی نشر واشاعت میں تعلیم، تدریس، تبلیغ اور جہاد ہر دور میں نمایاں اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ خدام اسلام نے اپنے اپنے زمانہ اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر درج بالا چاروں شعبوں میں سے کسی نہ کسی شعبہ سے خود کو منسلک کر کے اپنی زندگی لوجہ اللہ وقف کر دی اور کسی بھی زمانہ ان شعبوں کے رجال باہم فریق ہونے کے رفیق بنے اور ایک دوسرے کی خدمات کو سراہتے رہے۔

قریب زمانہ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے علوم دینیہ سے فراغت کے بعد جہاں تدریس فرمائی وہاں حسب ضرورت یوں قلمی جہاد فرمایا کہ اپنے تربیت یافتہ حضرات کو قیام پاکستان کے سلسلہ میں ہر قسم کی علمی اور عملی تربیت دی۔ یہ آپ کے قلمی جہاد ہی کا فیض تھا کہ پاکستان میں پہلی پرچم کشائی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے دست مبارک سے کرائی گئی جو کہ ان کی جدوجہد اور کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حکیم الامت رحمہ اللہ کی دیگر شعبوں میں گراں قدر خدمات کے علاوہ تبلیغ بذریعہ مواعظ وتصانیف میں آپ نے مجددانہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اخلاص وللّٰہیت سے کئے گئے آپ کے بیانات اور مواعظ سے جہاں سننے والے اصلاح یافتہ ہوئے وہاں ان مطبوعہ مواعظ سے ایک دنیا نے اکتساب فیض کیا اور تاہنوز علماء مشائخ نہ صرف خود ان مواعظ کو زیر مطالعہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے متعلقین اور تلامذہ کو ان کی اہمیت وافادیت سے باخبر کر کے یومیہ مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے

ہیں۔ حضرت کے الہامی مواعظ کی طرح آپ کے ملفوظات بھی عوام وخواص میں نہایت مقبول ہیں۔ جن میں دین ودنیا کے ہزاروں عقدے نہایت سہل انداز میں حل کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے وہ علوم ومعارف جو آپ کے مواعظ اور تصانیف میں متفرق مقامات پر تھے اور علماء اور مبلغین حضرات کیلئے بیان وتقریر کیلئے پر مغز اور مستند مواد پر مشتمل تھے۔ عرصہ سے تمنا تھی کہ حضرت ہی کی چیزیں علما مقررین اور خطباء کیلئے جمع ہو جائیں تا کہ انہیں کم وقت میں بہتر علوم میسر آجائیں اور سامعین کو بھی ان اصلاحی مواعظ سے فائدہ ہو۔ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ اس طرح کا کام ہو جائے۔ بندہ کی درخواست پر حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ ودیگر مستند مآخذ سے عام ضرورت کے خطبات جمع کر کے مسودہ تیار کر دیا۔

حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے کیے ہوئے کام کو مزید مزین کرنے کیلئے ان خطبات کو اسلامی بارہ مہینوں کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے اور ہر اسلامی مہینے سے متعلق اہم موضوع پر اپنے اکابر کے مستند خطبات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یوں زیر نظر کتاب سال بھر کے جمعات اور دیگر مجالس میں بیان کرنے کیلئے مستند اسلامی علوم پر مشتمل ہوگئی ہے۔ ہر اسلامی مہینے کے ساتھ اس مہینے میں پیش آمدہ اہم تاریخی واقعات کو بھی ملحق کر دیا گیا ہے جو خطباء ومبلغین اور محقق حضرات کیلئے نہایت کارآمد اضافہ ہے۔

ہر اسلامی مہینے کے تحت پانچ یا اس سے زائد خطبات دیدیئے گئے ہیں تا کہ ہر خطیب ومبلغ اپنی سہولت کے پیش نظر ان میں سے انتخاب کر کے اپنے سامعین کو علمی واصلاحی علوم سے سیراب کر سکے۔ سال بھر میں تقریباً 60 تقاریر صرف جمعات کیلئے کافی ہیں لیکن زیر نظر کتاب میں 80 سے زائد تقاریر وخطبات یکجا جمع کر دیئے گئے ہیں تا کہ یہ مجموعہ صرف جمعہ کے بیان وتقریر کیلئے ہی محدود نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً دینی پروگراموں، مجالس اور خصوصی بیانات کیلئے بھی یہ کتاب رہنمائی کر سکے۔

اولاً کوشش کی گئی کہ یہ تمام خطبات ایک ہی جلد میں آجائیں تا کہ ہر شخص بآسانی مکمل مجموعہ سے مستفید ہو سکے لیکن عنوانات کے تنوع اور مضامین کی کثرت کے پیش نظر اس کتاب کو

دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی جلد پہلے سات اسلامی مہینوں یعنی محرم الحرام، صفر المظفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولی، جمادی الثانی اور رجب المرجب سے متعلق خطبات پر مشتمل ہے جبکہ جلد دوم بقیہ پانچ مہینوں یعنی شعبان المعظم، رمضان المبارک، شوال المکرم، ذیقعدہ اور ذوالحجہ سے متعلق ہے۔ جلد دوم کے آخر میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مرتب فرمودہ ''خطبات الاحکام'' سے ماخوذ عربی خطبے بھی شامل کردیئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ سال بھر پیش آمدہ اسلامی تقریبات نکاح، عقیقہ وعیدین کے خطبے بھی شامل ہیں۔

زیرنظر جدید کتاب میں ان سال بھر کے عربی خطبات کا اُردو ترجمہ حسب موقع اپنی اپنی جگہ ترتیب دیا گیا ہے۔

خطباء حضرات سے گذارش ہے کہ اجتماعات جمعہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اصلاح افروز ان عربی خطبوں کو پڑھنے کا معمول بنائیں جو کہ مستند اور جامع ہونے کے علاوہ مختصر بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ زیرنظر اس جدید مجموعہ کے دوسرے ایڈیشن کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اکابر کی ان اصلاحی باتوں کو سمجھنے اور پھر صحیح انداز میں عوام الناس تک پہنچانے کی ہمت وتوفیق سے نوازیں تاکہ عوام کی فکری ونظری سرحدوں کی حفاظت ہوسکے اور پورا معاشرہ اسلام کی مبارک تعلیمات اور انسانیت کی محافظ اسلامی تہذیب پر عمل پیرا ہوسکے۔ آمین۔

محمد اسحٰق غفرلہ

رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بمطابق جولائی ۲۰۰۹ء

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رَسوله الکریم.
وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واولیاءِہٖ اجمعین.
وبارک وَسلَّمَ تسلیماً کثیرًا کثیراً. امابعد:

"**خطبات الاحکام للجمعات العام**" حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے پچپن خطبات کا مجموعہ ہے جس میں سال بھر کے ہر جمعہ کے لیے نیا خطبہ' خطبات' عیدین' خطبہ نکاح' خطبہ استسقاء اور دوسرا خطبہ جمعہ وعیدین جمع کیے گئے ہیں۔ بظاہر یہ پچپن خطبات ہیں لیکن ان میں موضوع مواعظ کم وبیش ایک سو ہیں کیونکہ بعض خطبات جمعہ میں تین' تین موضوع اور اکثر میں دو موضوع ہیں۔

اکثر علماء حضرات کا تقاضا تھا کہ احقر مواعظ وملفوظات کی روشنی میں ان موضوعات پر مفصلاً لکھے تاکہ خطیب حضرات کو وعظ کی صورت میں یکجا مواد میسر آ جائے اور دوسری کتب کی طرف مراجعت کی ضرورت نہ پڑے لیکن یہ کام انتہائی مشقت طلب تھا اس لیے بندہ سن کر خاموش ہو جاتا۔ ایک روز ملتان حاضری پر دوران گفتگو حضرت الحاج مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی مدظلہ العالی سے اس کا تذکرہ ہوا تو حضرت حافظ صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا اس کی اشد ضرورت ہے آپ اسے مرتب کردیں ان شاء اللہ میں اسے شائع کردوں گا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ اگلے سال ملتان حاضری پر دوبارہ پوچھا' احقر نے دیگر

مصروفیات کا عذر کیا پھر فون پر کئی بار یاددہانی کرائی تو احقر نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں میں کوشش کروں گا۔ چنانچہ تقریباً سو موضوعات پر افادات حضرت حکیم الامت سے یہ مجموعہ تیار ہوگیا جو اس کا مصداق ہے۔ انہیں کے نذر کروں تحفۃً یہ گلدستہ' یہ میں نے جن کے گلستان سے کی ہے گل چینی اس ترتیب میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

۱- جن کتب میں استفادہ کیا گیا ان کی فہرست علیحدہ درج ہے۔

۲- اولاً حضرت حکیم الامتؒ کا مرتب فرمودہ خطبہ درج کیا گیا ہے۔

۳- بعدۂ خطبہ کا ترجمہ مع توضیحات حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی قدس سرہ من وعن درج کیے گئے۔

۴- اس کے بعد موضوع جمعہ سے متعلق بصورت وعظ کو قلمبند کیا گیا جس میں بفضلہٖ تعالیٰ علوم و معارف کا ذخیرہ اور علمی معلومات اور عملی دستور العمل کا گنجینہ الحمدللہ مرتب کیا گیا جس کا پتہ مطالعہ کے بعد محسوس ہوگا۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

۵- ان شاء اللہ خطیب حضرات کو جمعہ کی تیاری کے لیے اب کسی اور کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۶- عبارت عام فہم اختیار کی گئی تاکہ کم استعداد والے مقررین اگر چاہیں تو پڑھ کر بھی سنا دیں تو سامعین کی اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا اور کوئی دشواری نہ ہوگی۔

۷- صحت کے اعتبار سے بظاہر یہ احقر ناکارہ کا آخری مجموعہ ہے ویسے بارگاہ خداوندی میں صحت جسمانی و روحانی اور حسن خاتمہ کا امیدوار ہوں۔ انہ سمیع قریب o

آخر میں احقر کے چھوٹے بیٹے حافظ محمد مالک ارشد قریشی سلمہ نے ہاتھ بٹایا ورنہ بروقت تکمیل بظاہر دشوار ترین مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان اُمور میں دلچسپی لینے کی توفیق دے اور جزائے خیر عطا فرمائیں آمین

اللہ تعالیٰ حضرت الحاج حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی مدظلہ کی ان خدمات کو قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائیں آمین۔ دعا گو دعا جو محمد اقبال قریشی

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ امام و خطیب جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد

خطبہ کے مختصر فضائل احکام

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

۱- خطبہ جمعہ شرط نماز ہے بغیر خطبہ کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی اور یہ شرط صرف ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے۔

۲- خطبہ جمعہ وعیدین وغیرہ کا عربی میں ہونا سنت ہے اور اس کے خلاف دوسری زبانوں میں پڑھنا بدعت ہے۔ (مصفّٰی شرح موطا للشاہ ولی اللہ و کتاب الاذکار للنووی و دُرِ مختار شروط الصلوٰۃ، شرح الاحیاء)

۳- اسی طرح عربی میں خطبہ جمعہ پڑھ کر اسکا ترجمہ ملکی زبان میں قبل از نماز سنانا بھی بدعت ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ البتہ نماز کے بعد ترجمہ سنا دیں تو مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔

۴- البتہ خطبہ عیدین وغیرہ میں اگر خطبہ کے بعد ہی ترجمہ سنا دیا جائے تو مضائقہ نہیں اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ منبر سے علیحدہ ہو کر ترجمہ سنا دیں تاکہ امتیاز ہو جائے۔
(کما صرح بہ فی تقریظ الرسالۃ الاجوبۃ بناء علیٰ حدیث مسلم)

۵- سنت ہے کہ خطبہ باوضو پڑھا جائے بلا وضو پڑھنا مکروہ ہے۔

۶- سنت ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے بیٹھ کر مکروہ ہے۔ (عالمگیری و بحر)

۷- سنت ہے کہ قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھیں رو بقبلہ یا کسی دوسری جانب کھڑے ہو کر پڑھنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری و بحر الرائق)

۸- سنت ہے کہ خطبہ سے پہلے آہستہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط پڑھا جائے۔ (علیٰ قول ابی یوسف کذا فی البحر)

۹- سنت ہے کہ خطبہ بلند آواز سے پڑھا جائے تاکہ لوگ سنیں آہستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

۱۰- سنت ہے کہ خطبہ مختصر پڑھا جائے زیادہ طویل نہ ہو اور حد اس کی یہ ہے کہ طوال مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ اس سے زیادہ طویل پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی، عالمگیری، بحر)

۱۱- سنت ہے کہ خطبہ دس چیزوں پر مشتمل ہو۔ اول حمد سے شروع کرنا، دوم اللہ تعالیٰ کی ثناء کرنا، سوم کلمہ شہادتین پڑھنا، چہارم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، پنجم وعظ و نصیحت کے کلمات کہنا، ششم کوئی آیت قرآن شریف کی پڑھنا، ہفتم دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا، ہشتم تمام مسلمان مرد و عورت کے لیے دعا مانگنا، نہم دوسرے خطبہ میں دوبارہ الحمدللہ اور ثناء اور درود پڑھنا، دہم دونوں خطبوں کو مختصر کرنا اس طرح کہ طوال مفصل کی سورتوں سے نہ بڑھے۔ (عالمگیری، بحر) (العبد الضعیف محمد شفیع غفرلہ صدر دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)

خطبہ کے مسنون چند آداب واحکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ سے متعلق معمولات

۱- خطبہ چھوٹا پڑھتے تھے اور نماز کو طویل کرتے تھے۔

۲- اثناء خطبہ میں اگر کوئی بات قابل امرونہی پیش آجاتی تھی آپ اس کی تعلیم فرماتے تھے۔

۳- آپ کے آگے نہ کوئی چوبدار پکارتا چلتا تھا نہ کسی خاص وضع کا لباس ہوتا تھا۔

۴- مسجد میں تشریف لا کر سب کو سلام کرتے۔

۵- منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔

۶- پھر بلال اذان کہتے جب وہ اذان کہہ چکتے آپ کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے' اذان وخطبہ میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا۔

۷- کبھی کمان پر کبھی عصا پر سہارا لگا کر کھڑے ہوتے۔

۸- خطبے کے وقت آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہوتی اور غضب شدید ہوتا جیسے کسی غنیم سے لوگوں کو ڈراتے ہوں۔

۹- اکثر نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھتے اور کبھی پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور دوسری میں هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃُ پڑھتے۔ اب بعض احکام ضروری متعلق جمعہ وخطبہ کے لکھ کر خطبے لکھے جاتے ہیں۔

احکام الجمعۃ والصف اذان سن کر بیع وشرا معاملات دنیویہ چھوڑ کر جمعہ کا اہتمام کریں۔ سب سے پہلے اور اول وقت آ کر امام کے پاس بیٹھنے کا قصد کریں مگر مسجد میں باتیں کر کے اپنی نیکیاں اکارت نہ کریں' اول وقت آنے کا ثواب ایسا ہے کہ گویا ایک اونٹ قربانی کیا پھر ایسا جیسے گائے قربانی کی پھر ایسا جیسے مینڈھا قربانی کیا' پھر ایسا ہے جیسے مرغ تصدق کیا پھر ایسا جیسے انڈا تصدق کیا۔ پہلی صف میں جگہ ہوتے دوسری صف میں نہ بیٹھیں جب ایک صف پوری بھر جاوے تو دوسری میں بیٹھنا شروع کریں۔ اسی طرح کل صفوں کو آراستہ کریں۔ صف میں خوب مل کر کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور ذرا بھی جگہ نہ چھوڑیں ورنہ اس میں شیطان گھس کر نمازیں خراب کرتا ہے' لوگوں کو پھاند پھاند کر اول

صف میں نہ جائیں، ہاں احکام المستمعین خطبہ سننا واجب ہے۔اس وقت باتیں کرنا، درود شریف، کلام مجید نماز وغیرہ پڑھنا نہ چاہیے۔

جس وقت خطیب منبر کی طرف چلے اُسی وقت سے سب چھوڑ کر ہمہ تن خطیب کی طرف متوجہ ہوں۔اگر کوئی سنت پڑھتا ہو تو اختصار قرأت کے ساتھ اُس کو پورا کرلے۔ خطبہ کی آواز نہ آتی ہو تب بھی کچھ نہ پڑھیں، نہ بات کریں اُسی طرف کان لگائے بیٹھے رہیں اگر کوئی کچھ پڑھتا یا باتیں کرتا ہو اس کو بھی منع نہ کریں، ہاں اگر کسی طرح اشارہ سے خاموش کردیں تو خیر جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آوے اس وقت بھی درود شریف نہ پڑھیں، بلا حرکت زبان صرف دل سے پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں۔

جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الخ پڑھی جاوے، دل ہی دل میں درود وسلام بھیجیں۔خطبہ عیدین میں بعد نماز کے بھاگنا اور خطبہ نہ سننا ممنوع ہے چاہئے کہ بعد خطبہ کے دعا مانگ کر جاویں گو آواز وہاں تک نہ آتی ہو۔(زاد المعاد)

ماخذ و مصادر........خطبات جمعہ

خطبات حکیم الامت	ملفوظات حکیم الامت	نشر الطیب
اشرف التفاسیر	تفسیر معارف القرآن	آسان تعلیمی درس قرآن
خطبات حکیم الاسلام	تہذیب الاخلاق	خطبات اکابر
خطبات شعبان ورمضان	خطبات سیرۃ النبی	خطبات حج وقربانی اور محرم
شہادت حسین	اصلاحی خطبات	خطبات حضرۃ لاہوری
خطبات علی میاں	مواعظ مفتی رشید احمد رحمہ اللہ	اصلاحی مواعظ
صراط مستقیم	دینی دستر خوان	اسلامی مہینوں کے احکام
خطبات احتشام	جدید سیرۃ النبی	خطبات عارفی
خطبات مدراس	قرآنی افادات	خطبات محمود
ماہنامہ ''محاسن اسلام'' ملتان	ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک	ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی
	ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی	ماہنامہ ''الرشید'' لاہور

فہرست عنوانات

محرم الحرام

پہلا خطبہ.....محرم الحرام تعارف وضروری احکام

مولانا روح اللہ صاحب مدظلہ

احادیث پاک کی رو سے فضائل محرم وعاشورہ کا بیان	۳۴	محرم کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کیوں کہتے ہیں؟	۳۵
سانحہ کربلا	۳۷	حقیقت محرم	۳۷
محرم کا روزہ	۳۸	دسویں محرم اہل وعیال کے ساتھ	۳۸
یوم عاشورہ کی چھٹی	۳۹	تعزیہ کی بدعت	۳۹

دوسرا خطبہ.....منکرات محرم

فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۴۱	حضرت حسینؓ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے	۴۲
علیہ السلام کا اطلاق	۴۲	مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر	۴۲
شہادت کے قصے سننا اور سنانا	۴۳	تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا	۴۴

تیسرا خطبہ.....شہادت کی فضیلت واقسام

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

شہید کسے کہتے ہیں؟	۴۷	شہید کے احکام	۴۸
شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے	۴۸	شہادت کی موت کا درجہ	۴۹

شہید جنت الفردوس میں	۴۹	شہید زندہ ہیں	۴۰
نذرانہ حیات	۵۰	مرنا تو سب کو ہے	۵۰
دنیا و آخرت کے اعتبار سے شہید	۵۱	آخرت کے اعتبار سے شہید	۵۱
دنیا والوں کے اعتبار سے شہید	۵۲	شہادت کی موت کی دعا	۵۲
حصول شہادت کا وظیفہ	۵۳	جہاد کی تمنا کرو	۵۳
حج نہ کرنے کی وعید	۵۳	نیک کام کی تمنا تو کرو	۵۴
برے کام سے بچو، نہیں تو برا سمجھو	۵۴	بدترین اندھاپن	۵۴
بصیرت کی آنکھیں کھولو	۵۴	دل کی آنکھوں سے حق و باطل نظر آئے گا	۵۵
عاقل بالغ کافر معذور نہیں	۵۵	ہدایت کے بعد گمراہی کی دو قسمیں	۵۶
اندھے پن کی دو صورتیں	۵۷	دو روشنیوں کی ضرورت ہے	۵۸

چوتھا خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

پانچواں خطبہ.... عاشورہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پہلی فضیلت	۶۳	اللہ کا مہینہ	۶۴
تیسری فضیلت	۶۴	قبل رمضان عاشورہ کے روزہ کا فرض ہونا	۶۴
افضل ترین مستحب روزہ	۶۴	ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب	۶۴
محرم میں ایک دن کا روزہ توبہ کی قبولیت کا باعث	۶۵	عاشورا محرم کے روزے کا حکم	۶۵
دس تاریخ کے روزہ کیساتھ ایک دن اور ملانے کا حکم	۶۵	ماضی کے سال بھر کے گناہوں کا کفارہ	۶۵
آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ کا دن	۶۶	تمام انسانوں اور جانوروں کی نجات کا دن	۶۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش	۶۷	بنی اسرائیل کی فرعون سے نجات	۶۷
اصحاب کہف کو کروٹ دلانا	۶۸	تبدیلی غلاف کعبہ	۶۸

حضرت یونسؑ کی قوم کا قبولیت توبہ کا دن	۶۸	دس محرم کی برکت پورے سال میں	۶۹
قیامت دس محرم کو قائم ہوگی	۶۹	حضرت امام حسینؓ کو وہ مرتبہ عطا ہوا جسکی حضور ﷺ نے خواہش کی	۷۱
غم منانا	۷۱	ماتم کی حقیقت	۷۱
نوحہ کا حکم	۷۲	محرم میں گانا بجانا	۷۳
محرم میں سیاہ لباس پہننا	۷۲	محرم میں زینت ترک کرنا	۷۳
محرم میں تعزیہ بنانا	۷۴	☆☆☆☆	

چھٹا خطبہ.... شہادت حسین رضی اللہ عنہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

مؤمن ہونے کی ایک شرط	۷۷	پریشانی اپنی رائے سے ہوتی ہے	۷۷
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	۷۷	سید الشہداء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل	۷۸
ہمارا سارا خاندان شہیدوں کا ہے	۷۸	عاشورہ کا روزہ اور اسراف	۷۹
شہادت حسینؓ کی مثال	۷۹	شہادت حسینؓ کے تاریخی حالات	
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مختصر واقعہ	۸۱	☆☆☆☆	

ساتواں خطبہ.... شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تفصیلات

مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید	۸۳	اہل کوفہ کی طرف سے دعوت	۸۳
مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا	۸۳	عبید اللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہوکر آنا	۸۳
کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا	۸۴	دوبارہ روکنا	۸۵
حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی کا خط	۸۵	حاکم مدینہ کا خط	۸۶
فرزدق شاعر سے ملاقات	۸۶	مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد	۸۶
حر ابن یزید کی ملاقات	۸۷	میدان کربلا میں قیام	۸۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عمر بن سعد کی آمد	۸۸	عبید اللہ بن زیاد کا بیعت کیلئے اصرار	۸۸
واقعہ کربلا کا رنج والم	۹۰	اظہار غم کے طریقے میں فرق	۹۰
تعزیہ داری کے متعلق علماء اہل السنّت کا فیصلہ	۹۱	خلاصہ فتاویٰ اہل السنّت	۹۱
ماتم اور نوحہ کی ممانعت	۹۲	مسلمانوں کا فرض	۹۳
شیعہ صاحبان کے بڑوں کا شریک نہ ہونا	۹۳	شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت	۹۳
سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتویٰ	۹۴	ماتم اور تعزیہ کی تاریخ	۹۵
ماتم کی تاریخ	۹۶	☆☆☆☆	

آٹھواں خطبہ.... سن ہجری کا آغاز

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ایک واقعہ	۱۰۱	ماہ محرم واقعہ ہجرت کی یاد دلاتا ہے	۱۰۶
حضرت حسین کی شہادت عظمیٰ	۱۰۷	☆☆☆☆	

نواں خطبہ.... مقصد زندگی

فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تجارت آخرت کا گوشوارہ	۱۱۱	دو مبارک دعائیں	۱۱۱
پہلی دعاء	۱۱۱	دوسری دعاء	۱۱۲
تریاق منکرات	۱۱۲	طلب رحمت کا طریقہ	۱۱۳
ایک اور عجیب دعا	۱۱۳	سالگرہ یا سال گرا	۱۱۳
عاقبت اندیشی	۱۱۳	بروز قیامت سوال ہوگا	۱۱۴
"نذیر" کی پانچ تفسیریں	۱۱۴	بالوں کی سفیدی باعث رحمت ہے نہ کہ زحمت	۱۱۵
اولاد کی اولاد موت کی جھنڈی ہے	۱۱۵	حقیقی بالغ کون ہے؟	۱۱۶
خلاصہ کلام	۱۱۷	ایک بہت بڑی غلطی کا ازالہ	۱۱۷
محرم الحرام کے اہم تاریخی واقعات	۱۱۹	☆☆☆☆	

صفر المظفر

پہلا خطبہ.... ماہ صفر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
غلط اور خلاف واقعہ عقائد	۱۲۶	بعض جانوروں کو منحوس سمجھنا غلط ہے	۱۲۶
نحوست کا اصل سبب معاصی ہیں	۱۲۷	نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ کا مفہوم	۱۲۷
اپنی نحوست نظر نہ آنے کی عجیب مثال	۱۲۸	صفر المظفر سے متعلق اغلاط العوام	۱۲۸
اضافہ بر مضمون سابق	۱۲۹	☆☆☆☆	

دوسرا خطبہ.... پاکی کی فضیلت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ.... نماز

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
نماز میں عبادت کا پہلو	۱۳۸	نماز میں تمام کائنات کی عبادات جامع ہیں	۱۳۹
اوقات کی جامعیت	۱۴۰	نماز میں روزہ زکوٰۃ حج واعتکاف کی حقیقت	۱۴۰
نماز سے انانیت نفس کا ازالہ	۱۴۱	نماز سے تہذیب نفس خود ہو جاتی ہے	۱۴۱
روحانی اور اخلاقی مقامات	۱۴۲	نماز خلافت کبریٰ کا نمونہ	۱۴۲
ترکِ خلوت و قطع انفرادیت	۱۴۳	معیار اجتماعیت	۱۴۳
نظام ملت کے اصول	۱۴۳	مظاہرہ عامہ مساوات	۱۴۴
جہاد اور جماعت نماز	۱۴۴	نماز پورے اسلام کی میزان الکل ہے	۱۴۵
نماز کی روح ذکر اللہ ہے	۱۴۵	☆☆☆☆	

چوتھا خطبہ.... تعلیم قرآن

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
آیت مبارکہ	۱۴۹	آمدم بر سر مطلب	۱۵۴

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حقوق القرآن	۱۵۵	قرآن مجید کا ادب	۱۵۶
حقوق تلاوت	۱۵۶	☆☆☆☆	

پانچواں خطبہ.....توحید وتوکل

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
توحید کی حقیقت عملی	۱۶۱	اقسام شرک	۱۶۱
اشراک فی العلم	۱۶۲	اشراک فی التصرف	۱۶۲
اشراک فی العبادۃ	۱۶۳	اشراک فی العادۃ	۱۶۳
توکل کرنے کی فضیلت	۱۶۳	توکل کی حقیقت	۱۶۵
اعتقاداً سب مسلمان متوکل ہیں	۱۶۵	اسباب اختیار کرنے کے باوجود تمام احوال میں نظر حق تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیے	۱۶۵
مشورے کے بعد حاکم کو توکل کرنا چاہیے	۱۶۶	توکل اور تفویض کا فرق	۱۶۶
اسباب کے ترک کا سوال	۱۶۶	توکل کیساتھ دعا کا جمع کرنا کمال ہے	۱۶۶

چھٹا خطبہ.....محبت‘ شوق‘ انس ورضا

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
محبت	۱۶۸	احادیث مبارکہ	۱۶۹
مستحق محبت صرف حق سبحانہٗ کی ہی ذات ہے	۱۷۰	حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت عقلی ضرور ہونا چاہیے	۱۷۰
حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت عقلی فرض ہے	۱۷۱	محبت کے بغیر اعمال کم جان ہیں	۱۷۱
شیطان کی گمراہی کا سبب	۱۷۲	محبت دافع وسوسہ ہے	۱۷۲
محبت کا مقتضا رضا وتفویض ہے	۱۷۲	حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت رکھنے کا طریقہ	۱۷۲
دوسرا موضوع شوق	۱۷۳	طریق تحصیل	۱۷۵
انس	۱۷۵	جنت میں صرف انس ہوگا شوق نہیں	۱۷۶
رضا	۱۷۷	رضا کی حقیقت	۱۷۸
رضائے حق ہر حال میں مقدم ہے	۱۷۸	مدرسہ مقصود نہیں صرف رضائے حق مقصود	۱۷۸

مقصود اصلی اعمال نہیں صرف رضائے حق ہے	۱۷۹	دعا مانگنا رضا بالقضاء کے منافی نہیں	۱۷۹
پریشانی کا علاج رضائے خالق کی سعی ہے	۱۸۰	مدارس چلانے میں رضائے حق مدنظر ہونا	۱۸۰

ساتواں خطبہ.....علم دین کی فضیلت اور تاکید

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

علم کی حقیقت	۱۸۴	☆☆☆☆	

آٹھواں خطبہ.....عقائد کی درستگی

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں	۱۸۹	صفر المظفر کے اہم تاریخی واقعات	۱۹۲

ربیع الاوّل

پہلا خطبہ.....سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی عزیمت

مورخ اسلام سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

کام اور عمل	۹۶	اخلاق کا عظیم مرتبہ	۹۶
دینِ عیسوی اور اخلاق محمدی	۹۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومہربانی	۹۸
قرآن کی عملی تفسیر	۹۸	بعثت سے قبل آپ کے اوصاف	۹۹
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی	۹۹	رؤف ورحیم پیغمبر	۲۰۰
سیرت کا ایک روشن پہلو	۲۰۰	کثرتِ ذکر	۲۰۱
نماز سے تعلق	۲۰۱	روزہ کے بارہ میں آپکے معمولات	۲۰۲
زکوٰۃ وصدقات اور آپکی عملی زندگی	۲۰۳	زہد وقناعت میں آپ کا طرز عمل	۲۰۴
ایثار اور صحیفہ سیرت	۲۰۶	توکل واعتماد کی روشن مثال	۲۰۷
مخالفین اور دشمن سے برتاؤ	۲۰۹	پیغمبر اسلام مجسمہ عمل	۲۰۴
مساوات اور اخوت انسانی	۲۱۵	دعوت فکر	۲۰۶

دوسرا خطبہ.....رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی	۲۱۸	''رحمت'' ہماری روز مرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے	۲۱۹
رحمت کا مظہر	۲۱۹	☆☆☆☆	

تیسرا خطبہ.....حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ کے احسانات	۲۲۲	ایک واقعہ	۲۲۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار حقوق	۲۲۵	پہلا حق.....محبت	۲۲۵
پہلا معرکہ حق و باطل	۲۲۵	دوسرا حق.....عقیدت	۲۲۷
کافر کو آپ کی صداقت کا یقین	۲۲۸	تیسرا حق اطاعت	۲۳۰
اطاعت صحابہ کا ایک واقعہ	۲۳۱	فکر آخرت کی دعوت	۳۲
ایک اور واقعہ	۲۳۲	فاروق اعظم اور اطاعت رسول	۲۳۲
حضرت علی اور اطاعت رسول	۲۳۳	اتباع کا اعلیٰ مقام	۲۳۳
تین حضرات کا واقعہ	۲۳۴	حضور کے تینوں حقوق کی ادائیگی کی ضرورت	۲۳۵

چوتھا خطبہ.....جشن عید کا شرعی جائزہ

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز	۲۳۷	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ	۲۳۸
حیات طیبہ کے دو حصے	۲۳۸	سیرت طیبہ بیان کرنے کے دو طریقے	۲۳۸
فاروق اعظمؓ کا آخری لمحات میں بھی اتباع سنت	۲۳۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی حق	۲۴۰

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
میلاد النبی کا پس منظر	۲۴۰	مروّجہ میلاد النبی کا شرعی جائزہ	۲۴۱
برسی منانے کی رسم	۲۴۲	کس کس ہستی کا دن منایا جائے	۲۴۲
یوم ولادت کا جشن بدعت و گمراہی	۲۴۳	تیسری عید۔ دین میں کھلی تحریف	۲۴۳
وفات کے دن خوشی کیسی	۲۴۴	ظلم پر ظلم	۲۴۴
بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی شبیہ	۲۴۴	قباحت اول	۲۴۵
قباحت دوم	۲۴۵	قباحت سوم	۲۴۶
قباحت چہارم	۲۴۶	خلاصہ کلام	۲۴۸

پانچواں خطبہ.... ہمارے اکابر اور ذکر ولادت

از تحریرات اکابر

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کو صرف ماہ ربیع الاول کیلئے مخصوص کرنا خلاف عمل ہے	۲۵۰	اکابر علماء دیوبندؒ ذکر ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منع نہیں کرتے	۲۵۱
ربیع الاول	۲۵۲	اضافہ	۲۵۳
ربیع الثانی	۲۵۳	امر دوم: ’’اس عمل میں عقیدت‘‘	۲۵۳
امر سوم: ’’اس عمل میں نیت‘‘	۲۵۴	امر چہارم: ’’اس عمل کی ہیئت‘‘	۲۵۴
امر پنجم: ’’اس امر میں بعض خواص کی ذلت‘‘	۲۵۵	رفع شبہ	۲۵۵

چھٹا خطبہ.... ذکر اللہ اور دعا

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
آیت مبارکہ	۲۵۷	احادیث	۲۵۸
ذکر کی حقیقت	۲۵۸	ذکر میں کسی قسم کی پابندی نہیں	۲۵۹
ذکر کے ثمرات	۲۶۰	ذکر کے تین درجے	۲۶۰
بعض مواقع میں ذکر قلبی افضل ہے	۲۶۰	ذکر میں خلوص	۲۶۱
حقیقت دین کی ذکر ہے	۲۶۲	کثرت ذکر سے نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے	۲۶۲

خدا کے ذکر سے ہی قلوب کو چین مل سکتا ہے	۲۶۳	ذکر اللہ کی چند مثالیں	۲۶۳
اسّی سال کی عبادت کا ثواب	۲۶۳	ربیع الاوّل کے اہم تاریخی واقعات	۲۶۷

ربیع الثانی

پہلا خطبہ.... کھانے پینے میں میانہ روی

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ	۲۷۴	حدیث اول	۲۷۴
حدیث دوم	۲۷۴	حدیث سوم	۲۷۵
حدیث چہارم	۲۸۵	آیت مبارکہ	۲۷۵
ایک عبرت آموز واقعہ	۲۸۰	☆☆☆☆	

دوسرا خطبہ.... حقوق نکاح

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

نکاح اللہ کی قدرت کی نشانی بھی ہے	۲۸۵	نکاح کی غرض وغایت	۲۸۷

تیسرا خطبہ.... تفکر وتدبر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

فکر	۲۹۶	فکر کی ضرورت	۲۹۷
تفکر فی الدنیا کی دو لطیف تفسیریں	۲۹۷	فکر فی الدنیا کی ایک عمدہ تفسیر	۲۹۸
طریق تحصیل	۲۹۸	☆☆☆☆	

چوتھا خطبہ.... موت اور ما بعد الموت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

موت سے نہ ڈریئے	۳۰۲	موت مومن کے لئے تحفہ ہے	۳۰۲

موت کو یاد رکھنے کے فائدے	۳۰۳	موت کے ذکر میں کوئی مشقت نہیں	۳۰۴
موت کی یاد کے لئے ایک ناصح کا قطعہ	۳۰۴	موت کی یاد کس وقت تک مستحسن ہے	۳۰۵

پانچواں خطبہ.... نوافل

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چھٹا خطبہ.... نمازِ تہجد

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تہجد کے معنی	۳۱۰	تہجد کی فضیلت احادیث طیبہ کی روشنی میں	۳۱۱
سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی حکایت	۳۱۱	نماز تہجد کی تعداد رکعات	۳۱۲
نماز تہجد کے اُٹھنے کیلئے ظاہری اسباب	۳۱۲	باطنی اسباب	۳۱۳
اغلاط العوام	۳۱۳	نماز تہجد کی کیفیت	۳۱۳
تحیۃ الوضوء	۳۱۴	تحیۃ المسجد	۳۱۴
اشراق	۳۱۴	چاشت	۳۱۵
اوّابین	۳۱۵	تہجد	۳۱۵
صلوٰۃ التسبیح	۳۱۶	ربیع الثانی کے اہم تاریخی واقعات	۳۱۸

جمادی الاولیٰ

پہلا خطبہ.... کسب معاش

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ	۳۲۳	آثار	۳۲۵
آیات	۳۲۷	☆☆☆☆	

دوسرا خطبہ.... کسب حرام سے بچاؤ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ.... حقوق عامہ وخاصہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات	۳۳۶		

چوتھا خطبہ.... دھوکہ کھانے کی برائی

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ.... مراقبہ ومحاسبہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مراقبہ	۳۵۳	مراقبہ رویت	۳۵۴
مراقبہ موت الحدیث	۳۵۴	اصلاح کا آسان نسخہ	۳۵۴
محاسبہ	۳۵۵	احادیث	۳۵۵
حقیقت محاسبہ	۳۵۶	جمادی الاولیٰ کے اہم تاریخی واقعات	۳۵۷

جمادی الثانی

پہلا خطبہ.... بُرے ہم نشین سے پرہیز

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

اضافہ	۳۶۰	☆☆☆☆	

دوسرا خطبہ.... سفر اور اس کے آداب

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آداب سفر	۳۶۶	☆☆☆☆	

تیسرا خطبہ.... گانے سننے کی ممانعت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

خوش آوازی کیساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں	۳۷۴	شرائط سماع	۳۷۴

چوتھا خطبہ....امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تبلیغ ہر اُمتی کے ذمہ واجب ہے	۳۷۸	تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے	۳۷۹
اسلام کا نرالا طرز تبلیغ	۳۷۹	ثمرہ تبلیغ	۳۸۰
تبلیغ کا ایک باریک ادب	۳۸۰	تبلیغ میں ضرورت اعتدال	۳۸۱
دور حاضر میں تبلیغ اسلام کا حکم	۳۸۱	امر بالمعروف کا ایک قاعدہ	۳۸۱
تبلیغ کس صورت میں واجب ہے	۳۸۱	تبلیغ اور مصالح	۳۸۲
نہی عن المنکر کسی دنیوی مصلحت کی بناء پر معاف نہیں	۳۸۲	تبلیغ واشاعت کیلئے دینی مدارس کی ضرورت	۳۸۲
دوران حصول علم تبلیغ کی نیت	۳۸۲	تعلیم و تعلم بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے	۳۸۳
تبلیغ سے متعلق ہر معاون کام تبلیغ ہے	۳۸۳	بے عملی ترک تبلیغ کا عذر نہیں	۳۸۳
اپنی فکر اصلاح مقدم ہے	۳۸۴	مبلغین کو ذکر اللہ کیلئے بھی وقت نکالنا چاہیے	۳۸۴
تبلیغ اور اصلاح نفس میں ترتیب	۳۸۷	بیان وعظ میں مجمع کی کثرت وقلت پر نظر نہ ہونا چاہیے	۳۸۷

پانچواں خطبہ....آداب معاشرت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

جمادی الثانی کے اہم تاریخی واقعات	۳۹۵	☆☆☆☆	

رجب المرجب

پہلا خطبہ.... چند غلط فہمیوں کا ازالہ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
رجب کا چاند دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل	۳۹۸	شب معراج کی فضیلت ثابت نہیں	۳۹۸
شب معراج کی تعیین میں اختلاف	۳۹۹	اگر یہ فضیلت والی رات ہوتی تو اس کی تاریخ محفوظ ہوتی	۳۹۹
وہی ایک رات فضیلت والی تھی	۳۹۹	آپ کی زندگی میں ۱۸ مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی لیکن	۳۹۹
اس کے برابر کوئی احمق نہیں	۴۰۰	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ دین کو جاننے والا کون	۴۰۰
اس رات میں عبادت کا اہتمام بدعت ہے	۴۰۰	۲۷ رجب کا روزہ ثابت نہیں	۴۰۱
فاروق اعظمؓ نے بدعت کا سد باب کیا	۴۰۱	اس رات میں جاگ کر کون سی برائی کرلی؟	۴۰۱
دین ''اتباع'' کا نام ہے	۴۰۱	وہ دین میں زیادتی کر رہا ہے	۴۰۲
کونڈوں کی حقیقت	۴۰۲	یہ امت خرافات میں کھوگئی	۴۰۳

دوسرا خطبہ.... سفر معراج کی تفصیلات

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اکیسواں واقعہ: ''حق تعالیٰ کو دیکھنا اور بات کرنا''	۴۲۹	پہلی بات	۴۳۰
دوسری بات	۴۳۱	تیسری بات	۴۳۱
''اوپر کے آسمانوں سے نیچے کے آسمانوں کی طرف واپسی''	۴۳۱	''آسمانوں سے زمین کی طرف واپسی''	۴۳۴

''معراج کا قصہ سننے کے بعد سننے والوں کیساتھ کیا معاملہ ہوا''	۴۳۵	''واقعہ معراج کے بارے میں کفار کا سوال کرنا اور آپکا جواب دینا''	۴۳۵

تیسرا خطبہ.....اصلاح باطن

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبہ	۴۳۸	دیکھنے کی چیز دراصل قلب ہے	۴۴۰
قلب کا اثر لباس اور کلام میں	۴۴۱	لایعنی کلام سخت مضر قلب ہے	۴۴۲
اصلاح قلب کیلئے قطع علائق ضروری ہے	۴۴۲	دل کے تباہ ہونے کی علامات	۴۴۲
مصائب اور بلاؤں سے قلوب کا آپریشن	۴۴۳	واردات قلب منجانب اللہ ہیں	۴۴۳
قلب سلیم خیر وشر کا صحیح ادراک کرتا ہے	۴۴۳	وسوسہ قلب کے باہر سے آتا ہے	۴۴۴
نماز میں احضار قلب مقصود ہے	۴۴۴	اعتکاف کی حالت میں دل کا گھر میں رہنا	۴۴۵
معصیت سے قلبی اور روحانی صحت برباد	۴۴۵	قلب کا زنا	۴۴۶
اعمال باطنہ کا محاسبہ	۴۴۶	اصل رونا دل کا ہے	۴۴۷
دل اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی یاد کیلئے بنایا ہے	۴۴۸	اصلاح قلب کا آسان نسخہ	۴۸۴

چوتھا خطبہ.....تہذیب اخلاق

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تفسیری نکات	۴۵۱	گناہ کی دو قسمیں	۴۵۱
مشورہ	۴۵۸	☆☆☆☆	

پانچواں خطبہ.....حفاظت شکم وشرم گاہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات	۴۵۹	شکم.....تمام شہوات کا سرچشمہ	۴۶۰

خطبے میں مذکورہ آیت سے پہلے	۴۶۱	یتیم کا مال ظلماً کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا	۴۶۱
جوارح اور دل کے گناہ	۴۶۵	بلاغت کلام باری تعالیٰ	۴۶۵
گناہوں کی قسمیں	۴۶۶	☆☆☆☆	

چھٹا خطبہ.....اخلاص وصدق

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

دین کا مدار اعمال پر ہے	۴۷۱	درجات کا اصل مدار	۴۲۷
روح دین	۴۷۳	ہمارے اعمال کی حالت	۴۷۴
خوشی کی تین قسمیں	۴۷۴	غلو فی الاخلاص	۴۷۴
وسوسہ ریاء ریاء نہیں	۴۷۵	خالی الذہن ہونا بھی ایک قسم کا اخلاص ہے	۴۷۵
نیت کا مفہوم	۴۷۶	اعمال صالحہ کی تین صورتیں	۴۷۷
دنیا مخلصین سے خالی نہیں	۴۷۷	حاصل وعظ	۴۷۷
صدق	۴۷۸	طریق تحصیل	۴۷۹

ساتواں خطبہ.....کینہ، حسد اور غصہ کی قباحت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
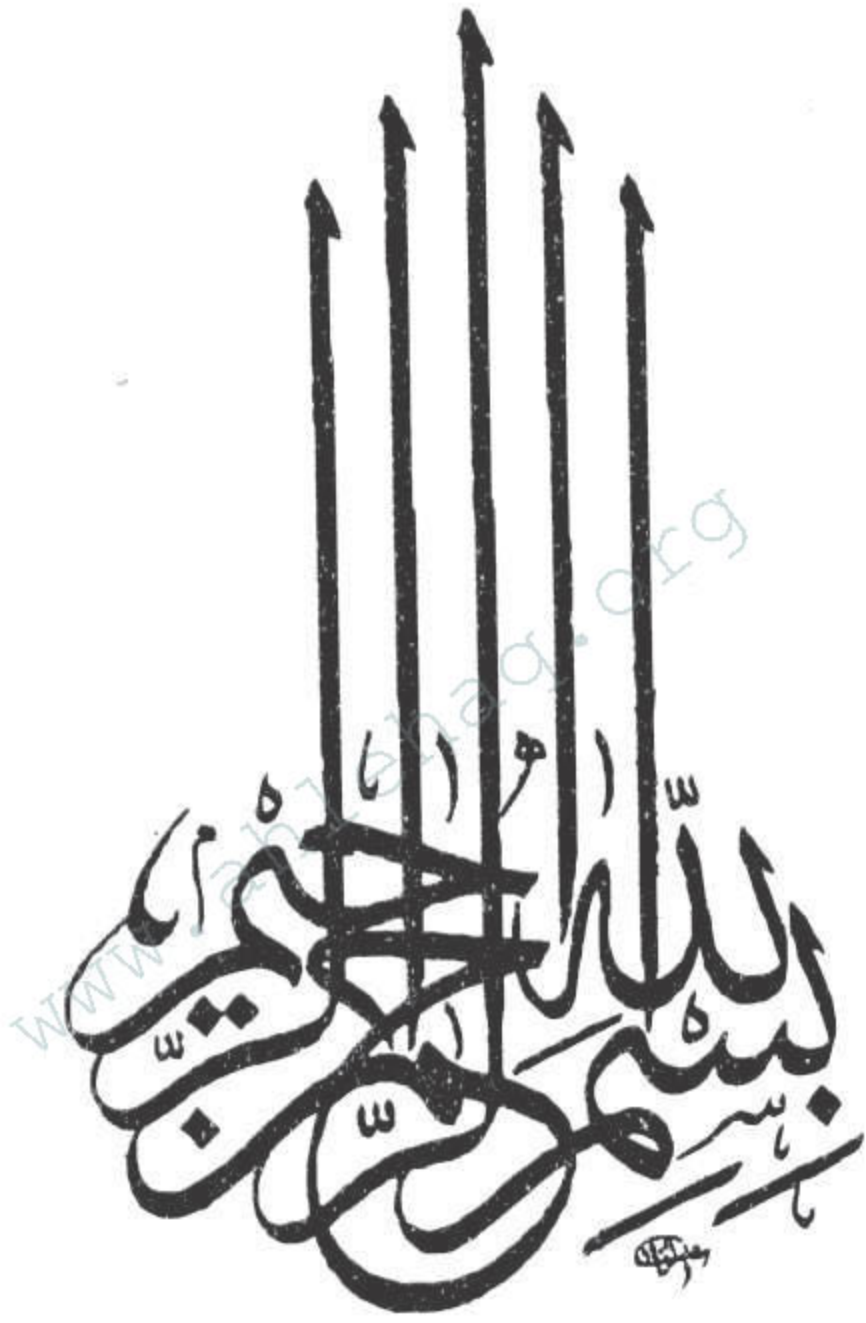
آیات طیبات	۴۸۰	غصہ کا وجود مذموم نہیں	۴۸۲
غصہ کے وقت حرارت کے آثار	۴۸۲	غصہ آنا غیر اختیاری ہے	۴۸۳
غصہ میں نفس پر قابو رکھنے کی بشارت	۴۸۳	غصہ سے مختلف امراض خبیثہ پیدا ہوتے ہیں	۴۸۴
غصہ میں عفو سے کام لینا عزیمت ہے	۴۸۴	غصہ کا اعتدال	۴۸۵
دین کی حمیت پر غصہ نہ آنا	۴۸۵	نفس پر غصہ	۴۸۵
غصہ کا علاج	۴۸۵	حکمت	۴۸۶

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حکمت	۴۸۶	عین غصہ کے وقت فیصلہ نہ کرنیکا حکم	۴۸۷
غصہ میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے	۴۸۸	کینہ کی مذمت آیات قرآنی کی روشنی میں	۴۸۸
کینہ کی مذمت احادیث کی روشنی میں	۴۸۹	کینہ کی حقیقت	۴۸۹
کینہ اور انقباض طبعی میں فرق	۴۸۹	کینہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے	۴۸۹
علاج	۴۹۰	حسد کی حقیقت	۴۹۱
حسد اور غبطہ میں فرق	۴۹۱	حسد کے دینی و دنیوی نقصانات	۴۹۱
حسد کے درجات	۴۹۲	بعض ذاکرین شاغلین بھی حسد سے مبرا نہیں	۴۹۲
حسد کے زوال کی علامت	۴۹۳	حسد اور غبطہ میں فرق	۴۹۳
حاسد کے سامنے اپنی نعمت کا ذکر نہ کرنا	۴۹۳	حسد کا علاج	۴۹۳
رجب المرجب کے اہم تاریخی واقعات	۴۹۵	☆☆☆☆	

بسم الله الرحمن الرحیم

محرم الحرام

پہلا خطبہ

محرم الحرام تعارف وضروری احکام.................مولانا روح اللہ صاحب مدظلہ

دوسرا خطبہ

منکرات محرم.....................فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

شہادت کی فضیلت واقسام.........شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ.......مورخ اسلام مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

عاشورا............................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چھٹا خطبہ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ...............مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

ساتواں خطبہ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی تفصیلات........مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

آٹھواں خطبہ

سن ہجری کا آغاز........................خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ

نواں خطبہ

مقصد زندگی.......................فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

مع محرم الحرام کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

محرم الحرام تعارف وضروری احکام

مولانا روح اللہ صاحب مدظلہ

''محرم'' اسلامی سال کا پہلا قمری مہینہ ہے۔ اس میں م مضموم ح مفتوح اور ر مشدد مفتوح پڑھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔

اس کے لغوی معنی معزز اور محرم کے ہیں۔ قرآن مجید میں بیت اللہ شریف کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا کے ضمن میں آیا ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ o (۳۷۔ ابراہیم۔۱۴)

''اے اللہ! میں نے اپنی اولاد بے آب وگیاہ بستی میں تیرے گھر کے پاس بسائی ہے۔''

محترم گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ یہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ خوب جانی پہچانی اور سب کی نگاہوں میں محترم اور متبرک تھی۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: ''بے شک مہینوں کی تعداد تو اللہ کے نزدیک بارہ/۱۲ ہی ہے۔ اُسی دن سے جب سے اُس نے زمین وآسمان بنائے۔ ان میں سے چار مہینے خصوصاً عظمت والے ہیں۔ پس ظلم نہ کرو اپنی جانوں پر ان مہینوں میں۔'' (۳۶۔ توبہ:۹)

ان عظمت والے چار مہینوں میں بالاتفاق پہلا مہینہ ''محرم الحرام'' کا مہینہ ہے۔ باقی تین مہینے رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے ہیں۔

عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کی تعظیم کرتے تھے اور ان میں قتال حرام جانتے تھے۔ اسلام میں ان مہینوں کی عظمت اور حرمت اور زیادہ ہوگئی۔ ان مہینوں میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متبرک اوقات میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس

کیا جاسکتا ہے تو وائے بر حال ان لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات پر اور وہ بھی زمانہ عرس میں فجور وبدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ماہ محرم الحرام کو تشریفاً شہر اللہ کہا گیا ہے جیسے دوسرے مقامات پر کعبہ شریف کو بیت اللہ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو "ناقۃ اللّٰہ" فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ محرم الحرام کی اسی بزرگی اور برتری کی بناء پر حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ افضل محرم الحرام کے روزے ہیں۔"

اور دوسری جگہ فرمایا کہ "یعنی ایام محرم میں سے ایک یوم کا روزہ دوسرے مہینوں کے تیس ۳۰ ایام کے برابر ہے۔" (غنیۃ الطالبین)

شیخ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت سی وجوہ نقل فرمائی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ جملہ کائنات ومافیھا سب اسی ماہ محرم میں شرف وجود سے مشرف ہوئیں۔ نیز کائنات کے دوسرے اہم اور مہتم بالشان کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے تک سب اسی مبارک اور محترم مہینہ میں سرانجام پائے۔ (غنیۃ)

بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت بھی اسی مہینہ میں واقع ہوگی۔ (غنیۃ)

بناء بریں ہم اس مہینہ کو کائنات کا مبداء اور منتہیٰ قرار دے سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً انہیں خصوصیات کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کے خاص الخاص دن یعنی یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور آئندہ سال دو روزے رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رمضان المبارک کی فرضیت سے پہلے یہی عاشورہ کا روزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اُمت پر فرض تھا مگر چونکہ اس کا اہتمام زیادہ تر یہود اور نصاریٰ کیا کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال ایک روزہ کے اضافہ کا فیصلہ فرمایا تا کہ یہود سے تشبہ بھی لازم نہ آئے اور اکتساب ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہو۔

چنانچہ فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ: "عاشورہ کا روزہ رکھو تو ضرور رکھو مگر یہود سے امتیاز کیلئے آگے یا پیچھے ایک دن کا اضافہ کرلو۔" (احمد)

مسلم شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: "یعنی مجھے غالب توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے گزشتہ ایک برس کے گناہ معاف فرمادیں گے۔"

احادیث سے فضائل محرم وعاشورہ

۱- اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں عاشورہ کے روزہ کا فرمایا کرتے تھے۔''

۳- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آئندہ سال میں اس دن کو پاؤں گا تو نویں محرم و دسویں یا دسویں و گیارہویں محرم کا روزہ رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے روزے اور ہمارے روزوں میں امتیاز ہو سکے۔''

۴- حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عرفہ کا نفلی روزہ روزہ دار کے لیے دو سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے جس سال میں اس نے روزہ رکھا اور اس سے پہلے سال کا کفارہ ہوتا ہے لیکن عاشورہ کا روزہ صرف ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔'' (مسلم)

نوٹ: اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں روزے ہیں تو نفلی ان میں کوئی بھی واجب یا فرض نہیں ہے لیکن عرفہ کے روزے کو عاشورہ کے روزے پر فضیلت ہے کیونکہ عاشورہ کا روزہ شریعت میں مشروع نہیں ہے اس روزہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد یہودیوں کو رکھتے ہوئے دیکھا اور دریافت فرمایا تو یہودیوں نے جواباً عرض کیا اس دن ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور اسی دن بفضل خدا انہوں نے دریائے نیل کو عبور کیا تھا ہم اس شکریے میں یہ روزہ رکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: (ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں اس روزہ کے رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متابعت میں نہیں بلکہ ان کی موافقت میں رکھا تھا۔

۵- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرا جو اُمتی عاشورے کے دن اپنے اہل وعیال پر رزق میں فراخی کرے گا تو

اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں فراوانی عطا فرمائے گا۔'' (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سفیان کہتے ہیں، ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کیا۔ تجربہ نے یہ ثابت کیا کہ پورے سال ہمارے رزق میں فراوانی رہی۔ جذبہ اتباع امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی یہی برکات وثمرات ہیں۔ مسلمانوں کو اس حدیث پاک پر عمل کر کے برکات سے مستفید ہونا چاہیے۔

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کیوں کہتے ہیں؟

علماء لغت نے جو توجیہ کی ہے اسے آپ پیش نظر رکھیں۔ پہلی توجیہ گنتی کے لحاظ سے جب ہم عربی میں ایک سے دس تک گنتی گنیں تو اس طرح ہے:

واحد	اثنان	ثلث	اربع	خمس	ست	سبع	ثمانیۃ	تسعۃ	عشرہ
ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس

''عاشورہ'' دسواں دن۔ محرم کے دسویں دن کو اسی مناسبت سے عاشورہ کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن انبیاء کرام کو اللہ رب العزت نے دس انعامات سے نوازا ہے اس لیے اسے عاشورہ کہا جاتا ہے جس کی تفصیل اس طریقہ پر ہے۔

(۱)...... حضرت آدم علیہ السلام نے جب بھول کر درخت ممنوعہ کا پھل کھایا پھر فوراً ہی اپنی لغزش پر نادم ہو کر بارگاہِ خداوندی میں ان الفاظ کے ساتھ توبہ کی:

''اے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر آپ کی بارگاہ اقدس سے ہمیں معافی نہ ملی اور ہم پر آپ نے رحم نہیں فرمایا تو یقیناً ہم گھاٹے میں رہ جائیں گے۔'' (سورہ اعراف)

چنانچہ قرآن پاک میں ہے ''فَتَابَ عَلَیۡہِ'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی) یہ دن عاشورہ کا تھا۔

(۲)...... حضرت ادریس علیہ السلام کو رفعت مکانی کی نعمت اسی دن حاصل ہوئی۔ جیسا کہ سورہ مریم میں ہے:''وَرَفَعۡنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا''

ترجمہ:'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ادریس کے بارے میں یاد رکھئے وہ سچے نبی تھے ہم نے انہیں قرب وعرفان کے بہت اونچے مقام پر پہنچایا۔''

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی آسمان پر اُٹھائے گئے۔

(۳)...... قوم نوح نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اس کی پاداش میں

جب انہیں طوفان میں غرق کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عاشورہ کے دن انعام خاص سے نوازا اور فرمایا: ''اے نوح! اب تم مع اپنے متبعین کے جو تمہارے ساتھ اس کشتی میں ہیں ہماری بخشی ہوئی سلامتی کے ساتھ زمین پر اتر جاؤ اور ہمارے عطاء کردہ برکتوں سے بھی مستفید ہوتے رہو انہی برکات میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا آدم ثانی ہونا بھی ہے کیونکہ عام غرقابی کے بعد دوبارہ نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام سے پھیلی ہے۔''

(۴)...... حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۰ محرم کو پیدا ہوئے۔ اسی روز انہیں نبوت عطا فرمائی گئی اور خلیل اللہ کا لقب عطا کیا گیا۔ یہی ان تھا جب آپ نے نمرود کے شاہی مندر میں جا کر تمام بتوں کو توڑا اور اس کی سزا میں آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا۔ یہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ o

ترجمہ: ''اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ہمارے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بن جا۔''

(۵)...... مشہور روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی جس کا ذکر سورہ ص میں ہے:

ترجمہ: ''اور داؤد علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے تو انہوں نے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی درخواست کی تو ہم نے انہیں بھی معاف کر دیا اور توبہ کی قبولیت سے نوازا۔''

(۶)...... حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں سے ملک نکل گیا تو عاشورہ کے روز رب کے حضور میں ان الفاظ سے دعا کی:

ترجمہ: ''میرے پروردگار! مجھے ایسا ملک (غلبہ) عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لیے ایسا ملک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں حکمرانی عطا فرمائی۔''

(۷)...... مشہور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم اطہر پر آبلے پڑ گئے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور خدائے قدوس کے حضور دعا کی:

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ o

ترجمہ: ''میرے رب مجھے تکلیف ومرض نے گھیر لیا ہے اور آپ ہی ارحم الراحمین ہیں۔''

چنانچہ اسی دن یعنی دس محرم کو ان کی دعا قبول ہوئی اور فرمایا ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا قبول کی اور ان کی تکالیف کو دور کر دیا۔

(۸)...... عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے نیل کو پار کیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کیا گیا۔

(۹)......۱۰ محرم ہی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی رحمت بے پایاں سے نواز کر انہیں مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکالا اور فرمایا:

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۤءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ۝ (الصّٰفّٰت)

ترجمہ: ''ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو کنارے پر لا ڈالا اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔''

(۱۰)...... جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی پر چڑھانے کا ارادہ کیا تو جیسا وعدہ فرمایا تھا:

ترجمہ: ''اے عیسیٰ! میں تجھے آسمان پر اُٹھالوں گا اور کافروں کے حربے سے پاک رکھوں گا۔'' (سورہ مریم)

پھر جیسا سورہ مائدہ پارہ (۶) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے رب نے آسمان پر اُٹھالیا اور سولی پر چڑھائے جانے والے شخص کے بارے میں وہ شک وشبہ میں ڈال دیئے گئے۔ یہ انعام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عاشورہ کے دن ہوا۔

یہ اجمالی تذکرہ تھا۔ ان انعامات خاص کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں یعنی اپنے انبیاء ورُسل پر اس روز فرمائے جو عاشورہ کا دن کہلاتا ہے۔

سانحہ کربلا

یوم عاشورہ یعنی دس محرم کے دن ہی سانحہ کربلا بھی واقع ہوا جس میں حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ طوالت کلام کے سبب ہمیں اس کے اسباب وعلل پر گفتگو کرنا اس لیے مناسب نہیں کہ یہ ایک موضوع ہی علیحدہ ہے اس پر طویل گفتگو کی جائے تو ایک علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

حقیقت محرم

محرم باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ عربی میں تحریم کے دوسرے معانی کے ساتھ اس کے معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں تو محرم کے معنی معظم (عظمت والا) ہوئے۔ چونکہ یہ مہینہ عظمت کے قابل ہے اس لیے اس کا نام محرم ہے۔ زمانہ اسلام سے قبل بھی محرم الحرام ان چار مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں مشرکین عرب جنگ وجدال اور قتل وقتال کو بند رکھتے تھے اور ابتداء میں اسلام نے بھی اس کے اندر قتال کے ممنوع ہونے کو باقی رکھا مگر

باتفاق اُمت حرمت قتال کا یہ حکم آیت قرآنیہ "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" (پارہ ۱۰) سے منسوخ ہو گیا اور اب ان مہینوں میں قتال جائز ہے۔ اگرچہ اب بھی افضل یہی ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی ابتداء نہ کی جائے۔ (شامی ص ۳۰۲، ج ۳)

پورا مہینہ حق تعالیٰ کی خصوصی توجہات کا محل ہے۔ اس مہینے میں جتنا ہو سکے عبادات میں کوشش کرنی چاہیے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لیے فضیلت ملی کہ: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی اور شیعہ لوگ اسی لیے اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اس ماہ میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام نہیں کرتے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے یہاں یہ مہینہ محترم و معظم اور فضیلت والا ہے۔ لہٰذا اس میں نیک کام بہت کرنے چاہئیں۔

محرم کا روزہ

اس ماہ کو یہ بھی عزت حاصل ہے کہ اس کے اندر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں فرعون مصر کے ظالم و جابر ہاتھوں سے نجات پائی اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے دریائے نیل میں غرق ہوا اس لیے بطور شکریہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مہینے کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ہم اس کے تم سے زیادہ حق دار اور موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ (بخاری ص ۲۶۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اس دن کا روزہ رکھنا رمضان کے بعد تمام روزوں سے افضل ہے۔" (مسلم شریف ص ۳۶۸)

اس لیے اس کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور ملا لینا چاہیے۔ بہتر یہ ہے نویں، دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھنا چاہیے۔ صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا کراہت سے خالی نہیں۔

دسویں محرم اہل وعیال کے ساتھ

شریعت مطہرہ نے اس دن کے لیے یہ تعلیم بھی فرمائی ہے کہ اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں فراخی اور وسعت کی جائے تاکہ اس پر تمام سال فراخی رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

اس ماہ کی برکت وعظمت اور فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہو کر تجلیات رحمانی کا بڑا حصہ حاصل کیا جائے مگر ہم نے محرم الحرام کے مہینے اور خاص طور پر اس کی دسویں تاریخ میں طرح طرح کی خود تراشیدہ رسومات و بدعات کا اپنے آپ کو پابند کر کے بجائے ثواب حاصل کرنے کے اُلٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو کر ہلاکت کا سامان فراہم کر لیا۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ماہ محرم فضیلت کی وجہ سے جس طرح اس میں عبادات کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اس ماہ کے اندر گناہوں اور معصیت میں ملوث ہونے کے وبال وعتاب کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس ماہ میں جن اُمور کی ہدایات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہیں وہ دو ہیں: ایک نویں دسویں' یا دسویں گیارہویں کا روزہ جو کہ سنت ہے' دوسرے دسویں کو حسب استطاعت اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت وفراخی کرنا جو کہ مستحب ہے۔ ان کے علاوہ جن بدعات ورسومات کا رواج ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے وہ سب قابل ترک ہیں ان میں سے بعض مروجہ بدعات ورسومات کا تذکرہ اس جگہ بھی کیا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کی چھٹی

دیکھا جاتا ہے کہ لوگ عام طور پر اس دن چھٹی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان کے عزائم وارادوں کو بڑھا دینا ہے اور ان منکرات کی تائید وتقویت ہے۔ دوسرے یہ کہ شیعہ اس دن ماتم کرتے ہیں۔ سخت مصیبت ومشقت اور محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مسلمان چھٹی کر کے ان کے تماش بین بن جاتے ہیں جبکہ منکرات کو دیکھنا بھی غلط ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تعزیہ کی بدعت

تعزیہ بنانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور اس کا بنانا رسومات میں داخل ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔ مال اچھی اور جائز کمائی سے ہونا چاہیے اور خرچ بھی صحیح مصرف میں ہونا چاہیے اور بعض عوام جہلاء تو تعزیہ کے سامنے نذر ونیاز کرتے ہیں جس کا کھانا "وما اهل به لغير الله" میں داخل ہو کر حرام ہے۔ اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑا ہونا اور عرضیاں لٹکانا اور اس کے دیکھنے کو ثواب سمجھنا سخت معصیت ہے اور بعض ان میں سے درجہ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں۔

"اَتَعْبُدُوْنَ مَاتَنْحِتُوْنَ" (کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو؟) میں داخل ہو کر موجب کفر وشرک ہے۔ العیاذ باللہ (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام ص ۹۱)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت اور ان کا نام اس پر چسپاں کرنا

سخت حماقت ہے جو عقلاً و شرعاً ہر طرح سے منع ہے۔ نسبت سے بھی کسی شے میں تعظیم آ جاتی ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ وہ نسبت سچی اور واقعی ہو۔

قارئین کرام!

ہمارے اس مختصر سے تجزیہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ماہ محرم الحرام کی یہ عزت وعظمت ہنگامی یا ناگہانی نہیں بلکہ یہ شان محرم کی ازلی اور ابدی شان ہے۔ ماہ محرم الحرام اپنے اس امتیاز میں کسی مکان وزمان کا پابند نہیں بلکہ خود زمان و مکان کسب شان میں محرم الحرام کے پابند ہیں۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اسی مہینہ کی دس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے

☆...... حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔

☆...... حضرت ادریس علیہ السلام کو درجات عالیہ عنایت فرمائے۔

☆...... حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر اُتری۔

☆...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب خلت سے سرفراز فرمایا گیا۔

☆...... حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے چھٹکارا ملا۔

☆...... حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی۔

☆...... حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات بھی اسی روز ملی۔

☆...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اسی روز نجات پائی۔

☆...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا۔

☆...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز اہل مکہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

اور شاید اسی مناسبت سے عرب اس دن کو "یوم الزینة" بھی کہتے ہیں۔

یہ سب واقعات ماہ محرم الحرام کے اس امتیاز اور افتخار کی زندہ دلیل ہیں جس کا تذکرہ ہم شروع میں مختصر طور پر کر چکے ہیں۔

یوں تو سال کے بارہ ۱۲/ مہینوں کی ہر تاریخ کو کوئی نہ کوئی غیر معمولی واقعہ یا سانحہ رونما ہوا ہے مگر سطور ذیل میں صرف ماہ محرم الحرام میں رونما ہونے والے چند واقعات وحادثات کا ذکر کیا گیا ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

دوسرا خطبہ

منکرات محرم

فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھادیا ہے عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جمادی گئی ہے کہ دنیا میں شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا' حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت دیکھئے مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلم عظیم پر کس قدر صبر واستقامت کے ساتھ جان دے دیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اس قدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش وعرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے ہوئے کسی کان کا اس طرف التفات کسی قلم کو یہ جان فگار حادثہ لکھتے ہوئے اوراق تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ اس مظلومیت پر کسی دل میں احساس درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشک بار دیکھا ہے اس سے بھی بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا' دانت مبارک کا شہید ہونا' چہرۂ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نہ رکنے والا خون جاری ہونا' انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا شہید ہونا ہے دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں مگر یہاں تو زبان' کان' قلم' نگاہ' دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں نہ کسی نبی کی غور کیجئے کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے

''امام'' کا لفظ اہل حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی۔ اہل حق کے ہاں

اس کے معنی پیشوا' رہبر اور مقتدا کے ہیں اور اہل تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں۔ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے ظاہر ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہل حق کے ہاں ہیں۔اس اعتبار سے تمام صحابہ تابعین' اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں۔اس لئے امام ابوبکر' امام عمر' امام عثمان' امام علی' امام ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہنا چاہئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **النجوم امنة للسماء و اصحابی امنة لامتی.** میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں سب کے سب امام ہیں جس کی چاہو اقتداء کرلو ہر ستارے میں روشنی ہے جس سے چاہو روشنی حاصل کرلو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امام بتایا اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور تمام علماء کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ لوگ امام ابوبکر نہیں کہتے امام عمر نہیں کہتے امام حسن اور امام حسین کہتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے یہ تشیع کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے اگر اہل حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہہ دیا ہے تو انہوں نے اس کے صحیح معنی میں امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیع کا اثر ہے۔

علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں اس سے بھی احتراز لازم ہے۔جس طرح دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہئے جس طرح حضرت ابوبکر' حضرت عمر و دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی لکھے اور کہے جائیں۔

مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں میں بھی اہل تشیع کا اثر پایا جاتا ہے مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرک کے لئے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے اسی طرح علی' حسن' حسین ملایا جاتا ہے۔صدیق' فاروق' عثمان اور کسی صحابی کا نام بطور تبرک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور

نہیں۔نسبت غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر اور کسی صحابی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ و دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی۔اس سے بھی بڑھ کر الطاف حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی مسلمانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

شہادت کے قصے سننا اور سنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنے اور سنائے جاتے ہیں۔اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے۔چنانچہ جب دس محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملالو نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصے سن کر صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوت قلب پیدا ہو۔ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتا نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کر سکے گا؟

اسلامی سال کی ابتداء کہاں سے ہو؟ سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سن کر مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو گی اور دین کی خاطر محنت و مشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہو گا اس کے برعکس میلاد سے ابتداء کرنے میں لہو ولعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی جنگ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جا کر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار! کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

نیز یہ رونے رلانے کے قصے جو ان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔تاریخ پر اہل تشیع کا تسلط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر من گھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت و عقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا یہ ایسے امور ہیں کہ

ان کی وجہ۔ سے قصہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے۔حتی کہ بظاہر معتبر و مستند کتابوں میں مندرجہ تفاصیل بھی قابل اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل و اصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہیں بلکہ نفس شہادت کے سوا اس کی تفصیل کا شاید ہی کوئی جز ئیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جا سکے جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے والوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتی ہے اس میں کئی گناہ ہیں پہلا گناہ یہ کہ اس میں دشمنان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دشمنان قرآن کے ساتھ تشبہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **"من تشبہ بقوم فھو منھم"** جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ اسی میں شمار ہوگا۔

ہولی کے دنوں میں ایک بزرگ جا رہے تھے انہوں نے مزاح کے طور پر ایک گدھے پر پان کی پیک ڈال کر فرمایا کہ تجھ پر کوئی رنگ نہیں پھینک رہا۔لو تجھے میں رنگ دیتا ہوں مرنے کے بعد اس پر گرفت ہوئی کہ تم ہولی کھیلتے تھے اور عذاب میں گرفتار ہوئے۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔دشمنوں کی رونق بڑھانا بہت بڑا گناہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **"من کثر سواد قوم فھو منھم"** جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح کسی عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔ایک بار کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردے کی غرض سے خود کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پردے میں کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سے دیکھتی رہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس عبادت کے نظارے سے سیر ہو کر جب خود ہٹیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہٹے۔غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے ایسی غضب والی

جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے۔ جب سید الاولین والاخرین' رحمۃ للعالمین' حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا۔سوچنا چاہئے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے کرتوتوں سے اس وقت کوئی عذاب آ گیا تو کیا صرف نظارہ کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عذاب آخرت میں بھی یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ مستحق عذاب بنانے والی بداعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں۔

وصل اللهم و بارک وسلم علی عبدک و رسولک محمد
و علی اله وصحبه اجمعین والحمد لله رب العالمین.

تیسرا خطبہ

شہادت کی فضیلت واقسام

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بے شک سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے مضبوط کڑا التقویٰ ہے' سب سے بہتر ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے' سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے' سب سے اشرف کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' سب سے بہتر قصہ یہ قرآن ہے' تمام کاموں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کو عزیمت سے ادا کیا جائے اور بدترین کام وہ ہیں جو نئے نئے ایجاد کیے جائیں' سب سے بہتر طور طریقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طور طریقہ ہے' سب سے اشرف موت شہداء کی شہادت اور ان کا قتل ہے۔" (حیاۃ الصحابہ)

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ شہید کا قتل ہونا سب سے اشرف موت ہے۔ اشرف کے معنی سب سے زیادہ بزرگی والی' سب سے زیادہ لائق عظمت۔

قرآن کریم نے حضرات شہداء کا تیسرا درجہ بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا o (النساء: ٦٩)

ترجمہ: "اور جس نے کہا مان لیا اللہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ لوگ ہوں گے نبیوں کے ساتھ اور صدیقین کے ساتھ اور شہداء کے ساتھ اور اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کے ساتھ اور بہت ہی عمدہ ہیں یہ سب حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے (ان سے زیادہ عمدہ رفیق کس کو میسر آسکتے ہیں؟)۔"

قرآن کریم نے پہلا درجہ اللہ کے نبیوں کا بیان فرمایا۔ دوسرا صدیقین کا' تیسرا شہداء کا اور چوتھا صالحین کا یعنی اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کا جن کو ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگار مسلمان جو اللہ

تعالیٰ کی اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اطاعت کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حشر نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔ "ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ" یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمادے۔ آمین)

تو بہر حال شہیدوں کا مرتبہ اللہ نے تیسرے نمبر پر فرمایا ہے۔ انبیاء اور صدیقین کے بعد پھر شہداء کا درجہ ہے اس لیے کہ سب سے اشرف واعلیٰ موت تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور دوسرے نمبر پر اشرف واعلیٰ موت صدیقین کی ہے۔ صدیقین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے اوصاف اور اپنے کمالات کے اعتبار سے یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس نبوت نہیں ہوتی۔ ان کے بعد پھر جتنے اُمتی ہیں ان سب میں سے سب سے زیادہ شریف تر موت حضرات شہداء کی ہے۔

شہید کسے کہتے ہیں؟

چند باتیں یہاں سمجھ لینی چاہئیں۔ ا...... شہید کس کو کہا جاتا ہے؟

اصل شہید تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہو جائے۔ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے جو مسلمان قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

الف:...... حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میدان جہاد میں مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم کا نشان تھا لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس کو کسی کافر نے قتل کیا ہے تو وہ بھی شہید کہلائے گا۔

ب: اسی طرح میدان جہاد سے کسی شخص کو زخمی ہونے کی حالت میں زندہ اُٹھالیا گیا ہو لیکن دو ادارو کی، مرہم پٹی کی، کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس نے دم توڑ دیا تو وہ بھی شہید ہے۔

ج: اسی طرح جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا یا ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ مارا گیا یا باغیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔

د: اسی طرح جس شخص کو کسی مسلمان نے بغیر کسی وجہ کے ظلماً قتل کر دیا ہو تو وہ بھی شہید ہے۔

یہ شہداء کی پانچ قسمیں ہوئیں جو دنیا کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔ گویا: ۱- جو شخص کسی کافر کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

۲- جو شخص میدان جہاد میں مرا ہوا پایا گیا اور اس پر زخم کا نشان تھا۔ غالب یہی ہے کہ کسی

کافر نے اس کو قتل کیا ہوگا یا کافر کے زخم لگانے سے قتل ہوا ہوگا۔

۳- جو شخص زخمی حالت میں میدان جہاد سے لایا گیا اور ابھی تک کھانے پینے کی یا مرہم پٹی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس کا پیمانہ حیات لبریز ہو گیا۔

۴- جس شخص کو ڈاکوؤں یا باغیوں نے قتل کر دیا۔ ۵- جس شخص کو کسی مسلمان نے ظلماً قتل کر دیا۔

یہ پانچ قسم کے افراد فقہی اعتبار سے شہید کہلاتے ہیں۔

شہید کے احکام

شہید کا حکم یہ ہے کہ شہید کو انہی کپڑوں میں بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے' اس کو کفن نہیں پہنایا جاتا اور اس کے بدن کے کپڑے نہیں اُتارے جاتے' البتہ کوئی زائد کپڑے ہوں جیسا کہ سردیوں کے موسم میں پوستین وغیرہ پہن لیتے ہیں' جیسے صدری وغیرہ پہن لیتے ہیں یا کوئی اور بھاری کپڑا پہن لیتے ہیں' ایسا کپڑا اگر کوئی پہنا ہوا ہو تو اس کو اُتار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اوپر چادر دینے کی ضرورت ہو تو وہ بھی دے دی جائے گی لیکن معروف طریقے سے جیسا کہ کفن کے تین کپڑے ہوتے ہیں وہ کفن شہید کو نہیں دیا جاتا۔ اب اس کے وجود کو ڈھانکنے کے لیے اوپر ایک چادر ڈال دیں گے۔ شہید کے اپنے کپڑے اس کا کفن ہیں حالانکہ میت کو سلے ہوئے کپڑے تو نہیں پہنائے جاتے لیکن شہید کے لیے اس کے سلے ہوئے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

''ان کو ان کے زخموں سمیت اور ان کے کپڑوں سمیت دفن کیا جائے۔'' (مشکوۃ)

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ''جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوا وہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن سے جہاں زخم آیا تھا' خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہوگا' رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔'' (مشکوۃ ص:۳۳۰)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے

لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہی دفن کر دو' تمہاری شفاعت کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ

''تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔'' (کنز العمال)

کافر کی تلوار نے ہی اس کی شفاعت کردی اور وہ بخشا گیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔"

قبر میں اس سے حساب وکتاب نہیں ہوتا۔ جیسا عام مردوں سے سوال وجواب ہوتا ہے اس سے نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہید کا جنازہ ہے (اس پر طویل گفتگو ہے اس علمی بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) کہنے کا مدعا یہ ہے کہ شہید کا یہ حکم ہے شہید کی موت اتنی قیمتی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موت فرمارہے ہیں۔

شہادت کی موت کا درجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور شہداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی خاک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ٥ (مشکوۃ ص: ۳۲۹)

"میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ (یہ سلسلہ چلتا ہی رہے)۔"

ذرا اندازہ فرمالیں! جس موت کی تمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ موت کتنی اشرف اور کتنی قیمتی ہوگی؟ صحیح احادیث میں حضرات شہداء کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ آمین

شہید جنت الفردوس میں

ایک روایت میں ہے کہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں اُم ربیعہ بنت براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا لڑکا سراقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں شہید ہوگیا ہے، اگر تو اس کی بخشش ہوگئی ہے اور وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں ورنہ میں اس پر رنج وغم اور صدمہ کا اظہار کروں اور اپنا حق ادا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حارثہ کی ماں! جنت ایک نہیں بہت ساری جنتیں ہیں (اوپر نیچے سو جنتیں ہیں اور ہر جنت سے دوسری جنت کا فاصلہ اتنا

ہے جتنا آسمان وزمین کا فاصلہ ہے سو جنتیں اوپر نیچے اتنی ہیں اور سب سے اوپر جو جنت ہے وہ جنت الفردوس ہے) اور تیرا بیٹا سب سے اوپر کی جنت جنت الفردوس میں ہے۔'' (مشکوٰۃ)

شہید زندہ ہیں

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۵۴)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر اس کی زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے۔ (اس کی زندگی تمہارے حواس سے بالاتر چیز ہے)۔''

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: ''بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

صحیح بخاری کے حوالے سے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور وہ شہداء کا مستقر ہیں، وہ شہداء کے رہنے کی جگہ ہے اور سبز پرندوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ ان کو سواریاں عطا فرماتے ہیں اور ان کی روحیں ان سبز پرندوں میں جنت کے اندر پرواز کرتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

یہ قیامت سے پہلے کا قصہ ہے۔ قیامت کے دن انکے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ تو سبحان اللہ! کیا بات ہے!

نذرانہ حیات

لوگ بارگاہ عالی میں مختلف نذرانے پیش کیا کرتے ہیں۔ شہید اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

مرنا تو سب کو ہے

باقی مرنے کو تو بالآخر سب ہی مریں گے، جیئے گا کون؟ کوئی مرنا چاہے اس کو بھی موت آئے گی اور کوئی مرنا نہ چاہے تب بھی اس کو موت آئے گی۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ: ''نیک آدمی کے پاس جب ملک الموت آتا ہے تو فرشتہ اس کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے پاک روح! پاک جسم میں رہنے والی! اپنے رب کی مغفرت اور رحمت و رضوان کی طرف نکل، جو تجھ پر غضبناک نہیں۔ (جب وہ آدمی اپنے رب کا نام سنتا ہے تو اس وقت اس کی روح کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اتنا اشتیاق ہو جاتا ہے کہ وہ روح

بے چین ہو جاتی ہے جیسا کہ پنجرہ میں پرندہ، پنجرہ توڑ کر نکلنے کے لیے مشتاق ہوتا ہے۔ اس مؤمن آدمی کی روح اتنی بے چین ہو جاتی ہے، اتنے میں ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی سہولت کے ساتھ اور آسانی کے ساتھ روح نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کے منہ سے قطرہ ٹپک جاتا ہے اور دوسرے قسم کے آدمی کے پاس ملک الموت آتا ہے تو کہتا ہے کہ اے گندی روح! جو گندے جسم میں تھی، نکل اپنے رب کے غضب کی طرف اور اس کے عذاب کی طرف (نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ)۔'' (مشکوٰۃ)

روح تو پہلے ہی بدن میں سرایت کی ہوتی ہے لیکن وہ بالوں تک میں سرایت کر جاتی ہے تاکہ وہ نہ نکلے اور وہ فرشتہ پھر اس کو کھینچتا ہے اور فرمایا کہ بالکل ایسی مثال ہو جاتی ہے کہ دُھنی ہوئی روئی کے اندر گرم یا بھیگی ہوئی سلائی ماری جائے اور پھر اس کو کھینچا جائے، بدن اور روح کا رشتہ چھڑانے کے لیے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کوئی اس دنیا سے جانا چاہیے، روح اس کی بھی نکلتی ہے اور جو نہ جانا چاہیے روح اس کی بھی نکلتی ہے لیکن شہید اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کی قدر افزائی فرماتے ہیں، اس کو قبول فرماتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ شہید کی موت اشرف موت ہے۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شہید تین قسم کے ہوتے ہیں:

دنیا وآخرت کے اعتبار سے شہید

۱......ایک تو وہ جو دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہیں۔

آخرت کے اعتبار سے شہید

۲......اور ایک وہ جو دنیاوی اعتبار سے شہید نہیں لیکن آخرت میں اس کا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ (جو جواب دیا جا سکتا تھا وہی دیا گیا کہ) یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو میری اُمت کے شہید بہت تھوڑے رہ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے

اور جو اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو طاعون کی بیماری سے مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے وہ بھی شہید ہے۔'' (مشکوٰۃ)

اسی طرح کوئی دریا میں ڈوب کر مر گیا وہ بھی شہید' کسی پر دیوار گر گئی یا کسی حادثہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے' عورت زچگی کی حالت میں مر گئی وہ بھی شہید ہے' بچہ جنتے ہوئے مر گئی وہ بھی شہید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کو معنوی شہید کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کے احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے' ان کو غسل دیا جائے گا ان کو کفن پہنایا جائے گا' ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی' یہ لوگ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی فہرست میں ان کا نام بھی شہیدوں میں لکھا جائے گا۔

دنیا والوں کے اعتبار سے شہید

۳...... تیسری قسم شہیدوں کی وہ ہے جن کو ہم اور آپ شہید کہتے ہیں مگر اللہ کی فہرست میں ان کا نام شہیدوں میں نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) وجہ یہ تھی کہ اندر ایمان صحیح نہیں تھا' جان کا نذرانہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے پیش نہیں کیا گیا بلکہ قومی عصبیت کی بناء پر قتل کیا گیا یا اپنی جواں مردی اور شجاعت کے جوہر دکھلانے کے لیے مرا' بہادر کہلوانے کے لیے مرا بھائی! ان کے دلوں کو تو ہم نہیں جانتے کہ کس کی نیت کیا ہے؟ ہم تو اس کے ساتھ معاملہ شہیدوں کا ہی کریں گے مگر اللہ تعالیٰ دلوں کی کیفیت کو خوب جانتے ہیں' وہ صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے' یہ لوگ جوریا کاری کے لیے یا دکھلاوے کے لیے یا کسی اور غرض اور مقصد کے لیے قتل ہوئے' چاہے میدان جہاد میں ہی قتل کیوں نہ ہوئے ہوں' یہ لوگ اللہ کی فہرست میں شہید نہیں ہیں' دنیاوی اور اپنے علم کے اعتبار سے ہم لوگ ان کو شہید ہی کہیں گے۔ باقی راہ حق میں شہادت کی تمنا ہر مؤمن کو رکھنی چاہیے' اللہ تعالیٰ شہادت کی موت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ شہیدوں میں اُٹھائے۔ (آمین)

شہادت کی موت کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرماتے ہیں: یا اللہ! شہادت کی موت نصیب فرما اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت نصیب فرما۔ پھر فرماتے ہیں کہ عمر دو باتیں اکٹھی کیسے ہوں گی؟ شہادت کی موت بھی مانگتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بھی مانگتے ہو؟ جہاد تو باہر ہوتا ہے' مدینہ میں بیٹھ کر کیسے شہادت مل جائے گی؟ خود ہی سوال کرتے تھے اور خود ہی

فرماتے تھے کہ اگر اللہ چاہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

حصول شہادت کا وظیفہ

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَابَعْدَ الْمَوْتِ ٥ (الاتحاف ج:۱۰ ص:۲۲۷)

ترجمہ: ”یا اللہ! برکت فرما میرے لیے موت میں اور موت کے بعد کی زندگی میں۔“

اللہ پاک اس کو شہادت کی موت نصیب فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کا نام شہیدوں کی فہرست میں درج فرما دیں گے۔ خواہ اس کی موت بستر پر ہی کیوں نہ آئے، یہ تو کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ تمنا کرو، مانگو اور اگر تمنا ہی نہ ہو تو پھر کیسے ہوگا؟

حدیث ہے کہ: مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِنَ انِفَاقٍ ٥ (مشکوٰۃ ص: ۳۳۱)

ترجمہ: ”جس نے جہاد میں حصہ نہیں لیا اور کبھی اس کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا تو وہ آدمی نفاق کی موت مرا۔“

جہاد کی تمنا کرو

جہاد کی تمنا تو کرو ناں! فی سبیل اللہ کی تمنا کرو اور اللہ سے مانگو، کیا بعید ہے کہ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم گنہگاروں کو بھی شہادت کی موت نصیب فرما دیں۔

حج نہ کرنے کی وعید

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ فرمایا کہ:

”جو شخص اس حال میں مرا کہ حج سے کوئی چیز اس کے لیے مانع نہیں تھی، نہ بیمار تھا اور نہ کسی ظالم بادشاہ نے اسے روکا تھا، پھر بھی بغیر حج کیے مر گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں)۔“ (مشکوٰۃ)

حج کی تمنا بھی نہ ہوئی اور جو شخص مر گیا باوجود قدرت کے حج نہ کیا، مال تھا امریکہ اور فرانس کی سیریں ہوتی تھیں اور دوسری لغویات میں پیسہ ضائع ہوتا تھا لیکن حج نہیں کیا اور حج کرنے کا کیا

معنی؟ اس کو تو تمنا بھی، تڑپ بھی پیدا نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!)

نیک کام کی تمنا تو کرو

بھائی! نیک کام کرو، اگر نہیں کر سکتے تو نیک کام کی تمنا تو کرو، یہ کیا بات ہوئی کہ کام بھی نہ کرو اور کام کی تمنا بھی نہ رکھو، نیک کام کرو، نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی آرزو تو کرو، اللہ سے دعا تو کرو، دعا تو کر سکتے ہو کہ یا اللہ! مجھے بھی عطا فرما، مجھے بھی نصیب فرما۔

بُرے کام سے بچو، نہیں تو بُرا سمجھو

برے کام سے بچو اور اگر بچ نہیں سکتے تو برے کام کو برا تو سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگو کہ یا اللہ! مبتلا ہوں معاف کردے، اتنا تو کم از کم کرو، دیکھو کتنا سستا نسخہ میں نے بتلا دیا۔

بدترین اندھاپن

اس کے بعد ارشاد ہے کہ "وَاَعْمَى الْعَمٰى اَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى"

(یعنی سب سے بدتر اندھاپن یہ ہے کہ آدمی ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے۔)

آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری آنکھیں دی ہیں اور ان آنکھوں سے نظر آتا ہے، اگر خدانخواستہ ان آنکھوں کی بینائی جاتی رہے تو اس کو ہم کہتے ہیں اندھاپن، بینائی جاتی رہی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دل میں بھی آنکھیں دی ہوئی ہیں یہ تمہاری ظاہری آنکھیں سیاہ وسفید کو دیکھتی ہیں اور دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے صحیح اور غلط کو دیکھنے کے لیے دی ہیں۔ ظاہری آنکھوں کو اور ان کی بینائی کو عربی زبان میں "بصارت" کہا جاتا ہے اور دل کی آنکھوں کو اور اس کی بینائی کو عربی زبان میں "بصیرت" کہا جاتا ہے اور اسی قوت بصیرت سے آدمی حق اور باطل کو پہچانتا ہے اور اسی بصیرت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی بصیرت کی بناء پر اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اسی بصیرت کی بناء پر اس معرکہ کون وفساد میں حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے۔

بصیرت کی آنکھیں کھولو

بہت سے لوگ مجھے خط لکھ کر پوچھتے ہیں کہ اتنے فرقے ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا

ہے، تمہیں تو یہ فرقے نظر آتے ہوں گے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جتنے آدمی ہیں، اتنے ہی فرقے ہیں۔ مجھ سے پوچھو تو میرا اپنا فرقہ ہے، تمہارا اپنا فرقہ ہے، ہر ایک کے نظریات اپنے اپنے ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ اتنے فرقے ہیں اب ہم کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو غلط سمجھیں؟ لیکن کبھی آپ نے خط لکھ کر مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میری آنکھیں موجود ہیں، دنیا میں بہت سے رنگ ہیں، اب ہم کس کو سفید سمجھیں اور کس کو سیاہ سمجھیں؟ کس کو پیلا سمجھیں اور کس کو سرخ سمجھیں؟ کبھی آپ نے یہ نہیں پوچھا اس دیوار کا رنگ سفید ہے یا سیاہ ہے؟ آنکھیں کھولو! اگر پھوٹی ہوئی نہیں ہیں تو نظر آجائے گا۔

دل کی آنکھوں سے حق و باطل نظر آئے گا

میں کہتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے بصیرت ماؤف نہیں کردی، دل کی آنکھیں پھوٹ نہیں گئیں، تو جاؤ جا کر ہر ایک کے پاس بیٹھو، تمہیں حق و باطل خود نظر آجائے گا۔ ہر ایک فرقہ کے جو مقتداء ہیں جو ان کے اصول ہیں ان کو دیکھو، پرکھو، جانچو، تمہیں خود نظر آجائے گا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی، سیاہ کا سیاہ اور سفید کا سفید۔ تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن اب اگر کوئی شخص اس بصیرت کو استعمال ہی نہ کرے تو پھر اس کا کیا علاج کروگے؟

عاقل بالغ کافر معذور نہیں

بہت سے لوگ یہ سوال پوچھا کرتے ہیں اور یہ بہت سے لوگوں کے ذہن کا کانٹا بنا ہوا ہے کہ جو لوگ یہودیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، نصرانیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، مجوسیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، تو جیسا ماں باپ کا طریقہ تھا ویسا انہوں نے اختیار کرلیا، اب ان کا کیا قصور؟ جہاں تک نابالغوں کا تعلق ہے کہ ان کو عقل نہیں تھی، میں بھی مانتا ہوں کہ ان کا کوئی قصور نہیں، میں مانتا ہوں کہ نابالغ تھے، نابالغی کی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا، ماں باپ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے ان کا کوئی قصور نہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے محاسبہ نہیں فرمائیں گے۔

لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمادی، عاقل، بالغ ہوگئے، وہ دنیا کے سارے کاموں کو سمجھتے ہیں، اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں کہ ہمارا خالق کون ہے؟ مالک کون ہے؟ انہوں نے کیوں اپنی بصیرت کو استعمال نہیں کیا اور کیوں دل کا اندھا پن قبول کیا؟ باپ دادے کی تقلید کی بھی ایک حد ہے آدمی ہر چیز میں باپ دادا کی تقلید نہیں کرتا بلکہ کچھ چیزیں خود سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہدایت کا راستہ کھول دیا ہے اور خود انسان کے دل کے اندر بھی شمع روشن کردی ہے۔ جس کو

''بصیرت'' کہتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے:''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا'' (الشمس:۸) (اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں بدکاری کو بھی اور تقویٰ کو بھی الہام کردیا) انہوں نے اپنی بصیرت کو کیوں استعمال نہیں کیا؟ اب اگر کوئی آدمی آنکھیں بند کرلیتا ہے یا خود اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا ہے تو وہ خود قصور وار اور مجرم ہے۔اسی طرح اگر دل کی بصیرت' دل کی آنکھیں کوئی شخص استعمال نہیں کرتا' اندھا پن اختیار کرتا ہے تو وہ بھی مجرم ہے اور اس کو کہتے ہیں اندھا پن۔قرآن کریم میں ہے:

فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ o (الحج:۴۶)

''کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔''

یہ دل کے اندھے ہیں' کچھ لوگ آنکھوں کے اندھے ہوتے ہیں' یہ تو ہوا اندھا پن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:''اَعْمَى الْعَمٰى اَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى'' (یعنی سب سے بدتر اندھا پن یہ ہے کہ ہدایت کے بعد آدمی گمراہ ہو)

ہدایت کے بعد گمراہی کی دوقسمیں

ہدایت کے بعد گمراہ ہو' اس کی دوصورتیں ہیں:

۱......پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان ہوگیا تھا پھر مرتد ہوگیا۔(نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ اپنی پناہ میں رکھے) مسلمان تھا پھر مرزائی بن گیا' عیسائی بن گیا (نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! استغفر اللہ!) تو یہ تو سب سے بدتر اندھا پن ہے کہ آنکھیں ہونے کے باوجود اس نے خود پھوڑ دیں۔

۲......اور دوسری شکل یہ ہے کہ ہدایت اس کے سامنے بالکل کھل گئی تھی۔جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:''قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ'' (یعنی ہدایت اور گمراہی دونوں بالکل الگ الگ واضح ہوچکیں) قرآن کریم کے بیانات سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے حق اور باطل' ہدایت اور گمراہی' اس طرح بالکل کھل گئے ہیں۔واقعتاً اس طرح کھل گئے ہیں جس طرح کہ دن کی دوپہر میں سیاہی اور سفیدی کھل جاتی ہے۔ ہدایت کا دن چڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت بالکل کھول دی' ہر شخص جو دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے' اب اگر اندھیرا ہوتا اور نظر نہ آتا تو پھر آدمی کسی حد تک معذور تھا۔اندھیرے میں اس طرح ٹٹولتے ہوئے لاٹھی کی جگہ سانپ ہاتھ میں آگیا تو معذور ہے اس لیے کہ بے چارے کی بینائی ہی نہیں لیکن دن چڑھا ہوا ہے' آنکھیں روشن ہیں' پھر لاٹھی کی جگہ سانپ پر ہاتھ ڈالتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت طلوع ہوجانے کے بعد اور قرآن

کریم کی ہدایت کے آشکارا ہو جانے کے بعد بھی جو شخص اندھا رہتا ہے تو پھر اس سے بدتر کوئی گمراہ نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ" (یعنی اب اس قرآن کریم کے بعد پھر کس کلام پاک پر ایمان لائیں گے؟) آخر ان کے ایمان لانے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے وہ تو بتاؤ؟ قرآن جیسی کتاب ہدایت' ان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رسول اور ہادی ان کو راستہ نہیں دکھا سکتا تو اب بتاؤ کہ ان کو راستہ دکھلانے کے لیے اور ان کو ہدایت دینے کے لیے کس کو بھیجیں؟ یہ ہے **اعمی العمیٰ** سب سے بدتر نابینا پن اور سب سے زیادہ اندھا پن' اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

اندھے پن کی دو صورتیں

اللہ تعالیٰ دل کے اندھے پن سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے۔

اس لیے فرماتے ہیں: **اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ** o

ترجمہ: "یا اللہ! ہم کو حق کا حق ہونا دکھلا دیجئے اور واضح کر دیجئے (کہ یہ حق ہے) اور ہمیں اس کی پیروی کی بھی توفیق عطا فرمائیے اور ہمارے سامنے باطل کا باطل ہونا آنکھوں سے دکھلا دیجئے اور ہمیں اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا فرمائیے۔"

یہ دو درجے ہوا کرتے ہیں ایک یہ کہ آدمی حق و باطل کے درمیان امتیاز نہ کر سکے' یہ بھی اندھا پن ہے اور دوسرا یہ کہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے لیکن اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر حق کو قبول نہیں کرتا' باطل کی پیروی کرتا ہے یہ بھی اندھا پن ہے' اس سے بھی اللہ کی پناہ۔

یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ:

"اَلَّذِیْنَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (البقرہ)

"یہ لوگ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں۔"

کبھی کسی کو اپنے بیٹے کے پہچاننے میں بھی اشتباہ ہوا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے؟ اندھیرا ہو یا دور سے نظر آئے تو کچھ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ حد نظر وہاں تک نہیں پہنچتی یعنی جس طرح اپنے بیٹے کو پہچاننے میں ان کو کوئی اشتباہ نہیں ہوا' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں بھی ان کو کوئی اشکال نہیں تھا لیکن اس کے باوجود صرف دنیاوی مفادات اور دنیاوی خواہشات کی بناء پر نہیں مانا' اس سے اللہ کی پناہ!

آدمی حق کو حق سمجھ کر بھی نہ مانے اور باطل کو باطل سمجھ کر بھی نہ چھوڑے اس سے اللہ کی پناہ!

دوروشنیوں کی ضرورت ہے

اب یہاں پر مختصراً ایک بات اور عرض کردوں۔ اللہ تعالیٰ نے دوروشنیاں عطا فرمائی ہیں۔ ایک آدمی کے اندر کی روشنی اور ایک باہر کی روشنی۔ یہ دونوں روشنیاں ملتی ہیں تو نظر آتا ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نہ ہو تو نظر نہیں آتا' آنکھوں کی روشنی بھی ہو جو اندر کی روشنی ہے اور باہر کی روشنی بھی ہو' سورج نہ ہو تو چاند کی روشنی ہے' لائٹوں کی روشنی ہے' موم بتی کی روشنی ہے' چراغ کی روشنی ہے' جیسی روشنی ہو یہ دونوں روشنیاں ملتی ہیں' یعنی اندر کی روشنی اور باہر کی روشنی تو راستہ نظر آتا ہے اور چیزیں نظر آتی ہیں' ان میں سے ایک ہو اور ایک نہ ہو تو دکھائی نہیں دیتا۔

ٹھیک اسی طرح ایک آدمی کے دل کی روشنی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کی روشنی ہے۔ یہ دونوں ملیں گی تو راستہ نظر آئے گا' تمہاری اپنی عقل وبصیرت سے راستہ کبھی بھی نظر نہیں آئے گا' جب تک اس روشنی کو' آفتاب نبوت کی روشنی کے سامنے نہیں رکھو گے اور آفتاب نبوت کی روشنی بھی راہ دکھلانے کے لیے کافی نہیں ہوگی' جب تک کہ تمہارے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی نہ ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

چوتھا خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

مورخ اسلام مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرادیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا' تو کون سا پیشہ کرتا ہے' بولا کہ ''نجاری نقاشی' آہنگری'' فرمایا کہ ''ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے''فیروز دل میں سخت ناراض ہوکر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کیلئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہوجاتیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے' اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہوچکیں تو حضرت عمرؓ امامت کیلئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے' جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کردیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالآخر پکڑلیا گیا' اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کرلی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ ''میرا قاتل کون'' تھا لوگوں نے کہا ''فیروز'' فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا'' لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا ہوجائے' چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ''اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کرجائیں''۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ ''عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے''۔عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی''۔عبداللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی' بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا' تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں وپیچاں ہیں۔

مدت کے غور وفکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بارہا ان کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی' کہ ''افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا'' تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔علیؓ عثمانؓ زبیرؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک تفصیل سے مذکورہ ہیں۔مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔(طبری)

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب وتکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری دی اسی دھن میں مصروف رہے' لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو' اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے' مہاجرین' انصار' اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔اہل ذمہ (یعنی عیسائی' یہودی' پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے ''میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا

کیا جائے۔ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم فرمایا کہ میرے متروک سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ) لیکن عمرو بن شعبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے' کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارثت کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمت کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

پانچواں خطبہ

عاشورہ

حکیم الامت مجددالملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث ۱۔ ارشادفرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب روزوں سے افضل رمضان کے بعد اللہ تعالیٰ کا مہینہ محرم ہے (یعنی اس کی دسویں تاریخ کوروزہ رکھنا رمضان کے سوا اور سب مہینوں کے روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ (مسلم)

حدیث ۲۔ ارشادفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے کہ عاشورہ کا روزہ کفارہ ہوجاتا ہے۔ اس سال کا (یعنی اس سال کے چھوٹے گناہوں کا) جواس سے پیشتر (گزرچکا) ہے۔ (مسلم)

حدیث ۳۔ اور ارشادفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ روزہ رکھوتم عاشوراء کا اورمخالفت کرواس میں یہود کی اور (وہ اس طرح کہ) روزہ اس سے ایک دن پہلے کا یابعد کا رکھ لینا چاہیے۔ (عین جمع الفوائد عن احمد والبزار بلین والیہ ذہب فقہاء نا کرھوا انفراد عاشوراء بالصوم)

حدیث ۴۔ اورحدیث شریف میں ہے کہ عاشورہ کاروزہ رمضان (کے روزے فرض ہونے) سے پیشتر (بطورفرضیت) رکھا جاتا تھا۔ پس جب رمضان (کے روزہ کا حکم) نازل ہواتو جس نے چاہا (عاشورہ کاروزہ) رکھا (اورجس نے چاہانہ رکھا (عین جامع الفوائد عن الستۃ الا النسائی)

اور ارشادفرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے فراخی کی اپنے اہل وعیال پر، خرچ میں عاشورہ کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر (رزق میں) تمام سال (رزین و بیہقی و فی المرقاۃ قال العراقی لہ طرق بعضہا صحیح و بعضہا علی شرط مسلم) پس یہ دونوں باتیں تو کرنے کی ہیں۔ ایک روزہ رکھنا کہ وہ مستحب ہے دوسرے مصارف عیال میں کچھ فراخی کرنا (اپنی حیثیت کے موافق) اور یہ مباح ہے اس کے علاوہ اورسب باتیں جواس دن میں کی جاتی ہیں خرافات ہیں، لوگ اس دن میلہ لگاتے ہیں اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مصائب کا ذکر کرتے ہیں اوران کا ماتم کرتے ہیں اور مرثیہ پڑھتے ہیں اور روتے اور

چلاتے بھی ہیں۔ اور بعض لوگ تو تعزیہ وعلم وغیرہ بھی نکالتے ہیں اور ان کے ساتھ شرک اور کفر کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں واجب الترک ہیں۔ شریعت میں اس ماتم وغیرہ کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ ان سب امور کی سخت ممانعت آئی ہے۔

ف: بعض لوگ اس روز مسجد وغیرہ میں جمع ہوکر ذکر شہادت وغیرہ سناتے ہیں، اس میں ثقہ لوگ بھی غلطی سے شریک ہوجاتے ہیں اور بعض اہل علم بھی اس کو جائز سمجھنے کی عظیم غلطی میں مبتلا ہیں۔ درحقیقت یہ بھی ماتم ہے گو مہذب طریقہ سے ہے۔ سینہ وغیرہ وحشی لوگوں کی طرح سے نہیں کوٹتے لیکن حقیقت ماتم کی یہاں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

آیت مبارکہ: اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اضافہ: (الف) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا اس پر آپؐ نے ان سے فرمایا یہ کیا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو انہوں نے کہا یہ بڑا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس کا روزہ بطور شکر کے رکھا تو ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں۔ پس ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہم تم سے زیادہ حق دار اور قریب ہیں موسیٰ علیہ السلام کے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا روزہ رکھا اور (دوسروں کو) اس روزے کا حکم دیا۔ (متفق علیہ)

(ب) اور حدیث شریف میں ہے کہ جب رسول خدا نے روزہ رکھا اور اس روزہ کا حکم دیا تو انہوں نے (یعنی صحابہؓ نے) عرض کیا کہ یہ ایسا دن ہے جس کو یہود نصاریٰ معظم سمجھتے ہیں (پس اس میں روزہ رکھنے سے مشابہت کا شبہ ہوتا ہے) اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو تاریخ کو بھی روزہ ضرور رکھوں گا، تاکہ مشابہت کا شبہ جاتا رہے۔ (مسلم)

حضرات محترم! آج کے خطبہ میں عاشورہ محترم کے فضائل و احکام بیان کروں گا۔

پہلی فضیلت

سب سے پہلی فضیلت تو اس مبارک مہینہ کو یہ حاصل ہے کہ قمری (اسلامی) سال کی ابتداء اسی مبارک مہینہ سے ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے **الفضل للمتقدم** (فضیلت پہلے آنے والے کو ہوتی ہے)

اللہ کا مہینہ

دوسری فضیلت اس مبارک مہینہ کو یہ حاصل ہے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے مہینے تو سب اللہ ہی کے ہیں لیکن خصوصیت سے جس مہینے کو حدیث میں اللہ کا فرمایا وہ یہی ہے چنانچہ حدیث میں ہے شهر الله المحرم۔ اللہ کا مہینہ محرم ہے۔

تیسری فضیلت

قرآن حکیم میں جن مہینوں کو اشہر حُرم سے تعبیر کیا گیا ہے ان میں سے محرم بھی ہے۔

قبل رمضان عاشورہ کے روزہ کا فرض ہونا

چوتھی فضیلت اس مبارک مہینے کو یہ حاصل ہے کہ ابتداء اسلام میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے قبل عاشورہ محرم کا روزہ فرض تھا چنانچہ حدیث میں ہے:

عن عائشةؓ قالت كان عاشوراء يصام قبل رمضان فلما نزل رمضان كان من شاء صام ومن شاء افطر. (نسائی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عاشوراء کے دن رمضان سے پہلے روزہ رکھا جاتا تھا (یعنی فرض تھا) پھر جب رمضان کا حکم نازل ہوا تو پھر جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔

افضل ترین مستحب روزہ

پانچویں فضیلت یہ ہے کہ عاشورا محرم کا روزہ اب اگرچہ فرض نہیں رہا لیکن دوسرے تمام مستحب روزوں سے اب بھی افضل ہے اس لئے کہ فرض کا درجہ نفل سے ستر گنا زیادہ تو اس دن کی فضیلت ستر گنا زیادہ تھی کیونکہ اس میں روزہ رکھنا فرض تھا۔ رمضان کی وجہ سے فرضیت تو نہ رہی البتہ استحباب اب بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کا ارشاد روایت ہے کہ روزوں میں افضل روزہ رمضان کے بعد اللہ کے مہینے محرم کا ہے اور فرض نمازوں کے بعد افضل نماز، نماز تہجد ہے۔ (جمع الفوائد)

ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب

چھٹی فضیلت اس مبارک مہینے کی یہ ہے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

حضرت انسؓ سے حضورؐ کا ارشاد نقل ہے جس نے محرم کے تین دن جمعرات، جمعہ، ہفتہ روزہ رکھا اس کے لئے ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ (جمع الفوائد)

محرم میں ایک دن کا روزہ توبہ کی قبولیت کا باعث

آٹھویں فضیلت اس مبارک مہینے کی یہ ہے کہ اس میں عاشوراء کے دن روزہ رکھنا توبہ کی قبولیت کا سبب بنتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت علیؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہے کہ اگر تم ماہ رمضان کے بعد روزہ رکھو تو محرم میں رکھو، اس لئے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے ایک دن اس میں ایسا ہے جس میں ایک قوم کی توبہ قبول ہوئی تھی اور دوسری قوم کی توبہ قبول ہوگی۔ (ترمذی)

عاشورا محرم کے روزے کا حکم

نویں فضیلت یہ ہے کہ دس محرم کا روزہ رکھنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔

عن ابی موسیٰؓ قال کان عاشوراء یوماً تعظمه الیهود و تتخذهٗ عیداً فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صوموه انتم.

حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ عاشورا کا دن ایسا تھا کہ یہود اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کو عید بنا رکھا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس دن کا روزہ رکھو۔

دس تاریخ کے روزہ کے ساتھ ایک دن اور ملانے کا حکم

اس مبارک مہینے میں نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی ہے اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ ایک ایسا دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ ص ۴۴۲ ج۔۱)

ماضی کے سال بھر کے گناہوں کا کفارہ

دسویں فضیلت اس مبارک مہینے کی یہ ہے کہ دس محرم کا روزہ اب گزشتہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ مسلم شریف کی ایک طویل حدیث جو حضرت ابوقتادہؓ سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

وصیام یوم عاشورا احتسب علی اللّٰه ان یکفر السنة الّتی قبل.

(صحیح مسلم. مشکوٰۃ ۴۴۰ ج. ۱)

اور عاشورا کے دن کے روزے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ معاف کردے گا۔

آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ کا دن

اس مبارک مہینے کی دس تاریخ کی گیارہویں فضیلت یہ ہے کہ یہی وہ مبارک دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم وحضرت حواء علیہما السلام کو شیطان کے بہکانے کی وجہ سے شجر ممنوعہ کے استعمال پر حکم دیا تھا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

قلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدوٌّ ولكم في الارض مستقرٌّ ومتاعٌ الى حين. (البقره آيت ٣٦)

اتر و تم سب کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت معین تک۔

تو آدم علیہ السلام نے بہت گڑگڑا کر اللہ سے اپنی اس غلطی کی معافی چاہی اور جس روز اللہ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی وہ یہی دن تھا۔ حدیث میں ہے:

وفی یوم عاشوراء تاب الله علی آدم. (جمع الفوائد)

عاشورا کے روز اللہ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔

تمام انسانوں اور جانوروں کی نجات کا دن

بارہویں فضیلت اس مبارک دن کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے طوفان کی شکل میں ساری دنیا پر غرق کا عذاب نازل کیا۔ تو اپنے پیارے نبی اور تمام مسلمانوں کو اس عذاب سے بچانے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ایک کشتی تیار کریں اور اس میں خود بھی سوار ہو جائیں اور اپنے ہمراہ تمام مومنین اور سب جانوروں کا ایک ایک جوڑا بھی اس کشتی میں سوار کرلیں۔

چنانچہ نوح علیہ السلام اور ہمراہ جتنے لوگ تھے سب نے روزہ رکھا اور کشتی میں سوار ہو گئے۔ یہ رجب کا مہینہ تھا پھر یہ کشتی سات ماہ تک سمندر میں چلتی رہی اور جس روز جودی پہاڑی پر کنارے لگی۔ وہ دس محرم کا دن تھا۔ اس کشتی میں اس وقت پوری دنیا کے اصل انسان اور جانور موجود تھے اور جو آج نسل چل رہی ہے وہ انہی لوگوں اور انہی جانوروں کی تو ہے۔ کیونکہ اس کشتی کے علاوہ جتنے بھی

جاندار تھے سب اس طوفان میں غرق ہو گئے۔ آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہی سے چونکہ یہ ساری نسل انسانی پھیلی ہے اس لئے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ مہینہ اور پھر اس میں دس تاریخ نہ صرف یہ کہ پوری انسانیت کی نجات کا دن ہے بلکہ تمام جانوروں کی بھی نجات کا دن ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''اور رجب میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار کیا۔ پس آپ نے رجب کا روزہ رکھا اور جو آپ کے ساتھ تھے ان کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ پھر یہ کشتی سات ماہ چلتی رہی۔ جودی پہاڑ پر جب اتری تو عاشوراء کا دن تھا پس نوح علیہ السلام نے روزہ رکھا اور آپ کے ساتھ جو انسان اور جانور تھے سب نے اللہ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا۔'' (جمع الفوائد)

معلوم ہوا کہ یہ ایسا مبارک دن اور ایسا مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ پاک نے ساری دنیا کی اصل کو نجات دی اور سب غیروں کو غرق کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش

انبیائے کرام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ خلیل اللہ کا لقب آپ کو عنایت فرمایا۔ اور بھی متعدد فضیلتوں سے نوازا اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

اس مبارک مہینے کی تیرہویں فضیلت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت دس محرم الحرام کو ہوئی۔

بنی اسرائیل کی فرعون سے نجات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر جب فرعون نے دائرہ حیات تنگ کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام اپنے وطن سے مع اپنی قوم روانہ ہوئے اور فرعون بھی اپنے عظیم لشکر کے ساتھ آپ کا اور آپ کی قوم کا پیچھا کرتا ہوا دریائے نیل تک آ گیا۔ اب آگے دریا اور پیچھے فرعون بنی اسرائیل سخت پریشان ہیں کہ کیا کریں!

اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ دریا کو درمیان میں سے شق کیا اِدھر کا پانی اِدھر اور اُدھر کا پانی اُدھر رک گیا اور دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ جس میں سے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر بخیر و عافیت دریا پار اتر گئے۔ فرعون بھی آپ کی دیکھا دیکھی دریا میں مع اپنے لشکر کے اترا۔ تو اللہ نے اپنے حکم سے دریا کو پھر جاری فرما دیا اور فرعون مع اپنے تمام لشکر کے غرق ہوا۔ ایک حدیث میں ہے:

وفی یوم عاشورا فلق اللّٰہ البحر لبنی اسرائیل. (جمع الفوائد)

"عاشورا کے دن اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو شق کیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کی دس تاریخ کی چودھویں فضیلت یہ ہے کہ اس روز اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی اور ان کے دشمنوں کو غرق کیا۔ اسی وجہ سے تو یہود بطور یوم نجات اس روز خوشی میں روزہ رکھتے تھے جیسا کہ پیچھے احادیث میں ذکر ہوا۔

اصحاب کہف کو کروٹ دلانا

اصحاب کہف کے واقعہ میں قرآن حکیم نے ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

ونقلبهم ذات اليمين و ذات الشمال. (الكهف آيت ١٨ . القرآن)

"ان کو کروٹ دی جاتی ہے دائیں اور بائیں۔"

وقيل انهم يقلبون في كل سنة مرة يوم عاشوراء. (جلالين ص ٢٣٢)

"اور کہا گیا ہے کہ ان کو سال میں ایک مرتبہ عاشوراء محرم میں کروٹ دی جاتی ہے"

معلوم ہوا کہ یہ ایسا مبارک دن اور مبارک مہینہ ہے کہ اس میں اصحاب کہف کو کروٹ دلائی جاتی ہے۔ اور یہ اس ماہ مبارک کی پندرہویں فضیلت ہے۔

تبدیلی غلاف کعبہ

حدیث میں ہے: "یہ وہ دن ہے جس میں کعبہ شریف کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل نبوت روزہ رکھتے تھے اور قریش بھی زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے۔" (للستہ الاالنسائی) اس ماہ مبارک کی یہ کتنی عظیم فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا قبولیت توبہ کا دن

اٹھارویں فضیلت اس دن کو یہ حاصل ہے کہ اس میں یونس علیہ السلام کی قوم کی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کی تھی ایک طویل حدیث میں ہے:

عاشورا کے دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اور یونس علیہ السلام کے شہر والوں کی توبہ قبول کی۔ (جمع الفوائد)

دس محرم کی برکت پورے سال میں

انیسویں فضیلت اس مبارک مہینے کی یہ ہے کہ جو کوئی بھی دس محرم کو اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے گا سارے سال اللہ اس پر وسعت فرمائیں گے۔

"حافظ اسلام الزین العراقی نے اپنے املأت میں امام بیہقی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بچوں اور گھر والوں پر عاشورا کے دن رزق میں وسعت کی اللہ تعالیٰ اس پر سارے سال وسعت کریں گے۔

قیامت دس محرم کو قائم ہوگی

بیسویں عظیم فضیلت اس ماہ محرم کو یہ حاصل ہے کہ دنیا کا سب سے عظیم واقعہ قیامت کا صور اس ماہ مبارک کی دس تاریخ کو پھونکا جائے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بہشتی زیور ج ۷ ص ۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جمعہ کے دن محرم کی دس تاریخ صبح کے وقت سب لوگ اپنے کام میں لگے ہوں گے کہ صور پھونک دیا جائے گا اور اول ہلکی ہلکی آواز ہوگی پھر اس قدر بڑھے گی کہ اس کی ہیبت سے سب مرجائیں گے۔ زمین وآسمان پھٹ جائیں گے اور دنیا فنا ہو جائے گی۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی نجات والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ تمام انسانوں اور جانوروں کی نجات کا دن بھی دس محرم تھا اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ تمام مسلمانوں کی قید سے نجات کا دن بھی دس محرم ہے کیونکہ حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے:

الدنیا سجن المؤمن و جنت الکافر

(دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے)

حضرت امام حسینؓ کو وہ مرتبہ عطا ہوا جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی

اس دن کی اکیسویں اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا جس کے حصول کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضور کو چند مصلحتوں کی وجہ سے اللہ نے یہ نعمت

آپ کے نواسے کے ذریعہ عطا فرما دی۔

شہادت وہ نعمت ہے جس کے حصول کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی تھی چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک طویل حدیث میں یوں منقول ہے:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر میں مسلمانوں پر شاق نہ سمجھتا تو میں کسی پلٹن سے کبھی پیچھے نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں غزوہ کرتے ہیں نہ میں گنجائش پاتا ہوں کہ ان سب کو سوار کرا دوں اور نہ وہ خود اس کی گنجائش پاتے ہیں اور ان پر شاق ہے یہ بات کہ وہ مجھ سے الگ رہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے میں تمنا کرتا ہوں کہ میں غزہ کروں خدا کی راہ میں اور قتل کیا جاؤں، پھر غزوہ کروں اور قتل کیا جاؤ اور پھر غزوہ کروں اور قتل کیا جاؤں۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا ہے کہ اس دن کی ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ اس روز اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسینؓ کو اس مرتبہ سے نوازا جس کے حصول کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی تھی اور یہی وہ مرتبہ ہے جس کے حصول کے بعد انسان حیات جاودانی حاصل کر لیتا ہے اور اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے کہ خود قرآن اس کے بارے میں یہ فیصلہ فرماتا ہے۔

وَلاَ تَقُوْلُوالِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (البقرة آیت ۱۵۴)

جو شخص اللہ کے راستہ میں قتل کر دیا جائے اس کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔

رنج و غم کا اظہار موت پر ہوتا ہے اور جس کو حیات جاودانی عطا ہوگئی ہو اس پر یہ سینکڑوں سال تک غم منانا کیسا؟

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقعے کو بعض دشمنان دین اس انداز میں پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایک عام آدمی صرف دس محرم بلکہ پورے ماہ محرم کو رنج و غم کا مہینہ سمجھنے لگتا ہے جبکہ حدیث بالا کی روشنی میں معلوم ہوا کہ شہادت تو وہ مرتبہ عظیم ہے۔ جس کے حصول کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں خواہش کی کہ میں زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور پھر قرآن حکیم نے جو شہید کا مرتبہ بیان کیا اس کو آپ نے پڑھ ہی لیا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر اس ماہ مبارک کو منحوس خیال کرنا اور اس کی ان بیسیوں فضیلتوں سے صرف نظر کرنا کہاں کی عقل مندی ہے جبکہ خود اس واقعہ کا پیش آنا بھی ایک فضیلت ہی ہے۔

ماہ محرم الحرام اور پھر اس میں دس محرم کا دن ہی وہ مبارک دن ہے جس میں آدم کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کی نجات ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو فرعون سے نجات اور یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ کی قبولیت جیسے عظیم عظیم کام سرانجام پائے ہیں اور پھر جس کے روزے کی اتنی فضیلت احادیث میں آئی ہو کہ ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب سال گزشتہ کے روزے معاف ہوں خود ہی غور کیجئے۔ کیا اس دن میں وہ کام جائز ہیں جو ہم کرتے ہیں یا اس دن کی عظمت اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کو عبادت الٰہی میں صرف کیا جائے اور ان بے ہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے جن میں ہم مبتلا ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ایسے کام جو اس ماہ مبارک میں کئے جاتے ہیں ذکر کر کے ان کی برائی واضح کر دی جائے۔ چنانچہ اب چند وہ افعال ذکر کئے جاتے ہیں۔ جو محرم میں کئے جاتے ہیں لوگ ان کو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت گناہ کے کام ہیں اور احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے۔

غم منانا

سب سے پہلی برائی جو اس مبارک مہینے اور خاص طور پر دس محرم میں کی جاتی ہے وہ ہے غم منانا از روئے حدیث کسی کی موت پر تین دن سے زائد غم منانا جائز نہیں سوائے بیوی کے کہ وہ اپنے شوہر کی موت پر چار ماہ دس روز سوگ کر سکتی ہے۔ فیض الباری ص ۳۴ اپ ۵۔ میں ہے

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ ام عطیہ کا ایک لڑکا فوت ہوا جب تیسرا دن ہوا تو اس نے زرد رنگ کی خوشبو منگائی اور بدن پر ملی اور کہا کہ ہم کو منع ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی کے غم میں سوگ نہ کریں مگر خاوند کی موت پر۔"

ماتم کی حقیقت

محرم الحرام میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کرنا، کپڑے پھاڑنا اور مرثیہ وغیرہ پڑھنا نہ صرف یہ کہ منع ہے بلکہ اس کو سننا بھی گناہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر محرم میں ماتم نہ کیا جائے بلکہ صرف سننے اور دیکھنے کی حد تک شرکت کر لی جائے تو کچھ حرج نہیں جبکہ ماتم کرنا سننا اور دیکھنا سب ممنوع ہے۔ مجالس ابرار ص ۲۳۹ پر ہے۔

''اور عاشورا کو حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کی وجہ سے ماتم بنالینا۔ جیسا کہ روافض کرتے ہیں پس یہ ان لوگوں کے عمل میں سے جن کی عملی کوشش دنیاوی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں جبکہ اللہ ان کے رسول انبیاء کے مصائب اور اموات کے دن ماتم کرنے کا حکم نہیں دیتے تو اوروں کے لئے کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ قصہ گو جو لوگوں کو یاد دلائے قصہ قتل یوم عاشوراء کا اور پھاڑ ڈالے، اپنے کپڑے، کھول لے اپنا سر، اور حکم کرے انہیں کھڑے ہونے اور تسبیح کا مصیبت پر افسوس کی وجہ سے۔ تو واجب ہے، دین کے علم برداروں (علماء) کے لئے ان کو منع کریں اور سننے والے اس کو سننے میں معذور نہ سمجھے جائیں گے۔ امام غزالیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ حرام ہے واعظین کے لئے امام حسینؓ کے قتل کی روایت کرنا اور صحابہ میں جو باہم نزاع اور جھگڑے ہوئے ان کی حکایت کرنا یا حضرت عثمان اور حضرت حسینؓ کے قتل کی وجہ سے جو بڑے بڑے فتنے، جھوٹی باتیں، ہولناکیاں اور بدعتیں ہوئیں اور جھوٹ خواہشات اور بدعتیں بڑھتی چلی گئیں حتیٰ کہ اتنے واقعات پیش آئے جن کی تفصیل ایک عظیم شرح کو مقتضی ہے۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ماتم کرنے دیکھنے اور سننے والے سب ہی گناہ گار ہیں اور والیان دین واسلام پر ان کا روکنا واجب ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ یکم محرم سے لے کر ہمارے ریڈیو اور ٹی وی پر جو محافل منعقد ہوتی ہیں ان کا کیا حکم ہے اور ایک دینی اور اسلامی مملکت میں یہ باتیں کہاں تک روا ہیں۔ کہیں ہم سب مجرم تو نہیں بن رہے۔

نوحہ کا حکم

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ دس محرم کو لوگ نوحہ کرتے ہیں گال پیٹتے ہیں اور سر کے بال وغیرہ کھول لیتے ہیں جس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے نوحہ کرنے والے اس کی طرف کان لگانے والے کو۔'' (ابوداؤد)

اور ایک حدیث میں ہے: عن ابن مسعود (رفعه) ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعىٰ بدعوىٰ الجاهلية. (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے گال پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانے کے طور طریق اختیار کرے۔''

محرم میں گانا بجانا

پورے ماہ محرم میں حضرت امام حسینؓ کے مرثیہ کو گا گا کر پڑھا جاتا ہے اور اس کو پڑھنا اور سننا ثواب سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ احادیث میں اس کی صاف ممانعت ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اصلاح الرسوم میں لکھتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

نیز حضرت عبدالرحمٰنؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

صوتان ملعونان فی الدنیا و الاخرة مز مارٌ عند نغمةٍ ورنة عند مصيبة.

دو آوازیں جو دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں خوشی کے وقت گانا بجانا اور مصیبت کے وقت نوحہ کرنا۔" (بزار، جمع الفوائد ج ا ص ۱۳۰)

اور جو مصیبت کے وقت بھی نہ ہو بلکہ ہزار سال بعد ہو وہ بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

محرم میں سیاہ لباس پہننا

محرم میں کسی خاص لباس یا خاص رنگ کو اس لئے اختیار کرنا کہ اس سے غم کا اظہار مقصود ہو۔ ممنوع ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اصلاح الرسوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ابن ماجہ میں حضرت ابن حصین سے ایک قصہ میں منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اتار کر صرف کرتہ پہنے ہوئے ہیں یہ وہاں غم کی اصطلاح تھی آپ نہایت ہی ناخوش ہوئے اور فرمایا کیا جاہلیت کے کام کرتے ہو یا جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو۔ میرا تو یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ تم پر ایسی بددعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں لے لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی خاص وضع و ہیئت اظہار غم کے لئے بنانا حرام ہے۔" (اصلاح الرسوم ص ۱۴۳)

چنانچہ محرم میں کالے کپڑے پہننا اور ان کو ثواب سمجھنا یا علامت غم خیال کرنا سب حرام ہے۔

محرم میں زینت ترک کرنا

محرم میں زیب وزینت ترک کرنا اور ایسی حالت اختیار کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں ممنوع ہے شریعت مطہرہ میں سوگ کی حقیقت اسی قدر ہے کہ کسی کے انتقال پر بھی تین دن سے زائد سوگ کرنے

کی اجازت نہیں سوائے اس عورت کے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو وہ چار ماہ دس یوم سوگ کر سکتی ہے اور زیب و زینت ترک کر سکتی ہے۔ جیسے کہ ہم غم منانے کے بیان میں ابن سیرین سے ام عطیہ والی حدیث میں ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے انتقال پر تین دن کے بعد خوشبو کا استعمال کیا تو اب ہزاروں سال بعد امام حسین کے غم میں سوگ منانے اور ترک زینت کی کہاں اجازت ہوگی۔

محرم میں تعزیہ بنانا

محرم میں تعزیہ بنانا جس کی وجہ سے طرح طرح کے فسق و فجور میں لوگ مبتلا ہوئے ہیں حتیٰ کہ بعض جہلا تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ اس میں شاید حضرت امام حسینؓ جلوہ افروز ہیں اور اس کے آگے نذر نیاز رکھتے ہیں اور اس کو متبرک سمجھ کر کھاتے ہیں جو **وما احل به لغير الله** میں داخل ہے اور جس کا کھانا حرام ہے اور اس کے ساتھ اس قسم کے معاملات کرتے ہیں جو صریح شرک ہیں ان معاملات کے اعتبار سے تعزیہ قرآن پاک کی اس آیت کے مضمون میں داخل ہے۔

اتعبلون ما تنحتون۔ (الصافات آیت ۹۵) کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ یا تو اس تعزیہ کی اس قدر تعظیم و تکریم ہو رہی تھی یا پھر خود ہی اس کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم ص ۱۴۳)

بہر حال محرم میں جتنی بھی باتیں لوگوں نے ایسی گھڑی ہوئی ہیں جن کا اس مبارک مہینے سے کوئی تعلق نہیں ان کی حیثیت بدعت کی سی ہے اور وہ سب امور ضلالت و گمراہی میں داخل ہیں جن کے بارے میں حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہدایت کی طرف بلائے اس کے لئے اجر ہوگا مثل ان لوگوں کے اجر کے جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان کے اجروں میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جو بلائے گمراہی کی طرف اس کے لئے گناہ ہے مثل ان کے گناہوں کے جنہوں نے اس کا اتباع کیا ان کے گناہوں میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔" (سنن الدارمی ص ۴۰، رواہ مسلم کذافی المشکوٰۃ)

ہم نے اس مضمون میں وہ تمام واقعات ذکر کر دیئے جو اس ماہ مبارک میں پیش آئے اور جو محرم الحرام کے معظم و مکرم ہونے کی کافی شافی دلیل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ اللہ کے

نزدیک بہت ہی مبارک مہینہ ہے جب ہی تو اس میں ایسے ایسے عظیم واقعات پیش آئے۔

آدمؑ کی توبہ نوح کی کشتی کی نجات۔ بنی اسرائیل کی نجات، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت کے وقوع تک کتنے ہی عظیم کاموں کے لئے اللہ نے اس مبارک ماہ کا انتخاب فرمایا۔

ابتداء میں جو قاعدہ ذکر کیا گیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک نے جب اس ماہ میں اتنے بہت سے بابرکت کام جمع فرمادیئے تو یہ مہینہ کتنا مبارک ہوگیا۔ پھر ہم نے جو کام اس مہینے میں کرنے شروع کردیئے ان کی بھی ایک جھلک ذکر کردی۔ اب ہر شخص خود ہی اندازہ کرلے کہ اس دن کا مرتبہ اور اس کا حق کیا ہے اور وہ کس حد تک اس کا حق ادا کررہا ہے۔

جس مبارک ماہ میں اتنی نعمتوں سے نوازا گیا ہو اس کو منحوس خیال کرنا اور اس میں غم طاری کرنا اور تقریبات کو روا رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔

اس مبارک مہینے میں دو ہی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ نو، دس یا دس گیارہ کا روزہ اور اہل وعیال پر وسعت۔ باقی سب بدعت ہیں۔

اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائیں اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وّاٰله واصحابه اجمعين. واٰخر دعوانا ان الحمدلله رب العٰلمين.

چھٹا خطبہ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

محرم کا عشرہ ہے اور عام مسلمان آج دین سمجھ کر کیا کیا کر رہے ہیں؟
آپ بھی دیکھ رہے ہیں بلکہ ایک سوال مجھ سے ہوا ہے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اب میں کیا عرض کروں، یہ سوال نیا نہیں ہے پرانا ہے، سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، بڑے اختلاف ہوئے ہیں، جنگ وجدال ہوئے ہیں، پہلے تو اصول کی بات بتاتا ہوں۔ قرآن اور حدیث سے مسلمان کے لیے جو زندگی کا اصول ثابت ہے کس وقت کیا عمل ہم کو کرنا ہے؟ یہ ہر سمجھدار آدمی معلوم کرنا چاہتا ہے، دنیا کی ہر قوم کچھ تقریبات رکھتی ہیں اور ان کے منانے کا خاص طریقہ ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے لیے کیا کرنا ہے؟
اب آپ اور ہم سوچیں تو کوئی کہے گا روزہ زیادہ رکھو، کوئی نماز، کوئی صدقات، کوئی تلاوت۔ اسی طرح ہر شخص کی اپنی رائے علیحدہ ہوگی۔ یہ آپ سوچ لیجئے کہ آپ کو اپنی رائے سے کرنا ہے یا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ کرنا ہے۔
ظاہر ہے کہ نہ انسان کی رائے اور قیاس اس کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ اس طریقہ سے کسی فلاح کو پہنچ سکتے ہیں اس لیے ہر شخص اپنے مذہب کی اس میں آڑ لیتا ہے اور لینا چاہیے۔ اس میں کسی کمیٹی بنانے یا ووٹنگ کرنے یا جمہور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن کی آیت میں اس کا حل موجود ہے وہی ہم کو ماننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
”آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو حَکَم نہ مان لیں گے، اپنے تمام اختلافی اور نزاعی معاملات میں۔“
لہٰذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو ہم یقین کے ساتھ یہ سمجھیں اور عمل کریں کہ یہی ماننے کی چیز ہے۔ پھر صرف حکم ماننا ہی نہیں بلکہ فرمایا پھر جو آپ نے فیصلہ دے دیا وہ گردن جھکا

کر مان لیں پھر اپنے دلوں میں کچھ تنگی بھی محسوس نہ کریں تب وہ مسلمان ہوں گے۔

اب ایک ہمارے موجودہ حالات ہیں کہ دل میں اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان بھی لے تو دل میں یہی کہتا ہے کہ ہے تو سنت کی بات مگر عمل کرنا بڑا دشوار ہے لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب تک دل سے اس کو مان نہ لے رضامندی کے ساتھ، وہ مؤمن نہ ہوں گے۔

مؤمن ہونے کی ایک شرط

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مؤمن کی شرط اللہ پاک نے واضح کر دی جو بھی اختلاف ہے اس میں جب تک آپ کا فیصلہ ٹھنڈے دل سے مان کر عمل نہ کرے اس وقت تک مؤمن نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس معاملے میں جو پیش آئے صرف یہ دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا کرتے ہیں؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا سب برائے نماز اور دعا کے دوڑے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے اور دیکھا کہ نماز کسوف ہو رہی ہے اس میں شامل ہو گئے۔

پریشانی اپنی رائے سے ہوتی ہے

غرض اپنی رائے اپنے خیالات نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ہم ہر کام میں یہ دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کیا کیا؟ اور کس سے بچنے کو فرمایا، ایسا کوئی کام زندگی کے کسی شعبہ کا نہیں جو آپ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو، جہاد بھی ہوا، زخم بھی آئے، پیدائش، موت، تجارت، معیشت، غرض ہر شعبہ کی تعلیم شرع میں موجود ہے۔ مؤمن کا کام ہے ہر چیز میں پہلے قبلہ درست ہو، رخ کا یقین ہو، تب اس کو اختیار کرے اور عمل کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم قرآن کی ترجمانی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شہید ہوئے۔ ابو طالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص شفیق تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابو طالب مسلمان نہ ہوئے لیکن کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں تیر کمان لے کر جا رہے

تھے، کسی نے طعنہ دیا کہ تمہارے بھتیجے پر ظلم ہو رہا ہے تم شکار کو جا رہے ہو؟

بس اسی وقت دل پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے۔ یہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے لیے مسلمان ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند آیا اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ اس وقت سے یہ مجال کسی کی نہ ہوئی کہ کوئی بری حرکتیں کرتا۔

غرض جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو سخت صدمہ پہنچا۔ چونکہ ایک تو ایسا نازک وقت، پھر ایسی بے رحمی اور ظلم سے شہید ہوئے۔ غرض ایک محبوب عزیز کی شہادت کا واقعہ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کے موقع پر عمل کیا وہ ہم سب کے لیے نمونہ ہے۔

سید الشہداء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

جب غزوہ احد کا مہینہ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا، کیا کوئی شہادت نامہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پڑھا جاتا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یا اہل بیت اس کی یادگار اس طرح مناتے تھے؟ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم سید الشہداء کہتے ہیں۔ ہمارا کہنا آپ کا کہنا اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کا خطاب دے دیا۔ اب یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے۔ ہاں تعظیماً ہم سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہہ لیں تو کوئی گناہ نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار کس طرح منائی؟ آج تک تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں جس سے اہتمام ہو کسی ماتم کا، کسی مجلس کا حالانکہ ان کی محبت اور ایثار نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں کیا جگہ پیدا کر رکھی تھی۔

ہمارا سارا خاندان شہیدوں کا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں۔ اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ذکر ہی ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے۔ حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں مصلی پر شہید ہوئے لیکن آپ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض دینے کے لیے آ گئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی۔ آپؓ بے ہوش تھے ساری تدابیر ہوش میں لانے کی گئی ہوش نہ آیا' کسی نے کہا کان میں کہو "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بے شک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوہ احد میں۔ بارہ کے قریب بدر میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں' کتنے شہید ہوئے؟ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کس کس کا تم ماتم کرو گے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کے لیے جن شہداء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا اس نے درجات حاصل کیے کامیابی ملی۔ خوش ہونے کی چیز ہے جان دی اللہ کی راہ میں اور حیات جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا' پھر کیسے کیسے قراء' حفاظ' علماء' خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ صحابہ کرامؓ نے کیا کیا؟ بس یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔

عاشورہ کا روزہ اور اسراف

یوم عاشورہ کا ایک روزہ تو حدیثوں میں آیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنہا ایک نہ رکھیں چاہے نویں دسویں یا دسویں گیارہویں رکھو۔ یہ تو عمل ہے محرم کی دس تاریخ کا۔ اب آج جو ہنگامہ جو اسراف جو خرافات سامنے ہے اس کو دیکھو' تو کہتے ہیں اپنے آپ کو اہلسنّت اور خرافات یہ ہیں جن کی دلیل نہ قرآن میں نہ حدیث میں بلکہ سنت کو مٹانے والے بنے ہوئے ہیں' کھیل تماشے' شربت' سبیلیں اور مجلسیں یہ سب خلاف سنت ہیں۔

شہادت حسینؓ کی مثال

اب رہا یہ سوال کہ جو سوال مجھ سے کیا گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ کہوں تو طبیعت نہیں چاہتی کہ جن مذاکرات اور مجالس کی ہم خود نفی کریں اسی ذکر شہادت کو آج کے روز خود کرنے بیٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس دریافت میں کہ کس نے مارا؟ کیوں شہید کیا؟ کیا چیز ہے؟ اس کرید میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں لڑے' تلوار

بھی چلی لیکن اس کی مثال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا ہارون علیہ السلام پر انہوں نے داڑھی پکڑ کر کھینچی' قرآن میں یہ واقعہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا میری بات تو سن لیں' پھر عذر پیش کیا' اب کسی پیغمبر کی ادنیٰ درجہ کی توہین کفر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی کھینچی ان کو کیا کہو گے؟ اگر تم ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا بے ادبی سے تذکرہ بھی کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

شہادت حسینؓ کے تاریخی حالات مخدوش ہیں

حضرت علیؓ' حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی' یہ باپ اور چچا کی لڑائی ہے' اولاد کا کام یہ نہیں کہ اس میں اپنا دماغ اُلجھائے۔ ایک سبق یاد رکھو کہ قرآن نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں فرمادیا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہیں تم ان سے ناراض ہونے کا کون سا جواز لاتے ہو؟ تم کو کیا حق ہے ان سے ناراض ہونے کا؟ ان کے معاملے میں سوچ کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور قلب کو روگ لگانا ہے۔

یہ شہادت نامے اور تاریخیں سب مخدوش ہیں۔ ان سب میں آمیزش ہے۔ اس سے قلب پریشان ہوگا اور ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ میرے ساتھی' میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ فرمایا جو ان سے بغض رکھے وہ مجھ سے بغض رکھے گا جو ان سے محبت رکھے گا مجھ سے محبت کرے گا۔ پس اگر ان تاریخی واقعات کو دیکھ کر ہمارے دل میں اگر کوئی ذرا سا تکدر بھی آ گیا تو ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اس لیے ان تاریخوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یہ تاریخ مدون ہیں' مؤرخین سے اس میں سازش بھی ہوسکتی ہے' اس میں جذبات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے' کوئی یہ حدیثیں تو نہیں ہیں جو ان پر بھروسہ کیا جائے۔

شکر کرو کہ احادیث ابھی تک ملوث نہیں۔ ان تمام لکھنے والوں سے ورنہ آج صحیح دین ہمارے پاس تک نہ پہنچتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم فیصلہ کریں۔ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا' یزید اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان میں سے کس کو حق پر سمجھتے ہو؟ آپ کو اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں' اپنا دین سنبھال کر رکھئے۔ قبر میں یہ سوال آپ سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے' وہاں جو پوچھا جائے گا ان سوالوں کے جواب تم تیار کرلو' جن کا دارومدار تمہاری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ ہماری تلواریں کسی صحابی کے خون سے نہیں رنگیں۔اب تم یہ سوال کر کے ہماری زبانیں ان کے خون سے رنگنا چاہتے ہو؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مختصر واقعہ

اب اجمالی طور پر واقعہ سمجھ میں آ جائے۔اس لیے عرض ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مکہ میں روکا۔یعنی سارے صحابہ کرامؓ جو اس وقت موجود تھے سب نے روکا اور آپؓ نہیں رُکے۔اس سے کچھ کم فہموں نے اپنا غلط خیال قائم کرلیا کہ آپ حکومت حاصل کرنے گئے حالانکہ یہ غلط تھا۔ایک واقعہ ہے کہ راستہ میں آپ کو جب ایک شخص نے روک کر سمجھایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھیلا اُلٹ کر سارے خطوط جو تقریباً ۹۰۰ تھے، دکھائے کہ کوفہ سے لوگوں نے بلانے پر مجبور کیا ہے اور سارے عوام نے اپنی جانبازی کا یقین دلایا ہے چونکہ باطل کے مقابلہ میں صرف آپ ہی آ سکتے تھے کہ اہل بیت میں دیگر صحابہ سے وہ کام نہ ہوگا۔اس سے مقصود بلا شبہ آپ کا اعلاء کلمۃ الحق تھا اور دین کی حفاظت تھی۔صحابہ کرامؓ نے اس وجہ سے روکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، آپ کو دھوکہ دیں گے اور وہی ہوا۔لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی شبہ کرنا قطعی حرام ہے۔البتہ وہاں جا کر آپ نے ان کی بے وفائی دیکھ کر لوٹنا چاہا تو پھر یزید نے واپسی کا موقع نہ دیا۔

بہر حال یہ واقعہ ہونا تھا اور ہوا۔لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی جان کھپائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

ساتواں خطبہ

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تفصیلات

مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

حضرات! آج ماہ محرم الحرام کی مناسبت سے میں ”شہادت حسینؓ“ کے زیر عنوان کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
ہم اہل السنّت والجماعت تمام اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں اوران سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں جس طرح شیعہ صاحبان ان کے مداح اوران کی محبت کے دعویدار ہیں چنانچہ عقیدہ اہل السنّت میں امام حسینؓ کے مناقب کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ندع ابناء نا و ابناء کم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور فرمایا اے اللہ میرے اہل بیت یہ لوگ ہیں۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ اور حسینؓ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سے لڑے گا میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے گا میری اس سے صلح ہے۔ (ترمذی)

یہ مناقب مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں اگر سب جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

جس طرح ان مناقب سے اہل السنۃ والجماعۃ اتفاق رکھتے ہیں اسی طرح اس اندوہناک

دردناک داستان ظلم وستم یعنی حادثہ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنیوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ احباب کی اطلاع کے لئے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں ان کا بیٹا یزید ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۶۰ ھ دمشق میں ہوا۔ یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت کی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ حضرت حسینؓ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے سیدنا حسینؓ نے بیعت نہیں کی کیونکہ یزید فاسق، شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد حضرت حسین ۳ شعبان ۶۰ ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت

حضرت علیؓ نے چونکہ کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا ہوا تھا اس لئے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے حضرت حسینؓ کو تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لے آیئے۔ ہماری جان اور مال آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ امام ممدوح نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے تو مختار بن عبید کے مکان پر ٹھہرے اور حضرت حسینؓ کے لئے بارہ ہزار سے بھی زیادہ آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب نعمان بن بشیر صحابی جو حاکم کوفہ تھے انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا۔ فقط ڈانٹنے پر ہی اکتفا کی۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ نہ کہا مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن الولید بن عقبہ نے یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دی اس پر یزید نے نعمان بن بشیر صحابی کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد بصرہ کے حاکم کو معین کر دیا۔

عبید اللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہو کر آنا

عبید اللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اور رات کے وقت اہل حجاز کے لباس میں کوفہ میں داخل ہوا تا کہ لوگ دھوکے سے یہ سمجھیں کہ حضرت حسینؓ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں نے امام

موصوف کا خیال کر کے اس کا استقبال کیا اس کے آگے آگے یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے اے رسول اللہ کے بیٹے تمہیں مرحبا ہو۔ عبیداللہ بن زیاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرکاری مکان میں داخل ہو گیا۔ صبح لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کی سند پڑھ کر سنائی انہیں دھمکی دی اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا اور مسلم بن عقیل کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو فوج دے کر ہانی بن عروہ کے مکان پر بھیجا۔ ہانی بن عروہ اور اہل کوفہ کے تمام سرداروں کو گرفتار کرا لیا مسلم بن عقیل کو جب یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے خیر خواہوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان قیدی سرداروں سے کہا کہ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ وہ مسلم بن عقیل کی رفاقت سے باز آ جائیں ان لوگوں کے سمجھانے سے چالیس ہزار میں سے فقط پانچ سو آدمی مسلم بن عقیل کے پاس رہے باقی سب بھاگ گئے حتیٰ کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے اب وہ متحیر ہوئے کہ کیا کریں ایک عورت کے گھر میں آئے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اس نے پلایا اور اپنے گھر میں انہیں ٹھہرا لیا۔ اس بڑھیا کا بیٹا محمد بن اشعث (جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے جس نے کوفہ کے آدمیوں کو قید کیا تھا) کا دوست تھا اس نے جا کر اشعث سے کہہ دیا اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دے دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کوتوال شہر اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انہوں نے آ کر اس بڑھیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن مسلم تلوار سونت کر لڑائی کے لئے نکلے۔ محمد بن اشعث نے انہیں امان دے دی اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ عبیداللہ بن زیادہ نے انہیں قتل کر دیا اور ہانی (جس نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی) کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے دونوں بیٹے (محمد اور ابراہیم) بھی قتل کر دئے اور اسی تاریخ کو امام حسینؓ مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا

آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوئے یہ سب لوگ کوفہ والوں کی بے وفائی اور غداری سے واقف تھے اور بنی امیہ کے خاندان کے مظالم سے بھی آگاہ تھے سب نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا لوگ یہ سن

کر بہت پریشان ہیں کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کیا واقعی آپ کا پختہ ارادہ ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ واقعی عنقریب روانہ ہونے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنہوں نے اپنے پہلے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے۔ دشمن کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے اور ملک پر اپنا تسلط جمال لیا ہے اب آپ کو نظام حکومت کے درست کرنے کے لئے بلارہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر بیشک تشریف لے جایئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا آپ کو بلانا جنگ کے لئے بلانا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں اور جب آپ کے دشمن ان کو طاقتور دیکھیں گے تو پھر اس کے طرفدار ہو کر آپ سے لڑائی کریں گے۔ حضرت حسینؓ ان باتوں سے متاثر نہیں ہوئے اور روانگی کے ارادہ پر قائم رہے۔

دوبارہ روکنا

جب حضرت حسینؓ بالکل تیار ہو گئے پھر حضرت ابن عباس دوڑے ہوئے آئے اور بمنت و سماجت سے کہا کہ مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا اس سفر میں آپ کی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراقی لوگ بڑے دغاباز ہیں ان کے قریب بھی نہ جایئے اور یہیں مکہ معظمہ میں قیام کیجئے عراق والے اگر آپ کو بلانا بھی چاہتے ہیں تو انہیں کہئے کہ پہلے دشمن کو اپنے علاقہ سے نکال دیجئے۔ پھر مجھے بلایئے۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو پھر یمن چلے جایئے وہاں کے لوگ آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے خیر خواہ ہیں وہاں آپ ان دشمنوں کی گرفت سے بھی باہر ہوں گے۔ وہاں خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ سے اپنی دعوت پھیلایئے گا آپ اس طرح پر یقیناً کامیاب ہوں گے امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں تو عراق کا ارادہ پختہ کر چکا ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں مانتے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں۔ جس طرح حضرت عثمانؓ بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔ اتنی باتیں پیش ہونے کے باوجود آپ اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

حضرت امام حسینؓ کے چچیرے بھائی کا خط

آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر تھے مدینہ منورہ سے خط لکھا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا

ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادہ سے باز آ جایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لئے بربادی ہے اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت آپ کا وجود ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہے سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں۔

حاکم مدینہ کا خط

حضرت عبداللہ بن جعفر نے اس کے علاوہ والی مدینہ منورہ سے بھی خط لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ ہے ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے ہٹا دے۔ جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی طرف رہنمائی فرما دے جس میں سلامتی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں میں آپ کے لئے شقاق اور اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن و سلامتی، نیکی احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام۔

اس کے بعد آپ اپنے ارادہ پر پختہ رہے۔

فرزدق شاعر سے ملاقات

جب آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو ''صفاح'' نام مقام پر اہل بیت کا مشہور محبّ شاعر آپ سے ملا آپ نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے فرزدق نے جواب دیا ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہمارا پروردگار ہر گھڑی کسی نہ کسی حکم فرمائی میں رہتا ہے اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی تعریف کریں گے اور اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا۔

مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد

زرود نام ایک مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یزید کے گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو علانیہ قتل کر دیا ہے اور کوفیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ امام حسینؓ نے بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ بعض ساتھیوں نے عرض کی اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے

حق میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں خدا کے لئے یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا ایک بھی طرفدار معلوم نہیں ہوتا۔ امام حسینؓ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے کہا واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے اور اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔ اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

حر ابن یزید کی ملاقات

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے اور کوفہ سے دو منزل پر جا پہنچے تو حر ابن یزید عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے ایک ہزار ہتھیار بند فوج لے کر آ ملا اور ساتھ ہو لیا۔ اس نے امام حسینؓ سے کہا کہ عبیداللہ ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو اس کے پاس لے چلوں اور میں خدا کی قسم مجبور ہوں۔ امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں خود کوفہ کی طرف نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے کوفہ والوں کے بہت سے خطوط پہنچے ہیں اور میرے پاس ان کے بہت سے قاصد آئے اور تم کوفے کے رہنے والے ہو۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو تو میں تمہارے شہر میں جاؤں گا ورنہ لوٹ کر چلا جاؤں گا اس پر حر نے کہا آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔ امام حسینؓ نے عقبہ بن سلام کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائیے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا اس پر حر نے کہا لیکن ہم وہ نہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔ امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔ پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو حر نے جواب دیا میں آپ کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں آپ نے جواب دیا واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔ اس نے کہا واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا کہ مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ بات زیادہ لمبی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام حسینؓ کوفہ کے راستہ سے ہٹ گئے۔

میدان کربلا میں قیام

اور میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جا اترے جب اس میدان میں اترے تو اس کا نام دریافت

فرمایا معلوم ہوا کہ اس کا نام کربلا ہے۔ تب آپ نے فرمایا هذا موضع كرب و بلاء یعنی یہ تکلیف اور ہلاکت کی جگہ ہے یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس آزمائش میں نہ آئے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے اس نے آتے ہی امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں آپ نے وہی جواب دیا جو حر ابن یزید کو دے چکے تھے۔ یعنی تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا اب اگر وہ ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کو تیار ہوں۔

عبیداللہ بن زیاد کا بیعت کے لئے اصرار

عمر بن سعد کو امام ممدوح کے اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اس نے فوراً عبیداللہ بن زیادہ کو خط لکھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے جواب دیا کہ حسینؓ سے کہو کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔ جب امام حسینؓ کے پاس وہ خط آیا آپ نے اسے پڑھا اور پھینک دیا اور قاصد سے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ قاصد لوٹ کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا۔ اس جواب سے اس کا غصہ اور بھڑ کا اس نے لوگوں کو جمع کیا اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا۔ جودی کا حاکم تھا اس نے امام حسینؓ کے مقابلے میں لڑنے سے پہلو تہی کی تب عبیداللہ بن زیاد نے اس سے کہایا تو لڑنے کو جا یا ری کی حکومت سے دستبردار ہو جا اور اپنے گھر جا بیٹھ عمر بن سعد نے ری کی حکومت کو ترجیح دی اور امام حسینؓ سے لڑائی کے لئے فوجوں سمیت چل نکلا۔ عبیداللہ بن زیاد ایک سردار کی معیت میں تھوڑا تھوڑا لشکر جمع کر کے بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے اور دریائے فرات کے کنارے پر جا اترے اور امام حسینؓ اور پانی کے درمیان رکاوٹ کر دی۔

عمر بن سعد کے لشکر میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسینؓ سے خط و کتابت کی تھی اور ان سے مسلم بن عقیل کے ذریعہ سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ جب امام حسینؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ

ان سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے لشکر کے گرد ایک خندق کھودیں اور ایک ہی دروازہ اس خندق کو رکھا تا کہ اس دروازے سے نکل کر لڑ سکیں۔

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب لشکر قریب پہنچا تو انہوں نے امام حسینؓ کو نرغے میں لے لیا اور لڑائی شروع کر دی۔ امام حسینؓ کے ساتھیوں میں ایک ایک کر کے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے تقریباً پچاس آدمی قتل ہو گئے اس وقت امام حسینؓ نے چیخ کر فرمایا آیا کوئی خدا واسطے فریاد رس ہے آیا کوئی رسول اللہ کے حرم کو بچانے والا ہے یہ سن کر حر بن یزید (جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے) اپنے گھوڑے پر امام حسینؓ کی طرف آیا اور آ کر کہا اے رسول اللہ کے بیٹے سب سے پہلے میں ہی تیرے ساتھ لڑنے کے لئے آیا تھا اور اب میں ہی تیری جماعت میں آ گیا ہوں تا کہ میں تیری ہی مدد میں قتل کیا جاؤں۔ شاید کہ کل کو تیرے نانا کی شفاعت نصیب ہو اس کے بعد اس نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ شہید نہیں کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھائی' بیٹا اور غلام بھی شہید ہو گئے پھر اس قدر سخت لڑائی ہوئی کہ امام حسین کے سارے ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر تنہا مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور دشمنوں سے لڑتے رہے اور جو شخص بھی آپ کی طرف آیا اسے قتل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور آپ کو ان زخموں اور تیروں نے چور چور کر ڈالا جو ہر طرف سے آ رہے تھے۔ اس وقت شمر ذی الجوشن اپنی فوج سمیت آگے بڑھا۔ امام حسینؓ نے للکار کر فرمایا اے شیطان کی جماعت میں تم سے لڑتا ہوں تم مستورات کو کیوں چھیڑتے ہو کیونکہ وہ تو تم سے نہیں لڑ رہیں۔ تب شمر نے اپنی فوج سے کہا عورتوں سے باز آ جاؤ اور اسی شخص کا مقابلہ کرو پھر سب نے امام حسینؓ پر تیروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا یہاں تک کہ امام حسینؓ زمین پر شہید ہو کر گرے اور نصر ابن خرشہ آپ کا سر کاٹنے لگا۔ اس سے نہیں کاٹا گیا تو خولی بن یزید گھوڑے سے اترا اور اس نے آپ کا سر مبارک کاٹ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کم بختو! اس کے متعلق اب کیا انتظار کرتے ہو حالانکہ اسے زخموں نے چور کر دیا ہے اس کے اتنے کہنے پر امام حسینؓ پر تیر اور نیزے برسنے لگے یہاں تک کہ ایک بد بخت کا تیر آپ کے گلے سے پار ہو گیا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور اسی حالت میں شمر نے آپ کے چہرے مبارک پر تلوار ماری

اور منان بن انسؓ نے نیزہ مارا اور خولی بن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا تو اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی شبل بن یزید نے اتر کر آپ کا سر کاٹا۔ پھر یہ لوگ اہل بیت کے خیمے میں گئے وہاں سے بارہ لڑکے بنی ہاشم کے قید کئے اور جتنی عورتیں تھیں ان کو بھی قید کر لیا۔ عمر بن سعد اور شمر نے لوگوں کو حکم دیا اور ان سنگدلوں نے امام حسینؓ کی لاش کو گھوڑوں کے سموں تلے لتاڑا اور آپ کے سر مبارک کو بشیر ابن مالک اور خولی بن یزید کی معیت میں عبیداللہ بن زیاد کی طرف بھیج دیا۔

واقعہ کربلا کا رنج والم

ہر کلمہ گو خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی اس وحشتناک اور دردانگیز واقعہ سے بے انتہا رنج والم ہے۔ کوئی نہیں جو امام حسینؓ کی مظلومیت سے مغموم نہ ہو اور اس کا دل ان مظالم کو سن کر مضطرب اور پریشان نہ ہو تقریباً تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک دردانگیز مصیبت خیز پریشان کن دل ہلا دینے والے واقعہ کو بھول نہیں پائے۔ شیعہ صاحبان کے علاوہ سنیوں کی کتابیں بھی اس خونی واقعہ کی یاد تازہ اپنے سینوں میں رکھتی ہیں اور ہر پڑھنے والے کے دل کو غم کدہ بنا دیتی ہیں۔

اظہار غم کے طریقے میں فرق

اہل السنّت والجماعت ان دردناک واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے باوجود ایک بہادر ذی وقار صاحب عزم انسان کی طرح متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور یزید جیسی طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں امام حسینؓ اس کی قوت ہمت اور ہدایت کی آواز اٹھا کر سنت حسینؓ کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ تاکہ امام حسینؓ کے متبعین اور نام لینے والوں میں روح حسینیؓ کے نظارے ہمیشہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے نظر آتے رہیں۔ بخلاف شیعہ صاحبان کے کہ وہ اس رنج والم کا اظہار کرنے کے لئے دامن شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فخر دو عالم سید المرسلین کی سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اظہار غم کے لئے دسویں محرم کو وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں بہت ساری چیزیں ناجائز بلکہ حرام ہوتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اخلاق کی تباہی کا موجب بنتی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو اہل السنّت والجماعت کے علاوہ مقتدر مقتدایان شیعہ صاحبان بھی عوام الناس کے اس طریق کار کے سخت مخالف ہیں دونوں جماعتوں کے رہنما ان چیزوں کو نہ صحیح سمجھتے ہیں نہ مفید سمجھتے ہیں چنانچہ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے فتاویٰ ذیل میں درج ہوں گے۔ البتہ یہ

ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان میں کمزور طبیعت کے رہنما اپنے مفاد دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں۔ اور عوام الناس کے طعن و تشنیع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور مفاد دنیا کی خاطر نتائج اخروی کو نظر انداز کرتے ہیں اور عوام الناس میں اشاعت حق کرنے سے جی چراتے ہیں۔ **اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین.**

تعزیہ داری کے متعلق علماء اہل السنّت کا فیصلہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فتویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی ماہ شوال ۱۳۱۱ھ کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں کہ تعزیہ داری جو مبتدعین کرتے ہیں۔ بدعت ہے اور بدعت سیئہ ہے اور بدعت سیئہ مبتدع کو خدا کی لعنت میں گرفتار کر دیتی ہے اور اس کے فرائض اور نوافل بھی درگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔

انتھی ملخصاً اسی فتاویٰ کے صفحہ ۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: مرثیہ خوانی کی مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے حاضر ہونا اور اس جگہ مرثیہ اور کتاب سننا اور فاتحہ اور درود پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب: اس مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے جانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں کوئی زیارت نہیں ہے۔ جس کے واسطے آدمی جائے اور یہ لکڑیاں تعزیے کی جو بنائی گئی ہیں یہ زیارت کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹانے کے قابل ہیں۔ اسی فتاویٰ کے صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: تعزیہ کے تابوت کی زیارت کرنا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور مرثیہ پڑھنا اور کتاب سننا اور فریاد کرنا اور رونا اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسینؓ کے ماتم میں اپنے آپ کو زخمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔

خلاصہ فتاویٰ اہل السنّت

مذکورۃ الصدر فتاویٰ سے مندرجہ ذیل چیزیں صاف اور ظاہر ہیں۔

(۱) تعزیہ بدعت سیئہ ہے۔ (۲) مرثیہ خوانی۔ (۳) اور اس مجلس میں زیارت اور گریہ و زاری کی نیت سے جانا بھی ناجائز ہے۔ (۴) اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسینؓ کا ماتم کرنا اور اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔

ماتم اور نوحہ کی ممانعت

جہاں تک ماتم کا تعلق دل اور آنکھوں سے ہے ممنوع نہیں۔ مگر جب زبان اور ہاتھ سے اظہار کیا جائے تو حرام ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث سنی اور شیعہ اور اقوال ائمہ ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لیس منامن ضرب الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیة** (متفق علیہ) ترجمہ: وہ شخص اسلامی جماعت سے خارج ہے جس نے ماتم میں رخساروں پر ہاتھ مارے گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے سے بین منہ سے نکالے۔

دوسری حدیث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یعنی جو ماتم آنکھ اور دل سے ہو وہ جائز ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطانی فعل ہے۔ (مشکوۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنیوالی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوۃ)

نتیجہ: مذکورۃ الصدر احادیث میں جن چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے اور جن کو شیطانی فعل کہا گیا ہے اور جن کاموں کے کرنے پر لعنت نازل ہوتی ہے محرم کے ماتمی جلوسوں میں یہ سب کام کیے جاتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے جلوسوں میں ہرگز شریک نہ ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

انہی چیزوں کے حرام ہونے پر شیعہ صاحبان کی روایات ملاحظہ ہوں۔

پہلی:۔ ابن بالویہ نے سند معتبر حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جب میں وفات پاؤں تو میری وفات پر اپنے بال نہ نوچنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔ (جلاء العیون)

دوسری: ملا باقر مجلسی جلاء العیون ص ۸۷ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب ابوبکرؓ نے غسل و کفن وغیرہ کے متعلق اہل سنت کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرشتے مجھ پر نماز پڑھ چکیں اس وقت تم فوج در فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کرنا اور مجھے نالہ و فریاد گریہ و زاری سے آزار نہ دینا پھر فرمایا اٹھ جاؤ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے اور لوگوں کو مطلع کرو۔

مسلمانوں کا فرض

جب مرثیہ خوانی کی مجلسیں اور ماتمی جلوس خلاف شرع ہیں فقط اہل السنّت ہی نہیں بلکہ شیعہ کے رہنمایان مذہبی بھی ان کے شرعاً مخالف ہیں تو اہل السنّت والجماعت کا فرض ہے کہ وہ ان مجالس میں جانے اور جلوس تعزیہ میں شریک ہونے سے پرہیز کریں ورنہ شرکت کے باعث خواہ وہ تماشا بینی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو غضب الٰہی کے مورد اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

بالخصوص:۔ جب کہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین جانشینوں یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے ہیں ان کو غاصب قرار دیتے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں اور ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہر غیرت مند سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شیعہ کی مجالس مرثیہ میں شرکت سے پرہیز کرے اور ان کے تعزیوں کے جلوس میں شامل ہونے نہ پائے کیونکہ ایسے لوگوں کی مجالس کی رونق افزائی بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے مسلمانوں کا فرض ہے خود اس سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بچائیں۔

شیعہ صاحبان کے بڑوں کا شریک نہ ہونا

اگر ماتمی جلوس ایسے ہی موجب ثواب اور باعث رحمت اور امام حسینؓ کے سچے غم اور بے قراری دل کے صحیح اظہار کا ذریعہ ہیں تو پھر شیعہ صاحبان کے بڑے کیوں اس مبارک رسم میں شریک نہیں ہوتے اور کیوں سینہ کوبی سر بازار جلوس میں شامل ہو کر نہیں کرتے۔

چنانچہ دارالسلطنت پنجاب لاہور میں ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ سینہ کوبی کرنے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں یا اس میں چند بازاری عورتیں سیاہ لباس میں ملبوس ہائے حسین ہائے حسین کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس جلوس کے ساتھ عام جہلا بطور تماشا بینی کے جمع ہو جاتے ہیں اور جلوس کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

عبرت:۔ اہل عقل اس تحریر ماسبق سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں کہاں تک خیر و برکت آسکتی ہے اور خود شیعہ صاحبان کے ہاں ان کی کیا حقیقت ہے۔

شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت

شیعہ کی تفسیر عمدۃ البیان جلد سوم ص ۲۴ میں تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند کرتا ہے گدھے کی آواز۔ کتے کی آواز نوحہ گر عورت کی آواز۔

شیعہ کی اسی تفسیر کے ص ۳۹۲ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو دوسری شرطوں کے علاوہ یہ شرطیں بھی ہوتی تھیں نوحہ نہ کرنا کپڑے نہ پھاڑنا' سر کے بال نہ نوچنا اور اپنا منہ نہ نوچنا وغیرہ وغیرہ۔

سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتاویٰ

امام صادق سے سوال کیا گیا کہ عورتیں سیاہ کپڑے پہن کر نماز پڑھیں فرمایا کہ سیاہ کپڑوں سے نماز نہیں ہوتی کیونکہ سیاہ کپڑے دوزخیوں کا لباس ہے اور امیر المومنین نے اصحاب کو سکھلایا کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ سیاہ پوشی فرعون کا لباس ہے۔ (بار الرحیٰ ص ۱۴۲ جامع عباسی پانزدہ بابی جو فقہ میں مذہب اثنا عشری کی مستند کتاب ہے جس کے مصنف ملا بہاؤ الدین عاملی ہیں۔ اور شیعوں کے مطبع یوسفی دہلی کی مطبوعہ ہے اس کے صفحہ ۲۱۵/۲۱۶ میں تحریر ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہہ دے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ کپڑے

فروع کافی جلد ۲ جز وثانی ص ۴۴ میں بھی سیاہ لباس کو ملبوس ناریاں بتایا گیا ہے۔

(خاموش نوحہ خواں نمبر ۲ ص ۱۰)

نتیجہ: ان حوالہ جات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان جو سیاہ لباس پہن کر ماتمی نشان بناتے ہیں یہ ان کے اپنے مقتدایان مذہبی کے فیصلہ کے بھی سراسر خلاف ہے جب شیعہ کے ہاں بھی یہ چیز حرام ہے تو سنی مسلمان کا فرض ہے کہ اس قبیح رسم سے بچیں۔ اس مضحکہ خیز ظاہر داری کے ماتم سے بچ کر امام حسینؓ کی طرح سچا غیور' بہادر' جانباز اور جان نثار مجاہد اور غازی بننے کی فکر کریں۔

حاصل یہ ہے کہ ہم اہل السنّت والجماعت آئمہ اہل بیت کے سچے محب اور پکے خیر خواہ ہیں ان سے عقیدت ہمارا ایمان ہے ان کی راحت سے فرحت اور ان کی تکلیف سے صدمہ ہمارے دلوں کے تاثرات ہیں ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ سچی محبت اور صحیح عقیدت میں ہم شیعہ صاحبان سے کم نہیں ہیں البتہ یہ عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ عشرہ محرم کی تمام بدعات جو شیعہ میں مروج ہیں جن کی تفصیل اس مضمون میں آ چکی ہے ان کے ہم سخت مخالف ہیں سنی مسلمانوں کو ان سے روکنا ہمارا فرض ہے۔ بلکہ دعا کرتے ہیں کہ جس طرح ہم محبت اور عقیدت میں شیعہ صاحبان سے برابری کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ آئمہ اہل بیت

کے نقش قدم پر عملی طور پر چلنے میں سنیوں کے دوش بدوش نظر آئیں سب وشتم، طعن و تشنیع، تعزیہ، نوحہ خوانی، ماتمی لباسوں سے باز آئیں حق کے حامی اور باطل کے دشمن نظر آئیں۔ اسلام محمدی کے پیروکار اور بدعات مخترعہ سے مجتنب ہو جائیں آمین۔ یاالٰہ العالمین۔ جب شیعہ اور سنی دونوں ایک سٹیج پر آ کھڑے ہوں تو اس اتفاق کی برکت سے دیکھئے کہ اسلام کو کس طرح نفع اور عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ماتم اور تعزیہ کی تاریخ

واضح ہو کہ لغت میں تعزیت نام ہے مصیبت زدہ کو تلقین صبر کرنے کا چونکہ کسی کا مرنا بھی اس کے ورثاء کے لئے بظاہر ایک سخت مصیبت اور باعث سخت رنج وغم ہے لہٰذا ان کے تلقین صبر کرنے کو بھی تعزیت کہتے ہیں بلکہ عرفاً غالب اطلاق اسی پر ہونے لگا شریعت میں بھی اس کے یہی معنی ہیں اور کسی کے مرنے پر صرف تین دن تک تعزیت کرنی جائز ہے (تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے ہاں اگر تعزیت کنندہ یا میت کے اعزا سفر میں ہوں اور تین روز کے بعد آئیں تو ان کے لئے مکروہ نہیں ہے جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر چکا ہو اس کو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے حدیث شریف میں تعزیت کے لئے یہ کہنا منقول ہے۔

اعظم الله اجرک و احسن جزاء ک وغفر لمیتک یعنی اللہ تعالیٰ تیرا اجر زیادہ کرے اور تجھے اچھا صبر عطا فرمائے اور تیری میت کو بخش دے) جس میں نہ رونا ہے نہ پیٹنا نہ چیخنا ہے۔ نہ چلانا نہ کپڑے پھاڑنا اور نہ گریبان چاک کرنا ہے۔ نہ بال نوچنا اور نہ پریشان ہونا نہ سینہ کوبی ہے نہ زانو اور رخساروں پر ہاتھ مارنا۔ نہ اجتماع واہتمام اور جزع فزع کی ضرورت ہے نہ میت کے مدح وذم کے بیان کی حاجت جیسا کہ عوام کالانعام میں کسی کے مرنے پر عموماً دیکھا جاتا ہے لیکن یہ سب خرافات اور ناجائز کام آج جس تعزیہ میں ہوتے ہیں وہ محرم کا تعزیہ ہے اور اس مختصر تقریر میں زیر بحث یہی لفظ تعزیہ ہے۔ جس کو لغۃً عرفاً شرعاً کسی طرح بھی تعزیت کہنا صحیح نہیں۔ مذہباً اس کے عدم جواز کی بحث تو میرے اشتہار ''محرم الحرام اور رسالہ حرمت تعزیہ'' میں دیکھنی چاہئے اس وقت سنیوں کو متنبہ کرنے کے لئے مؤرخانہ طور پر مجملاً صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہر سال شروع ماہ محرم میں جس تعزیہ کی بدولت بوجہ نادانی وجہالت لاکھوں سنی عملاً شیعہ ہو جاتے ہیں اور حسب کتب شیعہ اہل سنت کی نہیں بلکہ یزید اور دشمنان آل رسول کی ایجاد ہے۔ اس تعزیہ کی روح امام حسین شہید کربلا پر نالہ وماتم اور نوحہ

وشیون کرنا ہے اوراس کا جسم روضہ امام حسین واقعہ کربلا کی وہ نقل ہے جو بانس اور کاغذ وغیرہ کا بنا کر بنام تعزیہ یا وجہ ماتم اور مرثیہ کے ساتھ سالانہ محرم میں نکالی جاتی ہے جس کے ساتھ ہمیشہ مختلف مقام پر اور بھی بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور آئے دن نئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں۔

ماتم کی تاریخ

یعنی نوحہ و ماتم' نالہ وشیون پر امام حسینؓ کی ابتداء دنیا میں جس نے سب سے پہلے کی وہ بقول شیعہ یزید ہے جو ان کے خیال کے مطابق اول درجہ کا دشمن اہل بیت اور قاتل حسینؓ تھا۔ چنانچہ

۱۔ ملا باقر مجلسی مجتہد شیعہ لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت حسینؓ کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آیا اور دربار یزید میں پیش ہوا تو یزید کی زوجہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر بیتاب ہو کر بے پردہ دربار یزید میں چلی آئی یزید نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا۔

''اے ہندہ نوحہ زاری مکن بر فرزند رسول خداؤ بزرگ قریش کہ ابن زیاد لعین درامر وتعجیل کردو من راضی بکشتن اونبودم (جلاء العیون ص ۵۲۷) یعنی اے ہندہ فرزند رسول خداؤ بزرگ قریش پر نوحہ زاری نہ کر کہ ابن زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی اور میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔

۲۔ جب اہل بیت حسینؓ یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہل بیت یزید نے زیور اتار کر لباس ماتم پہنا۔ صدائے نوحہ وگریہ بلند کی اور یزید کے گھر میں تین روز برابر ماتم رہا۔ (ایضاً ص ۵۲۴)

۳۔ صاحب خلاصۃ المصائب فرماتے ہیں کہ جب حرم محترم پیش یزید لائے گئے تو کان بیده منديل فجعل يمسح و موعه فامرهم ان يحولن الى هنده بنت عامر فادخلن عندها فسمع من داخل القصر بكاء و نداء وويلا (ص ۲۹۳)

یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو پونچھتا تھا۔ پس اس نے حکم دیا کہ ان کو میرے محل میں ہندہ بنت عامر کے پاس لے جاؤ جب یہ ان کے پاس پہنچائی گئیں تو داخل ہونے پر صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی جو باہر سنائی دیتی تھی۔

۴۔ صاحب ناسخ التواریخ نے ص ۲۰۰ میں اور صاحب نہج البلاغہ ص ۳۴۸ میں بھی کم و بیش اس ماتم کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ پر نوحہ و ماتم اور نالہ شیون کا یہ پہلا دن تھا جو بحکم یزید خود اہل بیت یزید نے اہتمام سے کیا پھر جب یزید نے چند اہل بیت حسینؓ کو بعزت وحرمت اپنے پاس شام میں رہنے یا مدینہ جانے کا اختیار دیا تو انہوں نے ماتم برپا کرنے

کی اجازت چاہی جو دی گئی اور شام میں جس قدر قریش و بنو ہاشم تھے سب شریک ماتم و نوحہ ہوئے اور یہ گریہ وزاری ایک ہفتہ تک جاری رہی بعد ازاں یزید نے با آرام ان تمام کو جانب مدینہ روانہ کیا۔ (جلاء العیون ص ۵۳۰ و منہج ص ۳۳۵)

شام میں یہ دوسرا ماتم تھا جو امام حسینؓ پر باجازت یزید اہتمام سے ہوا۔ یزید کے بعد دوسرا شخص مختار ثقفی شیعہ تھا جس نے کوفہ میں سب سے پہلے خاص عاشورہ محرم کے لئے اس رسم بد کی بنا ڈالی۔ بلکہ اور اضافہ کیا یہ شخص شیعہ بھی تھا اور دشمن اہل بیت بھی جس کا مفصل ثبوت میرے رسالہ قاتلان حسینؓ میں دیکھنا چاہیے اس دشمن آل رسول نے قبولیت عامہ حاصل کرنے کے لئے علانیہ کوفہ میں رسم ماتم عاشورہ ایجاد کردہ یزید کو جاری کیا اور بنام تابوت سکینہ جناب امیرؓ کی کرسی کی پرستش شروع کی حالانکہ وہ کرسی جناب امیرؓ کی نہ تھی بلکہ طفیل بن جعدہ نے بلا اجازت کسی روغن فروش کی دوکان سے اٹھا کر اسی کام کے لئے اسے لا دی تھی۔ (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثناعشریہ ص ۴۲۲) علامہ شہرستان بھی لکھتے ہیں کہ وہ ایک پرانی کرسی تھی جس پر مختار نے ریشمی رومال چڑھا کر اور خوب آراستہ کر کے ظاہر کیا کہ یہ حضرت کے توشہ خانہ میں سے ہے۔ جب کسی دشمن سے جنگ کرتا تو اس کو صف اول میں رکھ کر اہل لشکر سے کہتا بڑھو، قتل کرو، فتح و نصرت تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تابوت سکینہ تمہارے درمیان مثل تابوت بنی اسرائیل ہے اس میں سکینہ ہے اور ملائکہ تمہاری مدد کے لئے نازل ہو رہے ہیں۔ وغیرہ (الملل والنحل مصری ص ۸۴) تیسرا شخص معز الدولہ شیعہ ہے۔ جس نے اٹھارویں ذی الحجہ کو عید غدیر منانے کا حکم دیا پھر اس کے بعد عاشورہ کے دن حکم دیا کہ لوگ غم حسینؓ میں دوکانیں بند کریں ہڑتال کریں خرید و فروخت سے باز رہیں سوگ کے کپڑے پہنیں زور سے واویلا کریں عورتیں بال کھولیں منہ پر طمانچے ماریں لوگوں نے اس کی تعمیل کی اور اہل السنّت اس کی مخالفت پر قادر نہ تھے کیونکہ شیعوں کا غلبہ تھا جب ۳۵۳ھ میں پھر ایسا ہی ہوا تو اس پر شیعہ اور سنی میں بڑا فساد ہوا اور بہت لوٹ مار تک نوبت پہنچی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۴۲۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷۵) کامل ابن اثیر جلد ۴ میں بھی ہے کہ دس محرم ۳۵۲ھ کو معز الدولہ نے عام حکم دیا کہ دوکانیں بند ہو جائیں بازار اور خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے لوگ نوحہ کریں کمبل کا لباس پہنیں عورتیں پراگندہ منہ اور گریبان چاک دوہتر مارتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔ (صفحہ ۱۹۷)

آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام انگریزی میں لکھتے ہیں بیادگار شہادت امام حسینؓ و دیگر شہدائے کربلا یوم عاشورہ کو ماتم کا دن مقرر کیا (ص ۴۶۱) ایک اور شیعہ رقمطراز

ہیں کہ معز الدولہ پہلا بادشاہ مذہب امامیہ پر تھا۔ جس نے یہ یوم عاشورہ بازار بند کرا دیئے نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کر دی عورتیں سر کھولے ہوئے راستوں میں نکلیں اور ماتم حسینؓ کا کیا ۱۹ ذی الحجہ کو عید غدیر کی وغیرہ دیکھو (تلخیص مرقع کربلا ص ۷۸-۷۹)

رسم ماتم عاشورہ کی یہ مختصر داستان ہے جو بحکم یزید اسی کے گھر سے شروع ہوئی مختار اور معز الدولہ نے ترقی دی پھر شیعوں نے اس پر خوب خوب مذہبی رنگ چڑھایا۔ اب عشرہ محرم میں گھر گھر اسی کا جلوہ ہے کسی نے بالکل سچ کہا ہے

رسم ماتم بنا یزید نمود ہر کہ آمد برآں مزید نمود

تعزیہ: جو مختلف قطع وضع اور رنگ برنگ کے بنتے ہیں مشہور یہ کیا گیا ہے کہ روضہ امام حسینؓ کی نقل ہے اور جگہ کا تو حال معلوم نہیں مگر ہندوستان میں ہر سال عشرہ محرم میں بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ عہد تیمور میں اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ بعض شیعہ بیگمات' شیعہ وزراء' شیعہ امراء ایرانی الاصل اور شیعہ اہل لشکر ہند میں قیام اور سلطنت و جنگ کے انتظام وغیرہ کے باعث ہر سال کربلائے معلیٰ نہیں جا سکتے تھے جنہوں نے حسب عقیدہ شیعہ بغرض حصول ثواب روضہ امام حسینؓ کی نقل منگوا کر بجائے کربلا کے اس کی زیارت کرنا شروع کی۔ پھر جب شاہان اودھ کے دور میں تشیع نے زور پکڑا تو نقل روضہ امام اور ذوالجناح اور قاسم کی مہندی وغیرہ کا بھی رواج بڑھا۔ اس نے کم وبیش جلد یہ صورت اختیار کر لی جواب مروج ہے چنانچہ تلخیص مرقع کربلا کے شیعہ منصف بھی فرماتے ہیں کہ جو ہر صاحب طوفان نے امیر جنود کا عراق میں آنا اور زیارت کربلا و نجف اشرف کرنا اور پیادہ چلنا اور وزراء کا پیادہ روی سے منع کرنا اور اس کا قرآن میں فال دیکھنا اور آیہ فاخلع نعلیک کا نکلنا۔ اور تبرکات لانا اور نفاذ تعزیہ داری خصوصاً ہندوستان میں مفصل لکھا ہے اور سب جانتے ہیں (ص ۸۳) حالانکہ اس نقل روضہ امام تعزیہ کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ اصل روضہ امام بھی غیر معتبر ہے اور پھر تعزیہ جس کی تاریخ امیر تیمور کے دور سے آگے نہیں چلتی بدعت تیموریہ نہیں تو اور کیا ہے پس مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے اور اس قسم کی تمام بدعات سے مجتنب رہنا چاہئے۔

وما علینا الا البلاغ

آٹھواں خطبہ

سن ہجری کا آغاز

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ. لَقَد كَانَ فِي قَصَصِهِم عِبرَةٌ لِّاُولِي الاَلبَابِ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی کریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

بزرگان محترم اور برادران عزیز! پہلی بات یہ ہے کہ محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو اس سے سن کی ابتداء اور سال کا آغاز ہو جاتا ہے اسلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی تھا اور اسلام کے زمانہ کے بعد یعنی ظہور اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یعنی ظہور اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مس ی جب ہم نے اس سن کو اپنایا پھر بھی یہی سلسلہ قائم رہا کہ محرم سے سال کا آغاز ہوا یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ قمری دور اور قمری مہینے ان ناموں کے ساتھ اور اسی نظام کے ساتھ اسلام سے پہلے ہی موجود تھے، عیسوی سن بھی موجود تھا جس کو شمسی نظام کہتے ہیں سورج کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو اس کو نظام شمسی کہتے ہیں اور چاند کی تبدیلیوں سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو اس کو نظام قمری کہتے ہیں، جب دنیا میں اسلام آیا شمسی نظام بھی موجود تھا اور قمری نظام بھی موجود تھا، جب ہی تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو دسمبر کی پچیس تاریخ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ۵/۶ سو سال پہلے کی بات ہے، معلوم ہوا کہ شمسی نظام موجود تھا ان کے یہی مہینے موجود تھے اور اسی ایک مہینہ دسمبر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے شمسی نظام بھی تھا اور قمری بھی تھا اسی بناء پر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے ہیں تو ربیع الاول کا مہینہ تھا، سن کون سا تھا، خاندان قریش نے اپنا ایک سن شروع کیا تھا اور

ان کا وہ سن ایک سردار کے زمانہ سے چلا آ تا تھا لیکن اس کے بعد اصحاب الفیل کا جو واقعہ پیش آیا چونکہ یہ ایک عجیب وغریب واقعہ تھا لہٰذا انہوں نے اپنا سن تبدیل کر کے سن عام الفیل جاری کیا، عام الفیل کے معنی یہ ہیں کہ اصحاب الفیل کے واقعہ کو اب ایک سال گذر گیا اب دو سال گذر گئے اس سے تاریخ لکھی جارہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مکی دور گذر گیا تاریخیں یہی لکھی جارہی ہیں آپ کا مدنی دور گذر گیا تاریخیں عام الفیل سے لکھی جارہی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے اڑھائی سوا دو سال بھی گذر گئے تاریخ یہی لکھی جارہی ہے، یہاں درمیان میں آپ کی معلومات کے لئے ایک بات اور عرض کردوں آج ہمارے بہت سے روشن خیال احباب اور دوست یہ کہتے ہیں کہ چاند کو آنکھوں سے دیکھنے کی بات بڑی مشکل ہے کہیں گردوغبار ہوتا ہے کہیں بارش ہوتی ہے کیوں نہ اس روایت کے نظام کو حساب کے اندر تبدیل کر دیا جائے سابق صدر ایوب خان نے بڑی زوردار طریقہ سے یہ بات کہی کہ مولانا آج حساب اتنا سچا اور صحیح ہے کہ اس حساب کے ذریعہ سے چاند پر لوگ پہنچ گئے کس وقت پہنچے کیا وقت تھا یہ سارا کا سارا حساب ٹھیک نکلا جب حساب اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو اب غلطی کا کوئی امکان نہیں لہٰذا کیوں نہ حساب کا نظام اختیار کرلیا جائے اور اسی سے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ منائی جائے اور باقی احکام پر بھی اسی سے عمل کیا جائے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اتحاد و اتفاق کے لئے یہ بڑی ہی اچھی تجویز ہے لوگوں کو بڑی غلط فہمی یہی ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اتحاد کسے کہتے ہیں، ہر اتحاد اچھا نہیں ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کچھ لوگ اتحاد کر کے کسی کو قتل کرنے کے لئے جائیں تو کیا یہ ان کا اتحاد قابل تعریف ہے یا نہیں بلکہ ان میں پھوٹ پڑ جائے تو اچھا ہے تا کہ اس کی جان بچ جائے، اگر چور اور ڈاکو اتحاد کرلیں کہ ہم نے باری باری ڈاکہ ڈالنا ہے تو کیا یہ اتحاد قابل تعریف ہے، یہ اتحاد قابل تعریف نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر اتحاد اور اتفاق قابل تعریف نہیں ہے اور ہر اختلاف برا نہیں، بلکہ بعضے اختلاف اچھے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ آپ میری بات پر آمنا وصدقنا کر کے چلیں یہ صحیح نہیں آپ نے مجھے نجات کا پل بنا رکھا ہے بوجھ سارا میری کمر پر رہ جاتا ہے آپ کی جو اپنی رائے ہو آپ اس کا اظہار کریں اختلاف ہو کوئی حرج نہیں اگر ان کے شاگردوں نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو برا نہیں ہے قرآن وسنت کے دائرہ میں عمل کی وسعت اور گنجائش پیدا ہوتی ہے مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ صلوٰۃ اللیل پڑھنے والوں کی

تعریف فرماتے ہیں اس کے الفاظ ایسے ہیں کہ جس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں سوال یہ ہوتا ہے کہ صلوۃ اللیل یعنی تہجد پڑھنے کی فضیلت کن لوگوں کو حاصل ہوگی آیا وہ لوگ جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے اور صبح صادق سے پہلے جو نماز ادا کی تہجد کے نام سے ان کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا اگر سوئے بغیر عشاء کے بعد تہجد کی نماز پڑھ کر سو جائے اس کو بھی ہی فضیلت ملے گی یا نہیں، قرآن کریم کی اس آیت کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی نظر میں قابل تعریف ہیں کہ جن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں، بستروں سے جدا اس وقت ہوں جب بستروں سے لگیں تو بعض آئمہ نے یہ فرمایا کہ جب تک کوئی انسان سوئے نہیں اور سو کر بیدار ہو کر نماز تہجد نہ پڑھے تو نماز تہجد کا ثواب اور فضیلت اسے حاصل نہ ہوگی کیونکہ آیت قرآنی یہ کہہ رہی ہے کہ ان کے پہلوان کے بستروں سے جدا ہو چکے ہیں اور معنی یہ بھی ہے کہ ان کے پہلوان کے بستروں سے جدا ہیں تو جدا رہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ابھی سوئے بھی نہیں اور سونے سے پہلے نماز تہجد ادا کر لی اس لئے اس میں اختلاف ہو گیا، علماء نے یہ کہا کہ نماز تہجد کی فضیلت صرف ان کو مل لے گی جو سو کر اٹھ کر نماز پڑھیں لیکن بعض فقہاء نے کہا کہ اگر کسی نے سونے سے پہلے بھی تہجد کی نیت سے نماز پڑھ لی تو اس آیت میں گنجائش ہے ان کو بھی تہجد کا ثواب ملے گا، اب آپ نے دیکھا کہ ہمارے عمل کے لئے کتنی گنجائش پیدا ہو گئی علماء نے لکھا کہ ان دونوں باتوں کو جمع کرو جو لوگ نماز تہجد کی عادت ڈالنا چاہتے ہیں تو وہ سونے سے پہلے پڑھ لیا کریں اور جب تہجد کی انہیں عادت ہو جائے گی تو وہ دوسرے قول پر عمل کریں کہ وہ سو جائیں اور سونے کے بعد آخری شب میں اٹھیں شروع میں بھی آپ کو تہجد کا ثواب مل گیا اور آخر میں بھی تہجد کا ثواب مل گیا اس لئے میں نے کہا کہ ہر اختلاف برا نہیں، اگر چند آدمی اتفاق کر کے کسی کے مکان میں آگ لگانے کے لئے جا رہے ہیں تو ایک آدمی کہے کہ میں ہرگز یہ کام تمہیں نہیں کرنے دوں گا وہ یہ اختلاف کرے تو یہ اختلاف ایک شریف آدمی کا اور اچھا اختلاف ہے میں نے یہ بات اس لئے کہی کہ اتفاق و اتحاد بہت اچھی چیز ہے بشرطیکہ شریعت کا کوئی مسئلہ چھوڑنا نہ پڑے اگر آپ نے کسی شرعی مسئلہ کو چھوڑ دیا اس لئے کہ تا کہ اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ اتحاد رد کر دیا جائے گا۔

ایک واقعہ

مجھے ایک واقعہ یاد آیا حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا کے شاگرد بھی تھے اور ان کے ترجمان اور زبان بھی تھے

یہ الفاظ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہے خود حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں کراچی کے بیان میں ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے بڑے اہتمام کے ساتھ دو شاگردوں کو تیار کیا ایک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فرمایا کہ جب ضرورت پڑھتی تھی قلم سے ترجمان کی زبان سے ترجمانی کی تو ہم دونوں کو یاد فرمایا کرتے تھے اور ہم دونوں پر یہ اعتماد تھا کہ یہ ہماری زبان اور ہماری قلم ہیں اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بتایا کہ دہلی میں ایک اعلیٰ کانفرنس ہوئی اس کانفرنس کے بلانے والے حکیم اجمل خان مرحوم تھے مسلمانوں کے دلوں میں ان کا بڑا احترام تھا اور حکیم اجمل خان سیاست میں بھی مسلمانوں میں سے سب سے آگے اور پیش پیش تھے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لئے ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں اس لئے کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد پیدا ہوا تو پھر اس انگریز کو ہندوستان سے نکالنا بہت مشکل ہے کوشش یہ کی جارہی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے اسی اتحاد کی خاطر مسلمانوں نے یہاں تک کیا کہ گاندھی جی کو لے جا کر جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھا دیا اور یہ کہا کہ ہمارے اس عبادت خانے کے اندر آپ خطاب کریں دوسری کوشش اتحاد کی یہ ہوئی کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کو بند کر دیا جائے، مسلمانوں نے اس طور پر سوچا کہ جب تک مسلمان گائے ذبح کرنا جاری رکھیں گے ہندو مسلم اتحاد نہیں ہوسکتا تحریک مسلمانوں میں شروع کی جائے کہ گاؤ کشی بند کر دیں، گائے کا ذبیحہ بند کر دیں اس کے لئے حکیم اجمل خان صاحب نے ایک بڑی کانفرنس دہلی کے اندر بلائی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کی اطلاع بھی آئی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ حضرت شیخ الہند کو اظہار خیال بھی کرنا ہے حضرت شیخ الہند نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے کہا کہ میری طرف سے جا کر اس کانفرنس میں میری ترجمانی کریں اور فرمایا کہ آپ جا کر یہ کہیں کہ کسی مسلم ہندو اتحاد انگریز کو نکالنے کی خاطر ہم ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے لئے اسلام کے کسی شعار کی قربانی دینے کو تیار نہیں ہیں اور یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم نے ہندو مسلم اتحاد کی خاطر یا کسی اور مصلحت کی خاطر دین کے قلعہ میں ذرا سا بھی سوراخ کیا تو مسجد میں آنے والی نسلیں اسے پھاٹک بنا دیں گی، ایسی کسی چیز کو ہم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تشریف لے گئے اور اپنی خداداد طاقت کے ذریعہ سے مسلمانوں کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا مسلمان کا جب دینی

جذبہ بیدار ہو جائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر طاقت ور اور کوئی قوم نہیں ہے تو مسلمانوں نے بڑے جذبات کے ساتھ یہ کہا کہ ہرگز ہرگز ہم ذبیحہ گائے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز سے اتفاق کر لیا حکیم اجمل خان مرحوم کوئی بدنیت نہیں تھے لیکن بعض اوقات انسان کی فکر ہوتی ہی اس طرح ہے کہ شاید اس طرح اتحاد ہو جائے ان کو بھی یہی خیال تھا تو ان کی کانفرنس فیل ہو گئی اور سارا کھیل بگڑ گیا لیکن کیسے مخلص لوگ تھے مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ حکیم اجمل خان صاحب کا میرے پاس خط آیا اور اس خط میں انہوں نے مجھے لکھا، ایھا العدو والحبیب کہ اے میرے پیارے دشمن اور حکیم اجمل خان نے لکھا کہ میں نے تمہیں دشمن تو اس لئے کہا کہ جو کچھ میرا منصوبہ تھا وہ سب تم نے خاک میں ملا دیا اور پیارے اس لئے کہا کہ تم نے اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس لئے میں تم کو پیارا بھی کہتا ہوں اور دشمن بھی کہا ہے اور میں تمہارے ساتھ اتفاق کرتا ہوں میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ اتحاد اچھی چیز ہے لیکن پہلا مسئلہ آپ کا یہ ہے کہ آپ احکام شریعت پر عمل کریں احکام شریعت پر عمل کرتے ہوئے اتحاد ہو جائے تو عمر چشم ما روشن دل ما شاد۔ لیکن ہم ایسے اتحاد کے قائل نہیں ہیں کہ جس کے لئے شریعت کے کسی مسئلہ کی قربانی پیش کرنی پڑے اگر آپ یہ کہیں کہ شریعت کے دیئے ہوئے رویت کے احکام کو اور شہادت کے احکام کو اتحاد کی خاطر قربان کر دیا جائے ہم ایسے اتحاد کے قائل نہیں ہیں ہم ایسے اتحاد میں اس اختلاف کو پسند کرتے ہیں جو اختلاف اس میں کیا جائے کہ آپ اللہ کا دین اختیار کریں اور دنیا کے اندر خدا کے حکم کو قائم کریں، تو لوگ کہتے ہیں کہ اگر حساب کا نظام لے لیں تو اتحاد ہو جائے گا تو میں نے ایوب خان صاحب سے یہ بات کہی کہ آپ کی تجویز تو بہت اچھی ہے لیکن میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ حساب ایسی چیز ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی، کراچی میں آپ کو حساب کی جنتریاں مل جائیں گی بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کو ہے اور بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی اتوار کو ہے تو یہ انہوں نے رویت سے تو نہیں لکھا حساب سے ہی لکھا ہے دونوں میں ایک تو غلط ہے تو یہ غلطی کیسے آ گئی لہٰذا آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۶۸ء میں چاند کے مسئلہ پر حکومت سے اختلاف ہوا تو کراچی یونیورسٹی نے اور رائے دی اور لاہور یونیورسٹی نے اور رائے دی جبکہ دونوں کے رائے حساب پر مبنی تھیں مگر دونوں الگ الگ نتیجہ پر پہنچے تھے دونوں کے درمیان اتفاق نہیں تھا، تو پہلے تو ہمیں

اس بات پر اتفاق نہیں ہے کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی اور اگر فرض کر لیں کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی تو میں نے ایوب خان صاحب سے کہا کہ یہ بتلائیے کہ جب دنیا میں اسلام آیا اور اسلام کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ ہم بھی تاریخوں اور مہینوں سالوں کے لئے کوئی نظام اپنائیں تو اس وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی **یسئلونک عن الاھلہ قل ھی مواقیت للناس والحج** قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ ہم نے تمہارے لئے چاند کو اور چاند کے تغیرات کو میقات بنا دیا ہے اور اوقات اور تاریخوں کے معلوم کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے تو جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت شمسی نظام موجود تھا اور شمسی نظام حساب پر مبنی ہے رویت پر مبنی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ چاند پر بنیاد رکھو اس وقت حساب کا نظام موجود ہے اور آپ کا یہ کہنا ہے کہ حساب میں آسانی زیادہ ہے کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رائج شدہ حسابی نظام کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ اسے رد فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ آپ چاند کا نظام اپنائیں ۱۹۶۸ء میں اختلاف ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے حکومت سے یہ کہا کہ دو خطبے ایک ہی دن جمعہ بھی ہو اور عید بھی ہو یہ حاکموں پر بہت بھاری ہوتا ہے اور حکومتوں کے لئے بہت نقصان ہوتا ہے تو عید جمعرات کو ہی ہو جائے تو اچھا ہے تو میں نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ ہم نے داڑھی دھوپ میں سفید نہیں کی ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ان باتوں سے ہم کوئی شرعی حکم بدل دیں گے یا کوئی اپنی شرعی رائے بدل دیں گے تو آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں بعض ذمہ دار لوگوں نے مجھے فون کیا کہ مولانا آپ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ چاند نہیں ہوا اور عید جمعہ کو ہوگی میں نے کہا کہ جی ہاں کہنے لگے ہمارے قصبہ سے کچھ لوگوں نے آ کر کہا کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے میں نے ان سے کہا کہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں دیکھا پورے ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا اور اگر آپ کے قصبہ میں کچھ لوگوں نے دیکھ لیا ہے تو وہ میرا نام تو جانتے ہوں گے آپ میرا نام لے کر ان سے یہ کہہ دیں کہ اگر تم نے چاند دیکھا ہے تو تم کل روزہ نہ رکھنا مگر عید تم کل نہیں منا سکتے عید ہمارے ساتھ ہوگی اگر ہم حساب کا نظام آج اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے منشاء خداوندی کے خلاف کیا ہے ہم نے قمری نظام کو بھی شمسی بنا دیا منشاء خداوندی کے خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بری بات ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے **وَيلٌ لِّلمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا اكتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَستَوفُونَ وَاِذَا كَالُوهُم اَووَّزَنُوهُم يُخسِرُونَ** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں

تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے تو اس پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ ہے کہ بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے اور یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے قہر اور غصہ کے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، یہاں بعض علماء نے یہ سوال کیا ہے کہ اس وقت لوگ جو کمی کرتے تھے بہت کم مقدار میں ہوتی تھی صرف تولہ دو تولہ کا فرق ہوتا تھا تو اتنی تھوڑی مقدار کی کمی پر اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے غصہ کا اظہار فرمایا تو علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہماری نظر تو تولہ دو تولہ کی کمی پر ہے جبکہ اللہ کی نظر اس پر ہے کہ ہم نے یہ پیمانہ عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے بنایا تھا لیکن عدل وانصاف کے پیمانہ میں کمی کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو بدل دیا، تو اللہ کے منشاء کو تبدیل کر کے باغی ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر کا اظہار فرمایا، تو اسی طرح اگر آپ رویت کے نظام کو حساب میں تبدیل کر دیں جبکہ جس وقت قرآن کی یہ آیت اتری تھی جس میں چاند کا نظام دیا گیا اس وقت حساب کا نظام موجود تھا تو اس تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کیلنڈر نہیں بنا سکتے ضرور بنائیں گے مگر اس حساب کو انسانی حساب سمجھیں اگر آپ کا کیلنڈر یہ بتا رہا ہے کہ آج شوال کی پہلی تاریخ ہے اور چاند کی رویت نہیں ہوئی تو تمہیں اس کیلنڈر پر روزہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ رویت پر عمل کر کے تیس رمضان المبارک کی سمجھنی چاہیے اور اگلے دن رویت کی بناء پر یکم شوال سمجھنا چاہیے نظام حکومت چلانے کے لئے اگر کیلنڈر تیار ہو تو نظام حکومت اس پر چل سکتا ہے مگر اس پر احکام شرع نہیں چلیں گے تو قمری نظام ہمیں مل گیا تھا مگر سن ہمارا چل رہا تھا عام الفیل سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی سن چلتا رہا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک منڈی تھی جس پر شعبان کا مہینہ لکھا ہوا تھا مگر سن نہیں لکھا ہوا تھا سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ منڈی کیش ہو چکی ہے یا ابھی کیش ہونی ہے کیونکہ اس پرچہ پر سن موجود نہ تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ بھائی سن لکھنا تو ضروری ہے مگر آج یہ طے کر لیں کہ کونسا سن لکھیں ابھی تک عام الفیل سن چلا آ رہا ہے، صحابہؓ نے طے کیا کہ آج ہم اپنا اپنا سن طے کریں اور وہ سن ہجرت کا سن کہلائے یعنی اسلام کو روئے زمین پر اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرمائی اور مسلمانوں کو اجتماعیت عطا فرمائی جب سے مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آ گئے لہٰذا یہ ہماری سربلندی کی تاریخ ہے ہم اپنا سن ہجرت سے

شروع کردیں مگر اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ نے قمری نظام اپنایا ہے اور قمری نظام تو محرم سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہو جاتا ہے اور اگر آپ اپنا سن الگ بتاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا سن بارہ ربیع الاول سے شروع ہوگا اور ۱۱ ربیع الاول پر ختم ہو جائے گا جب بارہ ربیع الاول آئے گی آپ کا سن بدل جائے گا لہٰذا اس صورت میں جو قمری نظام چلا آ رہا تھا وہ آپ نے آدھا لیا اور آدھا چھوڑ دیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ طے کیا کہ ہم پورا قمری نظام لیں گے اور ہمارا سن محرم کی پہلی تاریخ سے ہی شروع ہوگا اور ہجرت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے تو محرم، صفر دو مہینے یہ اور گیارہ دن ربیع الاول کے تو دو ماہ گیارہ دن کی کسر کو نکال دیں گے اور سن یکم محرم سے ہی شروع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ سن کی بنیاد واقعہ ہجرت کو تو بنایا گیا ہے ہجرت کی تاریخ کو سن کی بنیاد نہیں بنایا گیا سن وہی رکھا گیا جو پہلے تھا کہ محرم سے شروع ہوگا اور ذوالحجہ پر ختم ہو جائے گا۔

ماہ محرم واقعہ ہجرت کی یاد دلاتا ہے

جب یہ محرم کا مہینہ آتا ہے تو یہ محرم کا مہینہ مسلمانوں سے پکار پکار کر کے کہتا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے بزرگوں اور اسلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے واقعہ ہجرت کی یاد کو تازہ کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خاطر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائے، جو قوم اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے وہ قوم بڑی غیور اور غیرت مند ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ آپ کے غیرت کے جذبہ کو ابھارا جائے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کے لئے دو وادیاں بھری ہوئی مال کی مل جائیں تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ تیسری وادی اور دیدو اور حدیث میں آتا ہے کہ اگر تیسری مل جائے تو کہے گا چوتھی اور دے دو فرمایا کہ یہ تمہاری بھوک ایسی بھوک ہے کہ اس سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا سوائے اس کے کہ مرنے کے بعد قبر میں جب ڈال دیا جائے گا تب یہ بھوک ختم ہوسکتی ہے زندگی میں یہ بھوک ختم نہیں ہوسکتی ہمارے حرص کے جذبہ کو اس حدیث میں بتایا گیا ہے اور اس حدیث میں ابن آدم کا لفظ ارشاد فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے علماء نے لکھا ہے کہ ہمیں ابن آدم کیوں کہا گیا، یہ اس لئے کہا کہ کچھ تو غیرت آئے گی کہ ہم آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور ہمارے باپ تو ایسے نہیں تھے ہم ایسے کیوں نکل آئے، ہم آدم کی اولاد ہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام اتنے حریص نہیں تھے تو اولاد کو

کچھ تو خیال کرنا چاہیے کہ ہم کس باپ کے بیٹے ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا بنی اسرائیل کہ اے بنی اسرائیل مگر کسی جگہ بھی یا بنی یعقوب نہیں کہا جبکہ اسرائیل بھی حضرت یعقوب کا نام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسراء کے معنی ہیں بندہ ئیل کے معنی ہیں اللہ یعنی اللہ کا بندہ بنی اسرائیل کو ان کے باپ کا وہ نام یاد دلایا جا رہا ہے جس نام کے اندر ان کے باپ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا پہلو نکلتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم اس باپ کے بیٹے ہو جو سر تا پا اللہ کی عبادت اور بندگی کیا کرتا تھا تمہارے اندر یہ سرکشی کہاں سے آئی، معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی تاریخ سے قوم کے اندر غیرت کے جذبات پیدا کئے جاتے ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اسلام کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں کچھ لوگ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور کچھ لوگ پھر مدینہ ہجرت کر کے آ گئے، گھر بار چھوڑا عزیزوں کو چھوڑا اور تو اور بیت اللہ کو چھوڑا لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے عربی کا ایک شعر پڑھ رہے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا پھر کبھی ایسا وقت آئے گا کہ ہم ایسی جگہ موجود ہوں گے کہ جس جگہ بیٹھ کر ہم خانہ کعبہ کو دیکھ سکیں گے، یاد کر رہے ہیں ہمارے بزرگوں اور اسلام نے اسلام کی سربلندی کی خاطر اتنی قربانی دی کہ ہجرت کر کے آئے ہماری تاریخ اسی سے وابستہ ہے، ہمارے اندر اپنے اکابر و اسلاف کی عظمت اور احترام پیدا ہو گا غیرت کا جذبہ پیدا ہو گا ایک تو محرم کا مہینہ جب آتا ہے تو وہ یہ سبق دیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مقصد

دوسرے یہ کہ ہجرت کو جب ساٹھ سال گذر گئے اور ہجرت کا اکسٹھواں سال آیا تو اس وقت خاندان نبوت کے چشم و چراغ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ پیش آیا اور آج اس واقعہ کو تیرہ سو پینتیس سال چھ دن گذر گئے ہیں یہ تیرہ سو چھتیسواں سال ہے شہادت کا اور اتنے طویل عرصہ کے باوجود یہ واقعہ ہمارے دلوں میں تازہ ہے اور قیامت تک تازہ رہے گا کیونکہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہات حق کی خاطر تھی اور حفاظت دین کی خاطر تھی یہ اور بات ہے کہ آج کل ہم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاشق کہلاتے ہیں اور ان کے فدائی کہلاتے ہیں اور انہیں کا نام لے کر اور انہیں کی محبت کا نام لے کر ہم اللہ کے اس دین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جس دین کی حفاظت کی خاطر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنی عظیم قربانی دی تھی، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ اور نواسہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ آپ کو یاد ہو گا کہ آپ ایک دفعہ

خطبہ دے رہے تھے اور اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی کیونکہ دوسری تیسری ہجری میں دونوں صاحبزادے پیدا ہوئے ہیں ایک سال کا فرق ہے اور آپ دس ہجری کے بعد دنیا میں تشریف لے گئے تو دونوں صاحبزادے حضرت حسین کی عمر اس وقت آٹھ نو سال ہے اس سے زیادہ ان کی عمر نہیں ہے تو حدیث پاک میں جو واقعہ آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے ہیں اور یہ صاحبزادے لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے صفوں کے درمیان میں سے آگے آرہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ کہیں کپڑوں میں الجھ کر گر نہ جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے اتر کر ان کو گود میں اٹھالیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اتنی محبت تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اولاد کی محبت بڑی شدید ہوتی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ اس منزل سے گذرے ہیں انہیں معلوم ہے کہ اولاد کی محبت اور زیادہ شدید ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خاندان نبوت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے یہ جذبہ تھا کہ نانا جان کے دین کی کہیں سے شکل نہ بدلے اور کہیں سے اس کی صورت نہ بدلے کوئی اس کے اندر تبدیلی نہ کرے۔

ہمارا نظام اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کے نظام اخلاق سے جدا ہے ہمارا نظام معیشت دنیا کے تمام نظام ہائے معیشت سے جدا ہے، ہمارا نظام حکومت دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت سے جدا ہے، ہمارے نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے دنیا کے اندر جب قدم رکھا ہے تو چاروں طرف سوائے بادشاہت اور ملوکیت کے کہیں کوئی چیز نظر نہیں آتی، دنیا میں جہاں جس کی حکومت موجود ہے وہاں کا وہ بادشاہ ہے یعنی خاندانی جانشینی چلتی تھی، قیصر و کسریٰ کا بھی یہی طریقہ تھا لیکن اسلام دنیا میں پہلا مذہب اور دین ہے کہ جس نے آکر یہ بتایا کہ اگر دنیا سے ظلم کو مٹانا چاہتے ہو تو سب سے پہلے بادشاہت اور ملوکیت کا نظام ختم کریں اور شورائی نظام کو جاری کریں، شورائی نظام کا اصول یہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹا مستحق نہیں ہے بلکہ اپنی مرضی سے نامزد کیا جاتا ہے اہل حل وعقد کی رائے سے حاکم نامزد کیا جاتا ہے، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یزید باپ کے بعد نامزدگی کے طور پر آیا ہے آپ نے اس لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کردیا کہ اس سے میرے نانا جان کا دیا ہوا وہ نظام حکومت جس کے ڈھانچہ میں حاکم اور امیر مسلمان اہل حل وعقد کی رائے سے آتا ہے اگر باپ کے بعد بیٹے کا طریقہ رائج ہو گیا تو پھر اسلام اور قیصر و کسریٰ کے نظام میں کیا فرق رہ جائے گا۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

نواں خطبہ

مقصد زندگی

فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

نیا اسلامی سال شروع ہو چکا ہے اپنی عمر کے قیمتی لمحات کے بارے میں کچھ غور وفکر کریں' انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ یہ کدھر جارہی ہے؟ یہ قدم جنت کی طرف اٹھ رہے ہیں یا جہنم کی طرف؟ جن کے دل میں کچھ فکر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس مقصد کے لئے بھیجا ہے؟ وہ اپنے مقصد زندگی کو نہیں بھولتے۔ سوچتے ہیں کہ مالک کی رضا کس میں ہے؟ کیا کرنا چاہئے؟ اور آخرت جو صحیح معنوں میں وطن ہے وہ بگڑ رہی ہے یا سنور رہی ہے؟ یہ فکر ہر انسان کو ہونی چاہئے اپنی زندگی کا کچھ تو حساب و کتاب کیا جائے کہ گزرے ہوئے سال میں کیا کمایا کیا گنوایا؟ ایک سال کی مدت بہت طویل ہوتی ہے سارے تغیرات اور موسم سب کچھ ایک سال میں گزر جاتا ہے کوئی چیز باقی نہیں رہتی سال میں چاند اور ستاروں کے علاوہ آفتاب بھی اپنی گردش پوری کر لیتا ہے بہرحال ایک سال میں ہر قسم کی گردش مکمل ہو جاتی ہے مختلف سمتوں سے مختلف قسم کی ہواؤں کا دور ہر قسم کی نباتات کی پیدائش' تمام کائنات میں مزاجوں کے تغیرات اور ہر جان دار مخلوق کے انقلابات کا دور ایک سال میں پورا ہو جاتا ہے اسی لئے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک سال کے بعد اس کی سالگرہ مناتے ہیں پھر دوسرے سال پھر سالگرہ اسی طرح ہر سال سالگرہ مناتے رہتے ہیں سالگرہ منانا ہے تو بہت بری بات مگر اس سے کچھ سبق تو حاصل کیا کریں کہ سالگرہ منانے والوں کا نظریہ کیا ہے؟ وہ کیوں مناتے ہیں؟ اس لئے کہ سال کی مدت بہت طویل مدت ہے۔ بچہ ایک سال گزرنے کے بعد ابھی تک موجود ہے مرا نہیں اس پر خوشی مناؤ حالانکہ جس نے نعمتیں عطاء فرمائیں اس کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر کرتے ہیں الٹا کام کہ اس کو ناراض کرتے ہیں بس جہاں محرم کا مہینہ شروع ہوا تو سمجھ لیں کہ نیا سال شروع ہو گیا سوچیں غور وفکر کریں کہ گذشتہ محرم سے لے کر اس محرم تک پورا ایک سال گزر گیا مگر آخرت کے لحاظ سے گذشتہ محرم میں جہاں تھے اب بھی وہیں ہیں یا ایک آدھ قدم آگے بھی

بڑھے ہیں؟ اگر سارا سال گزر گیا مگر حالت میں ذرہ برابر بھی انقلاب نہیں آیا تو کتنے بڑے خسارہ کی بات ہے کوئی شخص کمانے کے لئے بیرون ملک گیا۔ جتنی پونجی لے گیا تھا سال گزرنے کے بعد وہیں کا وہیں رہا کچھ بھی نہیں کمایا تو کتنی محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے سوچیں کہ گذشتہ سال میں کتنے لوگ زندہ تھے اور اب کتنے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اسی طرح سب کو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے اس سال جب محرم کا چاند نکلا اس وقت تو اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی لیکن جب کسی تحریر پر ۱۴۰۵ ہجری لکھتا ہوں تو بہت شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کل تک تو لکھتا رہا ۱۴۰۴ ہجری اور آج ہو گئی ۱۴۰۵ ہجری' یہ دیکھ کر دل دہل جاتا ہے جسم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر کیلئے قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تین چار روز تک یہی حالت رہی کہ سال گزر گیا اور ہماری حالت کا کیا کچھ بنایا نہیں بنا؟ پھر الحمدللہ! یہ سوچ یہیں تک محدود نہیں' خیال ہوا کہ ۱۴۰۵ ہجری سے پہلے ۱۳۰۵ ہجری میں کیا ہوا؟ اور ۱۲۰۵ ہجری میں کیا ایک سال کیا یہاں تو صدیاں گزر گئیں زمانہ کس تیز رفتاری سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ مگر غفلت کی آنکھیں بیدار نہیں ہوتیں سوچیں اپنے ابا' دادا' پردادا کو کہ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والدین اور رشتہ دار خوشیاں منا رہے تھے اور سالوں پر گرہیں لگاتے تھے مگر ساری گرہیں ٹوٹ گئیں۔ کوئی رہی نہیں اور سب اس دنیا سے چلے گئے آپ بھی ہزاروں سالگرہیں منالیں کوئی رہے گی نہیں۔ سب ٹوٹ جائیں گی۔ اسی طرح شادیوں کا نتیجہ آخر میں کیا ہے؟ اگر آخرت کو نہیں بنایا تو یہ دنیا کی سب شادیاں مہنگی پڑیں اور برباد ہو گئیں کہاں گئیں شادیاں یہاں کی؟ جب اولاد کی شادی ہو تو سوچنا چاہئے کہ کسی روز ہماری بھی شادی ہوئی تھی' میں تو اپنی شادی تک ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی شادی تک سوچتا ہوں کہ کسی روز ان کی بھی شادی ہوئی تھی:

''گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان''

کچھ باقی نہیں رہا' اگر کچھ باقی رہے گا تو وہ اعمال صالحہ جو آخرت کی شادی میں کام آئینگے۔

ان سب باتوں کو سوچا کریں سوچنا تو روزانہ چاہئے مگر کم سے کم ہر سال کی ابتداء میں تو یہ سبق حاصل کر لیں کہ ایک سال گزر گیا لیکن اب بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں گذشتہ سال تھے یا کچھ آگے بھی بڑھے؟ آگے بڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ سال بھر میں اگر ایک گناہ بھی چھوٹ گیا تو جب بھی کچھ تو آگے بڑھے اور اگر یہ حالت ہے کہ گذشتہ محرم کی ابتداء میں جتنے گناہ تھے آج بھی اتنے ہی ہیں۔ ایک گناہ بھی نہیں چھوٹا تو بڑے خسارہ کی زندگی گزری۔ کچھ فکر کرنی چاہئے کہ آخر ایک روز مرنا ہے کب تک زندہ رہنا ہے۔

تجارت آخرت کا گوشوارہ

دنیوی تجارتوں میں جہاں سال ختم ہونے کو آتا ہے نفع وخسارہ کا حساب لگایا جاتا ہے گوشوارے تیار کئے جاتے ہیں تاجر لوگ نفع اور خسارہ کا حساب کیسے لگاتے ہیں؟ وہ اس طریقہ سے کہ سال کے اندر اگر ایک کروڑ کے نفع کی امید تھی اور نفع ہوا ۷۵ لاکھ تو یوں کہتے ہیں کہ ۲۵ لاکھ کا نقصان ہوا یہ ناشکرا بندہ یہ نہیں کہتا کہ ۷۵ لاکھ کا فائدہ ہوا۔ نفع کو بھی خسارہ ہی بتاتا ہے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے پاس ایک تاجر ہر سال نقصان ہی بتاتا تھا ایک بار انہوں نے پوچھا کہ اگر ہر سال ہزاروں کا نقصان ہوتا رہتا ہے تو اب تک تو آپ کا کباڑا ہی ہو جاتا۔ آپ کی ساری تجارت ہی ختم ہو جاتی لیکن یہ تو روز بروز ترقی پر ہے یہ کیسا نقصان ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ تاجروں کی اصطلاح نہیں سمجھتے۔ یہ شروع سال میں تخمینہ لگاتے ہیں کہ آئندہ سال میں اتنا نفع ہونا چاہئے اس تخمینہ سے جو کم ملا اسے یہ لوگ خسارہ کہتے ہیں ناشکرا انسان دنیوی نفع کو بھی نقصان شمار کرتا ہے اور آخرت کے نقصان کو تو شمار ہی میں نہیں لاتا کبھی اس کا گوشوارہ ہی تیار نہیں کرتا۔

دعا کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے حساب وکتاب کے گوشوارے بنانے کی توفیق عطاء فرمادیں گوشوارہ پر ایک بات یاد آ گئی ''گوش'' کے معنی ہیں ''کان'' یہ دین کی باتیں جو آپ کے کانوں میں پڑ رہی ہیں وہ آپ لوگوں کے گوشوارے بن رہے ہیں یا اللہ! کانوں میں پڑنے والی اپنی باتیں دلوں میں اتار دے۔

دو مبارک دعائیں

یہ مبارک دعائیں یاد کرلیں، اللہ تعالیٰ سے مانگا کریں، ان کا دائمی معمول بنائیں۔

پہلی دعاء

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ

''یا اللہ! میرے دل کے کان اپنے ذکر کے لئے کھول دے۔''

جب تیرا ذکر ہو خواہ میں ذکر کروں یا کوئی دوسرا کرے تو میرے دل کے کان کھل جائیں اور ذکر کانوں سے گزر کر دل میں اتر جائے۔

یہ دعاء یاد کرلیں اگر عربی الفاظ یاد نہ رہیں تو مفہوم ہی یاد رکھیں اس دعاء کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! تیرے اذکار سر کے کانوں سے ہوتے ہوئے دل کے کانوں میں اتر جائیں۔

دوسری دعاء

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قَلْبِیْ بِذِکْرِکَ

''یا اللہ! اپنے ذکر کی چابی سے میرے دل کے تالے کھول دے۔''

جب انسان ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو دل پر تالے پڑ جاتے ہیں یا اللہ! اپنے ذکر کی توفیق عطاء فرما اور دل پر جو غفلت کے تالے پڑے ہیں انہیں ذکر کی برکت سے کھول دے۔

تریاق منکرات

ہر شخص کو اپنے بارے میں روزانہ سوچنا چاہئے کہ اس نے اپنی آخرت کا گوشوارہ کتنا بنایا؟ یہ ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے تریاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵۹-۱۸)

اس آیت میں تقویٰ کے حکم کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا نسخہ بھی ارشاد فرما دیا کہ آخرت کے بارے میں سوچا کریں۔

یا اللہ! تو اپنی رحمت کے صدقہ میں سب کو اپنی آخرت کے گوشوارہ کے بارے میں سوچنے کی توفیق عطا فرما۔ کچھ تو سوچنا چاہئے کہ یہ زندگی آخرت کے اعتبار سے کیسی گزر رہی ہے؟ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے جیسے زمانہ دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ برکت اٹھتی چلی جا رہی ہے پچھلے محرم سے اس محرم تک ایک سال گزر گیا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایک سال اور دور ہو گئے۔

طلب رحمت کا طریقہ

اس لئے یہ دعا کر لینی چاہئے کہ یا اللہ! تیری رحمت کمزوروں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کی وجہ سے ہم تیری رحمت کے زیادہ مستحق ہیں تو ہماری مدد فرما سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے مجھے ایک بار نماز میں خیال آیا کہ یا اللہ! میں سب سے زیادہ عاجز و ناقص ہوں اس لئے رحمت کا سب سے زیادہ تو میں ہی مستحق ہوں اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ ماں کے سامنے تین چار بچے ہوں ایک ان میں سے نجاست سے بھرا ہوا ہے عاجز ہے کمزور ہے اور دوسرے بہتر حالت میں ہیں تو ماں کی شفقت اسی کی طرف متوجہ ہوگی جو کمزور ہے اور

دوسرے بہتر حالت میں ہیں تو ماں کی شفقت اسی کی طرف متوجہ ہوگی جو کمزور اور گندہ ہے جب انسان کا یہ حال ہے تو یا اللہ! تیری رحمت کو مجھ پر کیسے جوش نہ آئے گا؟ یا اللہ! اس دوری کا صدقہ اس عاجزی کمزوری اور ضعف کا صدقہ تیری رحمت کے ہم زیادہ مستحق ہیں تو رحم فرما' دستگیری فرما' نفس' شیطان' برے معاشرہ اور ماحول کے مقابلے میں ہماری مدد فرما' یا اللہ! تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہیں مگر تجھ سے دور نہیں تو ہمارے ضعف اور عاجزی کے مطابق ہمارے ساتھ رحم کا معاملہ فرما۔

ایک اور عجیب دعا

ایک اور دعاء یاد آ گئی یہ ہمارے حالات کے عین مطابق ہے۔

اَللّٰهُمَّ عَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ

''اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان کے لائق ہے ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم مستحق ہیں''۔

ہماری نالائقی سے درگزر فرما اور ہم پر رحم و کرم فرما۔ اپنی عاجزی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے ان کی رحمت طلب کرنی چاہیے اور دینی کام جتنا مشکل نظر آتا ہو اتنی ہی ہمت بلند کرنی چاہیے۔

سالگرہ یا سال گرا

لوگ کہتے ہیں کہ بچہ ایک سال کا ہو گیا اس کی سالگرہ ہوگی سال گرہ نہیں ''سال گرا'' کہنا چاہیے اس لئے کہ اگر بچہ اپنی عمر ۶۰ سال لے کر آیا ہے تو اس میں سے ایک سال گر گیا۔ عمر ۵۹ رہ گئی۔ لوگ خوشیاں مناتے ہیں ہمارا بیٹا ایک سال کا ہو گیا دو سال کا ہو گیا ادھر ملک الموت دیکھ رہا ہے کہ اسکی روح قبض کرنے میں ۶۰ کی بجائے ۵۸ سال رہ گئے۔ آپ اپنے گھر سے لاہور کی طرف چلے ایک میل طے ہوا دو میل طے ہوئے تو آپ کا سفر بڑھ رہا ہے یا کم ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو مسافر خانہ یعنی دنیا میں سفر پر بھیج دیا ہے اور سفر کے دن مقرر کر دیئے ہیں کسی کے لمحے ہیں کسی کے سیکنڈ ہیں کسی کے منٹ کسی کے دن کسی کے ہفتے کسی کے مہینے اور کسی کے سال ہیں۔ اب ان میں سے ایک ایک لمحہ جو گزر رہا ہے اس سے سفر کی مدت بڑھ نہیں رہی بلکہ گھٹ رہی ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ بچے کی عمر بڑھ رہی ہے درحقیقت وہ اپنی قبر کی طرف جا رہا ہے۔

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا　　کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے؟

عاقبت اندیشی

جب انسان جا رہا ہو ایک طرف اور دیکھے دوسری طرف تو لازماً خطرہ میں پڑ جائے گا تباہ و برباد ہو کر رہے گا کسی چیز سے ٹکرائے گا۔ کسی کھڈے میں گرے گا جا رہے ہیں عاقبت کی طرف اور

نظر ہے دنیا کی طرف۔ عمر کی مدت سال بسال بلکہ دم بدم گزرتی جارہی ہے۔ سوچنا چاہئے کہ ایک سال کی مدت میں، کیا کیا؟ اپنی عاقبت کو بنایا یا بگاڑا؟ موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کیجئے۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے　　خوب ملک روس اور کیا سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی　　اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مئے گل گوں کا دور　　شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا ہیں تجھے　　چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف　　جس جگہ جان تمنا ہر طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے　　یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ وحشمت دنیا سے آج　　کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت وافسوس ہے

بروز قیامت سوال ہوگا

اس زندگی کے بارے میں بروز قیامت سوال ہونے والا ہے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ　(۳۵-۳۷)

''کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا (اور مزید یہ کہ) تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا۔''

یہ ڈرانے والا کون تھا؟ اور اس لمبی عمر سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

''نذیر'' کی پانچ تفسیریں

پہلی تفسیر: نذیر (ڈرانے والا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عمر وہ مراد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کا علم ہو جائے۔

دوسری تفسیر: ڈرانے والا قرآن ہے اور عمر یہ کہ قرآن کا کلام اللہ ہونے کا دعویٰ معلوم ہو جائے۔

تیسری تفسیر: عمر سے مراد ہے ۶۰ سال کی عمر اور ڈرانے والا کیا؟ بال سفید ہو جانا' آج کے مسلمانوں نے کیا کیا کہ ڈاڑھی تو ویسے ہی منڈوا دو تا کہ سفیدی نظر ہی نہ آئے اور سر کے بالوں پر خضاب لگا لو ارے سفیدی چھپانے کے لئے ڈاڑھی منڈانے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے سر پر خضاب لگاتے ہیں ڈاڑھی پر بھی رنگ کر لیں مگر سر یا ڈاڑھی بالکل سیاہ نہ کریں بالکل سیاہ کرنا حرام ہے۔ ڈرانے والا آ چکا' بالوں میں سفیدی آ گئی۔

بالوں کی سفیدی باعث رحمت ہے نہ کہ زحمت

بالوں کی سفیدی باعث رحمت ہے سفیدی سے ڈرنے والو سن لو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ ''اللہ تعالیٰ سفید بالوں والے مسلمان سے حیاء کرتے ہیں۔''

رحمت حق بہانہ می جوید　　رحمت حق بہا نمی جوید

ان کی رحمت کو بہانہ چاہئے کم سے کم اللہ والوں کی نقل ہی بنالیں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس نقل کو اصل بنادیں۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

نہ جانے کس چیز پر رحمت متوجہ ہو جائے

کالی سے مطلب نہ گوری سے مطلب　　پیا جس کو چاہئے سہاگن وہی ہے

جس کی عمر ۶۰ سال ہوگئی اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ کیا تیرے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ یعنی ترے بال سفید نہیں ہوگئے تھے؟ یہ جھنڈی ہے موت کی کہ بس موت آیا ہی چاہتی ہے۔

چوتھی تفسیر: ''نذیر'' سے اولاد کی اولاد مراد ہے۔

اولاد کی اولاد موت کی جھنڈی ہے

سفید بال آئیں یا نہ آئیں اولاد کی اولاد ہو جائے تو یہ اشارہ ہے کہ اب پلیٹ فارم خالی کریں اس پلیٹ فارم پر کب تک بیٹھے رہیں گے؟ اب مسافروں کی دوسری کھیپ آ گئی ہے۔ للہ! اب جاؤ اولاد کی اولاد ' پوتے ' نواسے ' یہ ''نذیر'' ہیں۔ موت کا پیغام ہیں۔ خوش ہو جانا چاہئے کہ وطن پہنچنے کا سامان بن رہا ہے اور اس مسافر خانہ سے جانے کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا کہنا ہے' یا اللہ! سب کو شوق وطن عطا فرما کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

اذ　الرجال　ولدت　اولادھا
وجعلت　اسقامھا　تعتادھا
تلک　زروع　قد　دنا　حصادھا

''جب اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے اور امراض ایک دوسرے کے پیچھے بار بار آنے لگیں

تو سمجھ لو کہ کھیتی پک چکی ہے' درانتی پڑنے کی دیر ہے۔''

یہ تو بوڑھوں کی کیفیت ہے ذرا نوجوان سوچیں کہ ان سے کم عمر والے کتنے پہنچ گئے قبروں میں اور ایسے بچوں کی کمی نہیں جو مرتے پہلے ہیں اور پیدا بعد میں ہوتے ہیں' ماں کے پیٹ ہی میں مر گئے اور پیدا بعد میں ہوتے ہیں۔ آپ کو ہزاروں ایسے ملیں گے کہ دادا پوتے یا پڑپوتے کو قبر میں اتار رہا ہے اس لئے نوجوانوں کو بڑھاپے کی موت پر نظر نہیں رکھنی چاہئے وہ یہ سوچیں کہ ان کے ہم عمر اور کم عمر والے کتنے قبروں میں جا رہے ہیں۔

پانچویں تفسیر: عمر سے مراد ہے بالغ ہونے کی عمر' اور ڈرانے والے سے عقل مراد ہے۔

حقیقی بالغ کون ہے؟

درحقیقت بالغ تو وہ ہوتا ہے جس کو اپنے مالک کو پہچاننے کی عقل آ جائے۔ بلوغ تو عقل سے ہوتا ہے نہ کہ عمر سے۔ جس کی عقل نے مسافر خانہ اور وطن کا فرق معلوم کر لیا وہ بالغ ہے۔ جس کی عقل نے حال اور مستقبل کی نوعیت کو جان لیا کہ جس زمانہ میں گزر رہے ہیں وہ حال ہے۔ مستقبل آگے ہے آگے کی زندگی یعنی آخرت کا ذخیرہ کیا ہے؟ اسے جس کی عقل نے پہچان لیا وہ ہے بالغ' لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔ ۱۱' ۱۲ سال میں اور لڑکا ۱۳' ۱۴ سال میں' اب دنیا کا بلوغ تو تیتر بٹیروں کی طرح جلدی جلدی ہو رہا ہے۔ اصل بلوغ ہے آخرت کا بلوغ' یا اللہ! تو سب کو آخرت کے بالغ بنا دے۔ آخرت کے بالغ کون ہوتے ہیں؟ پوچھئے اللہ تعالیٰ سے وہ فرماتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (۲۴-۳۷)

''رجال (بالغ مرد) وہ ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تجارت اور منافع ان کو مالک سے غافل نہیں کرتے۔''

یہ ہیں آخرت کے بالغ۔ اس تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: ''کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی جو نصیحت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو جاتی''۔ کونسی عمر مراد ہے؟ بالغ ہو جانے کی عمر وہ جو بھی ہو بہرحال جب بالغ ہو گیا تو اتنی عمر دیدی کہ اس میں نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور فرمایا: ''تمہارے پاس ڈرانے والا بھی بھیجا'' ڈرانے والا کون؟ عقل' ہم نے عقل بھی عطا کی تھی جس کے ذریعہ پہچان سکتے تھے کہ کوئی مالک حقیقی ہے محسن ہے یہ دنیا گزرگاہ ہے

مسافر خانہ ہے منزل آگے ہے آگے جانا ہے وطن پہنچنا ہے اتنی عقل دیدی تھی مگر پھر بھی تمہیں سمجھ نہ آئی کچھ حاصل نہ کیا' کیوں؟ یہ سوال ہوگا آخرت میں۔

اللہ تعالیٰ سب کے قلوب میں اس کی فکر پیدا فرمائیں اور سب کو یہ وقت آنے سے پہلے سب گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور پوری زندگی اپنی مرضی کے مطابق بنالیں۔

خلاصہ کلام

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر فکر آخرت پیدا کریں روز حساب آنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وطن کی تیاری کی توفیق طلب کریں اور ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

ایک بہت بڑی غلطی کا ازالہ

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اعمال صالحہ کے معنی کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں عام لوگوں میں بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے اس لئے مجھے ہر بار تنبیہ کرنی پڑتی ہے اعمال صالحہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ نفل عبادت زیادہ کریں بلکہ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں ظاہر بات ہے کہ آپ اس مالک کی تمام نافرمانیوں سے توبہ کرکے ہی اسے راضی کر سکتے ہیں۔ وہ مالک تسبیحات اور نفل عبادات سے راضی نہیں ہوتا' نفل نماز' نفل روزہ' نفل صدقات و خیرات یا اور اد و وظائف سے راضی نہیں ہوتا وہ مالک راضی ہوتا ہے تو صرف نافرمانیوں کو چھوڑنے کے بعد۔ حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے اور فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ گناہوں کو بھی یکسر چھوڑ دیں اگر کوئی نوافل اور تسبیحات پر مداومت کرتا ہے لیکن فرائض ادا کرنے میں غفلت برتتا ہے یا ہر سال حج کرتا ہے مساکین اور یتامی کی اعانت و خبر گیری مساجد و مدارس کی تعمیر اور ترقی پر بے انتہا دولت خرچ کرتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ رشوت بھی لیتا ہے کم تولتا یا ملاوٹ کرتا ہے یا کسی اور طریقہ سے بندوں کے حقوق غصب کرتا ہے اور یقین کئے بیٹھا ہے اس نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی شرط پوری کر دی تو وہ دھوکہ اور فریب نفس میں مبتلا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ
اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ۝ (۱۸-۱۰۴)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ بوجہ جہل کے اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔''

صوفیہ نے تجلی بالفضائل سے پہلے تخلی عن الرذائل پر بہت زور دیا ہے۔ گناہوں کو ترک کرنا اور فرائض کو اداء کرنا اعمال صالحہ کی بنیاد ہے' جو اس پر کاربند ہوگیا اسے اللہ تعالیٰ کا ایسا تعلق نصیب ہوگا کہ نوافل اور اذکار کی توفیق اسے از خود ہو جائے گی ذکر محبوب کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا محبت الٰہیہ اس کے دل میں جاگزین ہو جائے گی گناہوں سے تائب ہونے کے بعد بقول حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حالت ہو جائے گی۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

نفس اور شیطان نے یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ نفل عبادت کرتے چلے جاؤ گناہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں مشائخ اور واعظین بھی یہی بتاتے ہیں کہ فلاں تسبیح اور اتنے نوافل پڑھ لیجئے بس اعمال صالحہ پیدا ہو گئے حرام اور سیئات سے بچنے کی حاجت نہیں' سب کچھ کئے جاؤ۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اسی جہالت کی بنیاد پر بزعم خود نیک اور صالح لوگ غلط قسم کی رسوم اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں بدعات تک کے ارتکاب سے نہیں چوکتے' افسوس یہ ہے کہ بتانے والے ہی نہ رہے' للہ! اپنی جانوں پر رحم کھایئے' اس دن سے ڈریئے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

یقول یلیتنی قدمت لحیاتی (۸۹-۲۴)

''انسان کہے گا کاش میں اس (اخروی) زندگی کے لئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج دیتا۔''

اس چند روزہ زندگی کے ہر لحہ کو غنیمت سمجھ کر وطن آخرت کی فکر کیجئے۔

رنگا لے ری چنریا گندھا لے ری سی نہ جانے بلا لے ری پیا کس گھڑی
تو کیا کیا کرے گھڑی کی گھڑی تو رہ جائے گی ری کھڑی کی کھڑی

یا اللہ! ہمارے قلوب کی کیفیت بدل دے' ہمیں عزم و ہمت عطا فرما ہماری سیئات سے درگزر فرما۔ اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت عطاء فرما۔ ولاحول ولاقوۃ الا بک

وصل اللھم و بارک و سلم علی عبدک ورسولک محمد

وعلی الہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین

محرم الحرام کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	واقعات وحادثات	محرم الحرام	مطابق
۱	ابرہہ بادشاہ یمن کی ہلاکت	پچپیس دن قبل از ولادت باسعادت	مارچ ۵۷۱ء
۲	شعب ابی طالب میں آنحضرت ﷺ کی محصوری	یکم محرم ۶ھ	۳۰ ستمبر ۶۱۵ء
۳	نکاح حضرت فاطمۃ الزہرہ ہمراہ حضرت علیؓ	۲ھ جولائی	۶۲۳ء اور اقوال بھی ہیں
۴	غزوہ غطفان	۳ھ	جون ۶۲۴ء
۵	نکاح حضرت ام کلثومؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۳ھ	جولائی ۶۲۴ء قول دوم ربیع الاول ہے
۶	سریہ ابی سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ	۴ھ	۱۳ جون ۶۲۵ء
۷	سریہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ	۴ھ	۱۷ جون ۶۲۵ء
۸	سریہ حضرت محمد مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ	۱۰- ۶ھ	یکم جون ۶۲۷ء
۹	سلاطین کو دعوت اسلام	۱- ۷ھ	۱۱ مئی ۶۲۷ء
۱۰	غزوہ خیبر	۷ھ	مئی ۶۲۷ء
۱۱	مراجعت مہاجرین حبشہ از حبشہ	۷ھ	مئی ۶۲۷ء
۱۲	وفد اشعریین کا قبول اسلام	۷ھ	جون ۶۲۷ء
۱۳	نکاح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہمراہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۷ھ	جون ۶۲۸ء
۱۴	غزوہ وادی القریٰ وتیماء	۷ھ	جون ۶۲۸ء
۱۵	واقعہ لیلۃ التعریس وقضاء نماز فجر	۷ھ	جولائی ۶۲۸ء

۱۶	عام الوفود	۹ھ	اپریل ۶۳۰ء
۱۷	عاملین زکوٰۃ کا باقاعدہ تقرر	۹ھ	اپریل ۶۳۰ء
۱۸	سریہ ابن عیینہ رضی اللہ عنہ	۹ھ	اپریل ۶۳۰ء
۱۹	وفد نخع کی آمد	۱۵ رجب ۱۱ھ	۱۱ اپریل ۶۳۲ء
۲۰	طاعون عمواس	۱۸ھ //	۱۲ جنوری ۶۳۹ء
۲۱	وفات حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	۱۸ھ //	۱۲ جنوری ۶۳۹ء
۲۲	امارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	۱۔محرم ۱۹ھ	جنوری ۶۴۰ء
۲۳	مصر میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا داخلہ	۱۔محرم ۲۱ھ	دسمبر ۶۴۱ء
۲۴	فتح نہاوند	۱۔محرم ۲۲ھ	نومبر ۶۴۲ء
۲۵	شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی	۱۔محرم ۲۴ھ	نومبر ۶۴۴ء
۲۶	خلافت حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ	۱۔محرم ۲۴ھ	نومبر ۶۴۴ء
۲۷	فتح سابور	۱۔محرم ۲۶ھ	اکتوبر ۶۴۶ء
۲۸	فتح قبرص	۱۔محرم ۲۸ھ	ستمبر ۶۴۸ء
۲۹	خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۱۔محرم ۳۶ھ	جون ۶۵۶ء
۳۰	واقعہ جنگ صفین مابین حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ	۱۔محرم ۳۷ھ	جون ۶۵۷ء قول (۲) ۱۰۔صفر ہے
۳۱	وفات اخوت و حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ	۱۔محرم ۴۰ھ	مئی ۶۶۰ء
۳۲	فتوحات افریقہ	۱۔محرم ۴۵ھ	مارچ ۶۶۵ء
۳۳	وفات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محرم ۵۱ھ	جنوری ۶۷۱ء
۳۴	وفات عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ	۵۳ھ	دسمبر ۶۷۲ء
۳۵	وفات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۵۵ھ	دسمبر ۶۷۴ء
۳۶	وفات حضرت جویریہ ام المومنین بنت حارث	۱۰۔۵۰ھ	نومبر ۶۷۵

۳۷	وفات حضرت سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ	۶۰ھ	اکتوبر ۶۷۹ء
۳۸	حادثہ کربلا و شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ	۱۰ محرم ۶۱ھ	اکتوبر ۶۸۰ء
۳۹	وفات مسلم ابن عقبہ رضی اللہ عنہ	۶۴ھ	اگست ۶۸۳ء
۴۰	خلافت مروان ابن الحکم رضی اللہ عنہ	۶۵ھ	اگست ۶۸۴ء
۴۱	وفات حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ	۷۴ھ	مئی ۶۹۳ء قول ۱۲-۱۱ جمادی الآخر
۴۲	فتح فرغانہ	۸۸ھ	دسمبر ۷۰۶ء
۴۳	فتح میورقہ و منورقہ	۸۹ھ	دسمبر ۷۰۷ء
۴۴	وفات کریب مولیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	۹۸ھ	اگست // ۷۱۶ء
۴۵	فتح غور	۱۰۸ھ	مئی ۷۲۶ء
۴۶	زید ابن علی کا خروج اور قتل	۱۲۲ھ	دسمبر ۷۳۹ء
۴۷	مراکش و الجیریا میں جنگ	۱۲۳ھ	نومبر ۷۴۰ء
۴۸	میسرہ کی مغرب میں بغاوت	۱۲۴ھ	نومبر ۷۴۱ء
۴۹	ضحاک خارجی کا خروج اور قتل	۱۲۸ھ	اکتوبر ۷۴۵ء
۵۰	فتنہ اباضیہ	۱۳۰ھ	ستمبر ۷۴۶ء
۵۱	ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ	۱۳۱ھ	اگست ۷۴۸ء
۵۲	بنی امیہ کا قتل عام	۱۳۳ھ	اگست ۷۵۰ء
۵۳	وفات عطاء بن السائب الکوفیؒ	محرم ۱۳۶ھ	جولائی ۷۵۳ء
۵۴	خلافت منصور العباسی	// ۱۳۷ھ	جون ۷۵۴ء
۵۵	قیصر روم کی شکست	// ۱۳۸ھ	جون ۷۵۵ء
۵۶	فرقہ راوندیہ کی ابتداء	// ۱۴۱ھ	مئی ۷۵۸ء
۵۷	وفات محمد ابن اسحاق اخباری	// ۱۵۱ھ	جنوری ۷۶۸ء
۵۸	مسجد نبوی میں توسیع	// ۱۶۱ھ	اکتوبر ۷۷۷ء
۵۹	وفات خلیفہ المہدی العباسی	// ۱۶۹ھ	جولائی ۷۸۵ء

۶۰	جعفر برمکی کا قتل	// ۱۸۷ھ	دسمبر ۸۰۲ء
۶۱	آذربائیجان میں خرامیہ کا ظہور	// ۱۹۲ھ	نومبر ۸۰۷ء
۶۲	خلیفہ امین و مامون کے درمیان جنگ	// ۱۹۵ھ	اکتوبر ۸۱۰ء
۶۳	وفات ابونواس شاعر	// ۱۹۶ھ	ستمبر ۸۱۱ء
۶۴	خلیفہ امین الرشید کا قتل وخلافت المامون	// ۱۹۸ھ	ستمبر ۸۱۳ء
۶۵	دولت اغلبیہ کی ابتداء	// ۲۰۱ھ	جولائی ۸۱۶ء
۶۶	وفات یحییٰ ابن مبارک نحوی	// ۲۰۲ھ	۸۱۷ء
۶۷	تفضیل علی کا سرکاری حکم	// ۲۱۱ھ	اپریل ۸۲۶ء
۶۸	شہر طوانہ کی تعمیر	// ۲۱۸ھ	جنوری ۸۳۳ء
۶۹	شہادت احمد الخزاعیؒ	// ۲۳۱ھ	ستمبر ۸۴۵ء
۷۰	متوکل نے کربلا کے تمام نشانات مٹا دیئے	// ۲۳۶ھ	جولائی ۸۵۰ء
۷۱	دولت صفاریہ کی ابتدا	// ۲۵۴ھ	مئی ۸۵۰ء
۷۲	مصر پر عباسیوں کا قبضہ	// ۳۰۹ھ	مئی ۹۲۱ء
۷۳	وفات امام ابوجعفر الطحاویؒ	محرم ۳۲۱ھ	جنوری ۹۳۳ء قول ۲-۲ ذیقعدہ ہے
۷۴	نوحہ ماتم اور مراسم محرم کی ابتداء	محرم ۳۵۲ھ	جنوری ۹۶۳ء
۷۵	سرکاری طور پر جبراً ماتم کروایا گیا	محرم ۳۵۶ھ	دسمبر ۹۶۶ء
۷۶	دمشق میں فاطمیوں کا قبضہ	محرم ۳۶۰ھ	نومبر ۹۷۰ء
۷۷	نوبت بجنے کی ابتداء	محرم ۳۶۸ھ	اگست ۹۷۸ء
۷۸	دنیا کی سب سے بڑی رصدگاہ بغداد میں تعمیر ہوئی	محرم ۳۷۸ھ	اپریل ۹۸۸ء
۷۹	ایک مصری باطنی نے حجر اسود کو ہتھوڑے سے توڑ دیا	محرم ۴۱۳ھ	۱۰۲۲ء
۸۰	بغداد میں اذان کے ساتھ نوبت بجنے کی بدعت	محرم ۴۳۶ھ	جولائی ۱۰۴۴ء
۸۱	وفات یوسف بن تاشقین بانی مراکش	محرم ۵۰۰ھ	ستمبر ۱۱۰۶ء
۸۲	فصیل قاہرہ کی بنیاد	محرم ۵۷۲ھ	جولائی ۱۱۷۶ء

۸۳	ہلاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا	محرم ۶۵۶ھ	جنوری ۱۲۵۸ء
۸۴	وفات مولانا جلال الدین المحلیؒ	محرم ۸۶۴ھ	اکتوبر ۱۴۵۹ء
۸۵	وفات حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج	۵ محرم ۶۶۴ھ	// ۱۲۶۵ء
۸۶	وفات مولانا جامی شارح کافیہ	// ۸۹۸ھ	اکتوبر ۱۴۹۲ء
۸۷	حکومت شیر شاہ سوری	// ۹۴۷ھ	مئی ۱۵۴۰ء
۸۸	وفات علامہ فیضی	// ۱۰۰۴ھ	ستمبر ۱۵۹۵ء
۸۹	وفات مرزا عبد القادر بیدل	// ۱۱۳۳ھ	نومبر ۱۷۲۱ء
۹۰	وفات میر تقی خیال	// ۱۱۷۰ھ	ستمبر ۱۷۵۶ء
۹۱	وفات مرزا مظہر جان جاناںؒ	// ۱۱۹۵ھ	دسمبر ۱۷۸۰ء
۹۲	وفات میر تقی میر	// ۱۲۲۵ھ	فروری ۱۸۱۰ء
۹۳	دار العلوم دیوبند کا قیام	۱۵-محرم ۱۲۸۳ھ	مئی ۱۸۶۶ء
۹۴	وفات حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ	// ۱۳۵۱ھ	مئی ۱۹۲۲ء

(ماخوذ دینی دستر خوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام ودیگر تاریخی کتب ورسائل)

صفر المظفر

پہلا خطبہ

ماہ صفر..... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

دوسرا خطبہ

پاکی کی فضیلت..................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

نماز.................................. حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

تعلیم قرآن.......................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

توحید وتوکل......................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چھٹا خطبہ

محبت شوق، انس ورضا............... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

ساتواں خطبہ

علم دین کی فضیلت وتاکید.......... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آٹھواں خطبہ

عقائد کی درستگی..................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع صفر المظفر کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

ماہ صفر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ: ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ بے شک مہینوں کا ہٹانا کفر میں (ترقی کا باعث) ہے (یعنی منجملہ اور کفریات کے یہ حرکت بھی کفر ہے جو کفار قریش ماہ محرم وغیرہ کے متعلق کیا کرتے تھے۔ مثلاً اپنی غرض سے محرم کو صفر قرار دے کر اس میں لڑائی کو حلال کہہ دیتے تھے۔ وغیر ذالک)

حدیث ۱ — اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ (مرض کا) تعدیہ ہے (بلکہ جس طرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کردیتے ہیں۔ میل جول وغیرہ سے مرض کسی کو نہیں لگتا، یہ سب وہم ہے) اور نہ (جانور کے اڑنے سے بدشگونی لینا کوئی چیز ہے (جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی جانب سے تیتر وغیرہ اڑے تو منحوس جانتے ہیں۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں) اور نہ اُلّو کی نحوست کوئی چیز ہے (جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ یہ بالکل من گھڑت بات ہے اور حدیث صریح کے خلاف ہے اور ایک رسم اس ماہ میں آخری چہار شنبہ کی مروج ہے یہ بھی بالکل بے اصل ہے۔ ۱۲

حدیث ۲۔ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدفالی شرک ہے اسکو تین مرتبہ فرمایا۔

حدیث ۳۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کو خیال نہ آتا ہو لیکن اس کو توکل کے ذریعے بھگا دیتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ف: جو بات مشہور ہو اس کا خیال وقت پر آ ہی جاتا ہے لیکن اس خیال پر عمل کرنا یا اس کو دل میں جمانا جائز نہیں ہے بلکہ توکل کے خیال کو غالب کرلے تو وہ خیال باطل فوراً رفع دفع ہو جاوے گا۔ ۱۲

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت اور مکان اور گھوڑے میں نحوست ہونا جو (بخاری و مسلم) میں مروی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

آیت مبارکہ: اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ (جو رسول اصحاب قریہ کی طرف بھیجے گئے تھے) انہوں نے (کفار سے) فرمایا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔ کیا نحوست اس کو سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاتی ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔

محترم بزرگو اور دوستو! ماہ صفر المظفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس مہینہ کو منحوس قرار دیتے تھے۔ کسی دن، کسی ماہ، کسی وقت، کسی سواری، کسی جانور، کسی عورت اور کسی گھر کو منحوس سمجھنا یہ عقیدہ کی خرابی ہے۔ ان پڑھ، جاہل اور فاسد العقیدہ لوگوں میں یہ عقیدہ اب تک موجود ہے۔ اس لئے آج کے خطبہ میں تفصیل سے اسے بیان کروں گا۔

غلط اور خلاف واقعہ عقائد

اول عقائد کو لیجئے کہ ان میں سے بعض عقائد غلط اور خلاف واقع ہیں۔ مثلاً عورتیں بہت سی اچھی چیزوں کو بری یا بری چیزوں کو اچھی سمجھتی ہیں جیسے دنوں کو منحوس کہنا اکثر عورتیں بدھ کے دن کو منحوس سمجھتی ہیں اور غضب ہے کہ بعض مرد بھی اس میں ان کے ہم عقیدہ ہیں یا مثلاً عورتوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی دن کوا گھر میں بولے تو اس دن مہمان ضرور آتے ہیں اسی طرح اگر آٹے میں پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنے والا ہے، اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اس کو گھر میں نہ پالو بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہیے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اجڑے تو اللہ ہی کا گھر اجڑے۔ نعوذ باللہ۔

بعض جانوروں کو منحوس سمجھنا غلط ہے

غرض جتنی چیزیں اپنے سے نکمی ہوں سب خدا کے لئے بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں کہتی ہیں کہ یہ درخت مردے کے کام میں آتا ہے اس لئے اس کو گھر میں نہ ہونا چاہیے کہ شگون بد ہے اور مردے کی چارپائی کو اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اس کے کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا قیمتی دوشالہ ہو یا اس کی جائیداد ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مردے کے ساتھ تلبس سے اس کے لباس میں نحوست آئی ہے تو اس تلبس سے اس کے قیمتی کپڑوں میں نحوست آنی چاہیے اور اگر مردے کی طرف نسبت سے ان چیزوں میں نحوست آئی ہے تو اسی نسبت سے اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہیے یہ عقیدہ بالکل مہمل اور وہم ہے مسلمانوں میں اس کا رواج ہندوؤں سے آیا اور بعض چیزوں کو مرد بھی منحوس سمجھتے ہیں جیسے اُلو کی

نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مقام پر بولتا ہے وہ مقام ویران ہو جاتا ہے اس لئے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ اُلو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ ویران ہوتی ہے یاد رکھو وہ جو بولتا ہے تو خدا کا ذکر کرتا ہے تو کیا خدا کے ذکر سے یہ نحوست آئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ذاکر تو ہے لیکن اس کا ذکر جلالی ہے اس لئے اس کا یہ اثر پڑتا ہے، حالانکہ خود یہ تقسیم اور یہ کہ جلالی میں یہ خاصیت ہوتی ہے یہی ۔ بے اصل ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اُلو ایسے مقام کو تلاش کرتا ہے جہاں یکسوئی ہو اور اس کو اندیشہ نہ رہے اس لئے وہ ویرانوں میں بیٹھتا ہے۔

نحوست کا اصل سبب معاصی ہیں

اب یہ دیکھئے کہ وہ ویرانی جو پہلے سے ہے کہاں سے آئی سو وہ ہم لوگوں کے گناہ اور بداعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے بعد اُلو اس مقام پر آتا اور بولتا ہے بس ویران کن ہم اور ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ اُلو اور جب یہ ہے تو منحوس گنہگار ہوئے اُلو کیوں منحوس ہوا بعض پڑھے ہوئے لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے دن کے منحوس ہونے پر وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ. الخ۔ (اور ہم نے ان پر ایک تند و تیز ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جو ان کے حق میں منحوس ہے) کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں میں عاد پر عذاب نازل ہوا ہے وہ دن منحوس ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ دن کون کون ہیں اس کا پتہ دوسری آیت کے ملانے سے چلے گا فرماتے ہیں کہ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا۔ (اور قوم عاد کو ہلاک کر دیا گیا، تیز و تند ہوا کے ذریعہ جو ان پر سات رات اور آٹھ روز مقرر کر دی گئی تھی) کہ آٹھ دن تک ان پر وہ عذاب رہا تو صاحبو! اس اعتبار سے تو چاہیے کہ کوئی دن مبارک ہی نہ ہو بلکہ ہر دن منحوس ہو کیونکہ ہفتہ کے ہر دن میں ان کا عذاب پایا جاتا ہے جن کو ایام نحسات کہا گیا ہے تو کیا اس کا کوئی قائل ہو سکتا ہے۔ اب آیت کے صحیح معنے سنئے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان پر جن ایام میں عذاب ہوا وہ ایام بوجہ نزولِ عذاب خاص ان کے لئے منحوس تھے نہ کہ سب کے لئے اور وہ عذاب تھا بوجہ معصیت کے پس مدار نحوست کا معصیت ہی ٹھہری۔ اب بحمد اللہ کوئی شبہ نہیں رہتا۔

نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ کا مفہوم

بعض لوگوں نے قرآن مجید کی دوسری آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ نحوست ہمیشہ کے لئے قرآن شریف میں ہے فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (منحوس دن میں آندھی چلائی) مگر میں کہتا ہوں کہ مستمر کے دو معنی ہیں ایک دائم دوسرے منقطع۔ دوسری تفسیر پر یہ معنے ہوں گے کہ وہ نحوست منقطع ہوگئی اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ اِذَا جَآءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ (جب کسی چیز میں شک پیدا ہو جائے تو اس کی دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں) اور اگر کسی کی خاطر سے ہم مان بھی لیں کہ مستمر کے معنی دائم ہی کے ہیں تو ہم وہی پہلا جواب دیں گے کہ نحس سے مراد نحس علیہم ہے اور ان کے حق میں بوجہ عذاب کے دائم ہونے کے وہ یوم ہمیشہ کے لئے منحوس ہے غرض یہ اعتقاد کہ چیزوں میں نحوست ہے غلط ہے ایک ہندو کا ایک قصہ یاد آ گیا جو مجھ سے ایک معتبر راوی نے کہا کہ شہر بھر کے وہ گھوڑے جن کو منحوس سمجھ کر مالک بیچ دیتے تھے۔ ارزاں خرید لیتا تھا اور ان کو خوب نفع سے بیچتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھ کو ان کی نحوست نہیں لگتی بعضے لوگ اگر کسی عورت کی جیب کالی ہو تو اس کو منحوس سمجھتے ہیں اس کا نام رکھا ہے کال جیبی یہ بھی لغو ہے۔

اپنی نحوست نظر نہ آنے کی عجیب مثال

صاحبو! یہ جو کچھ نحوست ہے بدولت معاصی کے ہمارے اندر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم کو اپنے اندر نہیں نظر آتی دوسروں میں نظر آتی ہے۔ ہماری وہ حالت ہے جیسے ایک حبشی چلا جاتا تھا۔ رستے میں اسے ایک آئینے کا ٹکڑا پڑا ملا۔ اس نے جو اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنا چہرہ نظر آیا۔ اس نے پہلے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا اب جو دیکھا تو انتہائی بھدا اور سیاہ چہرہ اس میں نظر آیا تو انتہائی غصے کی حالت میں اسے زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا اتنا بدنما تھا تبھی تو کسی نے پھینک دیا۔ یعنی اس نے بجائے اپنے چہرے کے اس آئینے کو بدنما سمجھا۔

صفر المظفر سے متعلق اغلاط العوام

۱۔ بعض صفر کو تیرہ تیزی کہتے ہیں اور اس کو نامبارک جانتے ہیں۔

۲۔ اور بعض جگہ تیرھویں تاریخ کو کچھ گھونگنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں کہ اس کی نحوست سے حفاظت رہے۔ یہ اعتقاد شرع کے خلاف اور گناہ ہیں۔

۳۔ بعض مقامات پر صفر کے آخری چہار شنبہ کو تہوار مناتے ہیں اور ایک عیدی بھی دیتے ہیں جس کا یہ مضمون ہے۔ آخری چار شنبہ آیا ہے غسل صحت نبی نے پایا ہے

اور مکتبوں میں چھٹی بھی ہوتی ہے۔ سو یہ سب ایجاد فی الدین ہے۔

لطیفہ: ایک نواب زادہ نے اپنے معلم سے جو کہ محقق تھے اس تاریخ میں عیدی مانگی۔ انہوں نے عیدی کے پیرایہ میں اس رسم کی خوب نفی کی۔

آخر چارشنبہ ماہ صفر ہست چوں چارشنبہ ہائے دگر

نہ حدیثی شدہ دراں وارد نہ در وعید کرد پیغمبر

اضافہ بر مضمون سابق

بعض کتب تصوف میں ایک حدیث لکھ دی ہے کہ من بشر نی بخروج صفر بشرتہ بالجنة یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ماہ صفر کے گزرنے کی بشارت دے گا میں اس کو جنت کی بشارت دوں گا۔ آہ! اس سے بعض نے اس ماہ کی نحوست پر استدلال کیا ہے مگر یہ دلیل ثبوتاً و دلالتاً دونوں طرح مخدوش ہے یعنی نہ تو یہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ یہ اس مضمون پر دال ہے۔ اس کا مدلول بر تقدیر قطع نظر از عدم ثبوت یہ ہے کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الاول میں ہونے والی تھی اور آپ لقاء اللہ مسبوق بالموت کے مشتاق تھے اور اس وجہ سے ربیع الاول کی ابتداء اور صفر کے انقضاء کی خبر کا آپ کو انتظار تھا پس اس خبر کے لانے پر آپ نے بشارت کو مرتب فرمایا چنانچہ کتب تصوف میں اسی مقصود کے اثبات و تائید کے لئے اس کو وارد کیا ہے۔ بہرحال نہ یہ دلیل ثابت ہے اور نہ اس کی دلالت ثابت پس دعویٰ نحوست منعدم و منہدم ہو گیا۔

دوسرا خطبہ

پاکی کی فضیلت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاکی نصف ایمان ہے۔'' (مسلم)

حدیث دوم: ''اور نیز ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ قیامت کے روز اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وضو کے نشانات کی وجہ سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ پس جو شخص تم میں سے اپنی چمک کو بڑھالے وہ بڑھالے۔'' (متفق علیہ)

ف: یعنی جہاں تک منہ اور ہاتھ پاؤں دھونا فرض ہے اس سے زیادہ دھولیا کرے اور یہ اخیر کا جملہ ''پس جو شخص'' سے اکثر محققین کے نزدیک ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے۔ واللہ اعلم

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔'' (مسلم)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی پاکی ہے۔''

ف: یعنی جنابت اور حدث سے غسل اور وضو کر کے پاک ہونا۔

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے ایک بال کی جگہ (غسل) جنابت سے بغیر دھوئے چھوڑ دی اس کے ساتھ (جہنم) کی آگ میں اس طرح (عذاب) کیا جاوے گا۔'' (ابوداؤد، احمد، دارمی)

حدیث ششم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ کا دو قبروں پر گزر ہوا کہ بیشک ان کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا بلکہ ایک تو ان میں سے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔'' (متفق علیہ) اور ایک روایت ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔'' (مسلم)

حدیث ہفتم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم رفع حاجت کی جگہ

پر پہنچو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ اس کی پشت کرو۔" (متفق علیہ)

آیت مبارکہ: "ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے (اے رسولؐ) آپ اس (مسجد ضرار) میں ہرگز نہ کھڑے ہوجئے البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں (اس سے مراد مسجد قبا ہے) اس مسجد میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

ف: اضافہ: (الف): حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا والوں سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پاکی کیا کرتے ہو جس پر تمہاری تعریف (قرآن شریف میں) کی گئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں' فرمایا یہی بات (قابل تعریف) ہے۔

(ب): اگر نجاست مقدار درہم اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی ہو تب تو استنجا کرنا فرض ہے اور اگر کم پھیلی ہو تو سنت اور اگر بالکل بھی نہ پھیلی ہو تو مستحب ہے اور زیادہ پاکی کی یہی بات ہے کہ باوجود نجاست نہ پھیلنے کے پانی سے استنجا کیا جاوے۔

معزز سامعین! آج کا موضوع طہارت و پاکیزگی ہے۔ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا گیا' نماز کے لیے بدن کا پاک ہونا' لباس کا پاک ہونا' باوضو ہونا' نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا' نماز کی شرط قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ استنجا کے لیے غایت احتیاط کی تائید کی گئی کہ پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا عذاب قبر کا سبب ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ان کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر کثرت سے عبادت الٰہی کرتے تھے کہ عرش الٰہی ہل گیا کہ اب اس قدر کثرت سے نیک اعمال اوپر نہ چڑھیں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب جنازہ اٹھایا گیا تو آپ ایڑیوں کے بل چل رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے استفسار پر فرمایا کہ سعدؓ کے جنازہ میں شرکت کے لیے اس قدر کثرت سے فرشتے نازل ہوئے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آرہے کہ تل دھرنے کی جگہ خالی نہیں اس لیے میں ایڑیوں کے بل چل رہا ہوں۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود نماز جنازہ پڑھائی اور قبر تک خود تشریف لے گئے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد خاک کردیا گیا تو یکا یک آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تابانہ دعا فرمانا شروع کی کہ یا اللہ سعدؓ پر رحم فرما' سعدؓ پر کرم کرنا' ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ فرما' کافی دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعدؓ کو قبر نے پکڑ لیا تھا ایک معمولی بات پر کہ وہ پیشاب کے قطروں سے احتیاط نہ کرتے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ پیشاب کے قطروں سے بچو! اکثر عذاب قبر اسی بناء پر ہوتا ہے۔

اسی طرح وضو کے بارے میں تاکید کی گئی کہ وضو کے فرائض (۱) پورے چہرہ کا دھونا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ (اگر چوتھائی سر سے کم مسح کیا گیا تو وضو درست نہ ہوگا اس لیے پورے سر کا مسح کرنا چاہیے جو سنت ہے) (۴) دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا' اگر ان میں بال برابر جگہ خشک رہ گئی' کہنیاں' ٹخنے یا ناخنوں پر آٹا' ناخن پالش یا اور ایسی چیز جس پر پانی نہ گزرا تو وضو درست نہ ہوگا اور جب وضو صحیح نہ ہوا تو نماز بھی ادا نہ ہوگی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔''

اسی طرح غسل جنابت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ ایک بال کی جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دی گئی تو اس کے ساتھ اس مقام اس طرح رہا (ہاتھ رکھ رکھ کر اشارہ سے فرمایا) کہ اس طرح جہنم کی آگ سے عذاب دیا جائے گا۔

اس لیے نماز کے لیے حدث اکبر (جنابت' احتلام' غسل فرض ہونا وغیرہ) اور حدث اصغر (بول و براز وغیرہ کے بعد وضو ہونا) ضروری قرار دیا گیا۔ اسی طرح وضو اور غسل کے لیے پانی کا پاک و صاف ہونا ضروری ہے ورنہ وضو یا غسل درست نہ ہوگا پھر کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ پانی جب تک چلتا ہے اس وقت تک ذکر اللہ کرتا رہتا ہے اور جب پانی سڑ جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہوتی ہے تو اس وقت وہ ذکر اللہ بند کر دیتا ہے اس بناء پر اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لباس اگر صاف وستھرا اور پاکیزہ ہو تو لباس بھی ذکر اللہ میں مصروف ہوتا ہے اور جب یہ میلا کچیلا ہو جاتا ہے تو وہ ذکر اللہ بند کر دیتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ لباس ذکر اللہ میں مصروف ہے' نماز کی جگہ پاک صاف ہے بدن پاک ہے اس صورت میں جب نماز پڑھے گا تو دل میں نشاط پیدا ہوگا۔ ظاہر کا اثر باطن پر پڑے گا۔

ظاہر کی صفائی سے باطن کی صفائی نصیب ہوگی اس لیے ابتدائے اسلام میں پانی کی قلت تھی' بدن ولباس سے بدبو آتی تھی تو جمعہ کے غسل کو فرض قرار دیا گیا ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے غسل کر کے آنا ضروری تھا۔ جب پانی عام ہو گیا' پسینوں میں ڈوبنے کی مشقت باقی نہ رہی تو پھر غسل کو سنت قرار دیا گیا کہ نماز جمعہ کی ادائیگی سے قبل غسل کرنا سنت ہے اور یہ غسل جمعہ کے روز صبح صادق کے بعد نماز جمعہ سے قبل کر لیا جائے تو غسل سنت کا ثواب مل جائے گا۔

غرض بدن اور کپڑے کی نفاست و پاکیزگی اسلام کی بناء ہے۔ حدیث میں ہے "بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ" دین اسلام کی بنیاد نظافت پر ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ"

(یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرے رہنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔)

بدن اور لباس کی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنے مکان کی صفائی رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکانوں سے باہر صفائی رکھنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اپنے مکان کے سامنے غلاظت کے ڈھیر پڑے ہوں گے تو وہاں سے راستہ گزرنے والوں اور پڑوسیوں کو سخت تکلیف ہوگی۔ نیز غلاظت اور گندگی ڈھیر جمع ہونے کے باعث اکثر امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مچھر ان پر پرورش پاتا ہے جو ملیریا بخار کا سبب ہے۔ اسی لیے اسلام میں اپنے مکان کے ساتھ مکان کے سامنے کی جگہ' سڑک' گلی وغیرہ۔

بہتر جمعہ کا دن ہے کہ قبل نماز جمعہ فراغت کر کے نماز جمعہ کو جائے' ہر ہفتہ نہ ہو تو پندرہ دن اسی انتہا درجہ چالیس دن ہے اگر چالیس دن گزر گئے اور امور مذکورہ سے صفائی حاصل نہ کی تو گنہگار ہوگا۔

پھر دانتوں اور منہ میں صفائی رکھنے کے لیے مسواک کو مسنون قرار دیا گیا۔ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسواک کیا کرو' مسواک کیا کرو' یہ منہ کی صفائی و پاکیزگی اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے۔" خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے اور اٹھنے کے فوراً بعد مسواک کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل وصال سے قبل مسواک ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میرے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں اس مسواک پر جم گئیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو مسواک کرا دوں' آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے اپنے دانتوں سے مسواک کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرادی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتیں کہ میرے مسواک کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آخر میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرائی۔

مسواک کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تاکید فرمائی کہ ارشاد فرمایا اگر میری اُمت پر شاق نہ گزرتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کو لازم قرار دیتا۔ پھر مسواک سے وضو کر کے نماز پڑھی جانے والی نماز کو بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز سے افضل قرار دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ایسی نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے بغیر مسواک کے کیے جانے والی نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔

مسواک کے بے شمار فائدے بیان کیے گئے ہیں سب سے بڑا فائدہ بزرگوں نے اپنا تجربہ بیان فرمایا کہ مسواک کرنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ اپنے گھروں کو صاف رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ پاک رکھنا یہ کہ اس میں کوئی ناپاک آدمی یا ناپاک تیل وغیرہ نہ جانے پائے اور صاف رکھنا یہ کہ اس میں سے کوڑا کرکٹ باہر نکالتے رہا کرو۔ اسی طرح جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ ''جس نے مسجد میں سے ایسی چیز باہر کر دی جس سے تکلیف ہوتی تھی (جیسے کوڑا کباڑ، کانٹا، اصلی فرش سے الگ کنکر پتھر وغیرہ) اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔'' (ابن ماجہ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، ایک رات کو وہ مرگئی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ کو (اسی وقت) خبر کیوں نہ کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر باہر تشریف لے گئے پھر اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس پر تکبیر فرمائی (مراد نماز جنازہ ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی) اور اس کے لیے دعا کی پھر واپس تشریف لائے۔ (ابن ماجہ وابن خزیمہ، بحوالہ حیات المسلمین ص ۱۸۰)

دیکھئے مسجد میں جھاڑو دینے کی بدولت ایک غریب گمنام حبشن کی جس کی مسکنت وگم نامی کے سبب اس کی وفات کی بھی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دی گئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی قدر فرمائی کہ اس کی وفات کی خبر نہ دینے کی شکایت بھی

فرمائی پھر قبر پر بھی تشریف لے گئے اور نماز جنازہ بھی ادا فرمائی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو نے کس عمل کو زیادہ فضیلت کا پایا۔اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو۔(ابوالشیخ اصبہانی)

بالوں کی صفائی بھی بدن کی صفائی میں شامل ہے۔ ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ' موئے زیر ناف' موئے بغل بلبس 'ناخن وغیرہ دور کر کے نہادھو کر صاف ستھرا ہونا افضل ہے۔

غرض ظاہر کی صفائی کا خوب اہتمام کرو اسکا اثر باطن پر
پڑے گا اور باطن کی صفائی نصیب ہوگی۔اللہ تعالیٰ عمل کی
توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

تیسرا خطبہ

نماز

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (وہ پانچ یہ ہیں) اس بات کی شہادت دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا (یعنی ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھنا) اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔'' (متفق علیہ)

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس شخص نے وضو اچھی طرح کیا اور ان کو ان کے وقت پر پڑھا اور ان کے رکوع اور خشوع کو پورا کیا' اللہ تعالیٰ پر اس کے واسطے یہ عہد ہے کہ اس کو بخشے گا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے واسطے اللہ پر عہد نہیں ہے۔ اگر چاہے بخشے اور اگر چاہے عذاب کرے۔'' (احمد وابوداؤد)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قسم اُس (خدا) کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ لکڑیوں کے واسطے حکم دوں' پس وہ جمع کی جاویں پھر نماز کا حکم دوں' پس اُس کے لیے اذان کہی جاوے پھر کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاوے' پھر میں پیچھے رہ جاؤں' ایسے لوگوں کی طرف جو کہ نماز میں حاضر نہ ہوں' پس میں ان کے گھروں کو جلادوں۔'' ف: مگر آپ نے ایسا کیا نہیں کہ آپ کو بچوں کا خیال آ گیا۔

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اور (اے رسولؐ) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیک کام مٹادیتے ہیں' برے کاموں کو یہ بات ایک نصیحت ہے' ماننے والوں کے لیے۔''

اضافہ: ''نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کی حفاظت کرے اس کے واسطے قیامت کے دن نور اور دلیل اور نجات بن جائے گی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی اس کے واسطے نہ نور ہوگا نہ

دلیل نہ نجات اور وہ شخص قیامت کے روز فرعون اور ہامان کے ساتھ محشور ہوگا۔" (احمد، دارمی، بیہقی)

حضرات محترم! آج کا موضوع نماز کی فضیلت اور اہمیت کے بیان میں ہے۔ اسلام میں نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن حکیم میں تقریباً سات سو مرتبہ اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا اور نماز ترک کرنے والوں کو مشرکین سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" (اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو)

جویائے راز حسن ازل سے کہے کوئی — سن صوتِ سرمدی کو کلام مبیں کو دیکھ

ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ یعنی کسی کو نہ دیکھ صرف ہمیں کو دیکھ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ "جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اور کفر کے درمیان بس ترک نماز کی کسر ہے۔" (مسلم)

جب ترک نماز کیا وہ کسر مٹ گئی اور کفر آ گیا۔ چاہے بندہ کے اندر نہ آئے پاس ہی آ جائے مگر دوری نہ رہی۔ غرض نماز ترک کرنا حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ تارکین نماز کو مشرکین سے تشبیہ دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ترک نماز کرنے والے کو کافر کہا۔ اس سے اندازہ کرو کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر کس قدر غصہ اور ناراضگی ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نمازی سے اس قدر غصہ آیا کہ فرمادیا کہ اسلام اور کفر کے مابین بس ترک نماز ہی تو ہے۔ جب نماز چھوڑ دی تو گویا کافر ہوگیا۔ یہ ایسا ہے جیسا بادشاہ شہزادہ کو چوڑھا اور چمار کہہ دے۔ اگرچہ بادشاہ کے کہنے سے وہ چوڑھا اور چمار نہیں بنا مگر بادشاہ کے نزدیک اس نے ایسا جرم عظیم کیا کہ شہزادہ کو مجبوراً چوڑھا اور چمار کہنا پڑا۔ اسی طرح تارک نماز کو سمجھ لو۔

دوسرے کافر اور تارک نماز میں فرق نابینا اور بینا کا ہے۔ بینا اگر آنکھ بند کرے تو اس کو نابینا کے مانند کچھ نظر نہیں آئے گا گویا اس وقت بینا اور نابینا دونوں برابر ہوں گے۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے — اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا

اسی طرح بے نمازی ترک نماز کی بناء پر کافر کی طرح ہے مگر حقیقتاً کافر نہیں۔ قیامت میں

اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر ایک نہ ایک روز جنت میں پہنچ جائے گا یا دنیا میں توبہ کرے اور قضا نمازیں ادا کر کے پکا نمازی اور عبادت گزار بن جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔

بے نمازی چاروں آئمہ کرام کے نزدیک سخت سزا کا مستحق ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو خوب مارا جائے اور ہمیشہ کے لیے قید کیا جائے۔ جب تک توبہ نہ کرلے رہا نہ کیا جائے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قتل کیا جائے۔ (فتاویٰ شامی) پیران پیر سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے تاکہ دوسرے مسلمانوں کو عبرت ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک حکم نامہ جاری کیا کہ "میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ ضروری نماز ہے جو شخص اس پر پابندی اختیار کرے گا وہ دین کا پابند ہوگا اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دوسرے امور کو ضائع کرنے والا سمجھا جائے گا۔" (مشکوٰۃ)

نیز ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے نماز اس کے لیے قیامت کے روز روشنی کا سبب، ایمان کی دلیل اور نجات کا باعث ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہیں کی اس کے لیے نہ تو روشنی کا سبب ہوگی نہ ایمان کی دلیل اور نہ نجات کا باعث اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔" (مشکوٰۃ)

نیز ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا۔"

ذیل میں ہم ثابت کرتے ہیں کہ نماز کا ترک کرنا گویا کس طرح تمام دین کا ترک کرنا ہے۔

نماز میں عبادت کا پہلو

شرعاً عبادت کے معنی غایت تذلیل یعنی ایسی انتہائی ذلت اختیار کرنے کے ہیں جس کے آگے ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے، نماز میں دو ہی بنیادی چیزیں ہیں: ایک اذکار جو زبان سے متعلق ہیں۔ دوسرے ہیئات جو اعضاء بدن اور جوارح سے متعلق ہیں۔ اذکار میں ثناء سے لے کر فاتحہ اور دوسری سورت تک پھر تسبیحات سے لے کر التحیات (تشہد) تک اپنی عبودیت، بندگی اور فدویت یا اللہ کی عظمت اور برتری اور لامحدود بزرگی کے اور کسی چیز کا بیان نہیں ہوسکتا۔

اور ہیئات کے لحاظ سے نیاز مندانہ سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، پھر رکوع میں جھکنا

اور آخر کار اپنی سب سے زیادہ باعزت چیز پیشانی کو اپنے معبود کے سامنے خاک پر ٹیک دینا اور اس کی عزت مطلقہ کے سامنے اپنی ذلت مطلقہ کا عملاً ہیئۃً اعتراف ہے جو عبادت کا اصل مقصود یعنی خدا کے آگے اپنی انتہائی ذلت اور رسوائی کا اقرار ہے۔

نماز میں تمام کائنات کی عبادات جامع ہیں

ارشاد ربانی ہے: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ

یعنی ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصنیفات میں تصریح کی ہے کہ ہر ایک چیز کی نماز کی ہیئت اس کی خلقت کے مناسب حال رکھی گئی ہے تاکہ اس کی نماز اس کی خلقت، وضع قطع سے طبعاً ادا ہوتی رہے۔ مثلاً درختوں کی نماز قیام ہے ان کی صورت نوعیہ ایسی بنائی گئی ہے کہ گویا وہ اپنی ساق پر کھڑے ہوئے قیام کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہوں۔ چوپایوں کی نماز رکوع ہے کہ وہ گویا ہر وقت اللہ کے سامنے رکوع میں جھکے ہو جس سے انحراف نہیں کر سکتے۔ پھر حشرات الارض یعنی رینگنے والے اور پیٹ کے بل مٹک کر چلنے والے کیڑے مکوڑے مثلاً سانپ، بچھو، چھپکلی اور کیڑوں مکوڑوں کی نماز بصورت سجدہ ہے۔ ان کی خلقی ہیئت سجدہ نماز بنائی گئی ہے کہ وہ اوندھے اور سرنگوں حالت میں رہتے ہیں گو ہر وقت اللہ کے سامنے سربسجود ہیں پھر جبال اور پہاڑوں کی نماز بحالت تشہد وقعود ہے گویا ہر وقت زمین پر دوزانوں جمے بیٹھے ہیں اور ہمہ وقت التحیات میں ہیں پھر اُڑنے والے پرندوں کی نماز انتقالات ہیں کہ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے منتقل ہوتے ہیں جیسے تمام انسان قیام سے قعود اور قعود سے قیام کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پرندوں کے انتقالات ہی عبادت میں شمار ہوتے ہیں۔

پھر سیاروں اور آسمانوں کی نماز دوران اور گردش ہے کہ ایک نقطہ سے گھوم کر پھر اسی نقطہ پر آجاتے ہیں جیسے نمازی رکعت پڑھ کر پھر عود کرتا ہے۔ پھر زمین کی نماز تکوینی جمود اور سکون ہے گویا ساکت اور صامت ہو کر اپنے مرکز پر جمی ہے جو انتہائی تذلل اور خشوع ہے۔ پھر جنت اور دوزخ کی نماز سوال ہے کہ اے اللہ! ہمارے مکان کو پُر کر دے۔ پھر ملائکہ کی نماز اصطفاف یعنی صف بندی ہے کہ وہ قطار در قطار جمع ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

پھر یہی سب ہیئتیں جو ان جمادات و حیوانات اور ملائکہ میں منقسم ہیں بنی آدم اور دنیا کی مختلف اقوام میں تقسیم کی گئی ہیں۔ مثلاً کسی قوم کی نماز محض قیام، کسی قوم کی نماز نیم قیام گھٹنوں کے بل ڈنڈوت

کھیلنا' کسی قوم کی نماز محض رکوع' کسی قوم کی نماز اوندھا لیٹ جانا (یعنی سجدہ) اور کسی قوم کی نماز قعود ہے۔

لیکن مسلم قوم کی نماز مجموعہ صلوٰۃ اقوام ہے۔ ہیئات میں درختوں کا سا قیام' چوپایوں کا سا رکوع' فرشتوں کی سی صف بندی' آسمانوں اور سیاروں کی سی گردش اور پہاڑوں کا سا قعود ہے۔

اذکار میں ہر مخلوق کی تسبیح اور ذکر ان کی خلقت اور استعداد کے مطابق جدا جدا ہے۔

جس کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے: **كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ** ''یعنی ہر چیز حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے لیکن تم نہیں سمجھ سکتے۔''

اسی طرح ہر قوم کو اس کے مناسب اذکار تلقین کیے گئے ہیں کسی کو تعوذ کا حکم تھا' کسی پر سوال ودعا کا غلبہ' چونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مکمل کر دیا گیا۔ اس لیے مسلم قوم کی نماز جامع کر دی گئی جو فطرت الٰہی نے اقوام عالم میں مختلف اقوام میں منقسم کی تھیں۔

اوقات کی جامعیت

اوقات نماز بھی جامع ہیں جو وقت فطری طور پر روح کے طبعی میلان کا یا نفس کے طبعی انحراف کا ہے ان سب اوقات کو نماز نے اپنے اندر مشغول کر لیا ہے۔

صبح کا سہانا وقت روح کے نشاط کا تھا تو نماز فجر نے اسے لیا۔

ظہر کا وقت کسل کا تھا تو ظہر کی نماز نے اس میں چستی پیدا کر دی۔

عصر کا وقت غفلت کا تھا تو عصر نے اس غفلت کو توڑ دیا۔

مغرب کا وقت انقلاب آفات کا تھا تو مغرب کی نماز نے مقلب اللیل کی طرف جھکا دیا۔

عشاء کا وقت خاتمہ کا تھا تو نماز عشاء نے خاتمہ بالخیر کر دیا۔

پھر نفلی نمازوں نے دوسرے اوقات کی خصوصیت کے تحت انہیں عبادت میں مشغول کر دیا۔ گویا اگر ایک انسان تمام اذکار واطاعت کے بجائے صرف اس مقررہ واجب ونفل اوقات میں نماز کا اہتمام کرے تو وہ کبھی غافل نہیں ہوتا۔

نماز میں روزہ' زکوٰۃ' حج واعتکاف کی حقیقت موجود ہے

روزہ کی حقیقت ہے صبح صادق سے کھانے' پینے اور عورتوں سے متمتع ہونے سے بچنا۔ یہ چیزیں نماز میں بھی ممنوع ہیں بلکہ نماز میں ان کے علاوہ سلام وکلام کسی کو چھونا' ہنسنا' بولنا' چلنا' پھرنا اور عام نقل وحرکت سب ہی ممنوع ہے اس لیے نماز میں روزہ اپنی انتہائی شکل کے ساتھ موجود ہے۔

اعتکاف صوم میں ضروریات بشریہ پوری کر لینے سو جانے، لیٹ جانے اور کھانے پینے کی اجازت ہے لیکن نماز میں یہ سب امور مفسد صلوٰۃ ہیں بلکہ مسجد میں ٹہلنے اور نقل و حرکت کی بھی اجازت نہیں اس لیے نماز کا اعتکاف زیادہ مکمل ہے اور نماز اعتکاف صوم کو بھی جامع اور حاوی ہے۔

حج کی حقیقت تعظیم بیت اللہ اور تعظیم حرم محترم ہے۔ نماز میں تعظیم بیت اللہ کا یہ مقام ہے کہ استقبال قبلہ شرط صحت صلوٰۃ ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہو سکتی۔ پھر جس طرح طواف میں بیت اللہ کے سامنے رفع یدین کر کے گردش طواف شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تعظیماً رفع یدین کر کے نماز شروع کرتے ہیں پھر جس طرح طواف اذکار و ادعیہ سے بھرپور ہے اسی طرح نماز بھی اذکار و ادعیہ سے بھرپور ہے۔ پھر جس طرح حج میں حرم محترم کی حدود میں رہ کر تا بحد عرفات یاد حق میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی طرح مسجد کے حرم محترم میں رہ کر ذکر الٰہی اور نوافل میں مصروف رہتے ہیں پھر جس طرح حرم محترم میں شیطان کے آثار کو سنگریزوں سے سنگ کیا جاتا ہے بعینہ نماز میں تعوذ کے ذریعہ شیطان کے شر کو مصنوعی ہتھیار کے ذریعے دفع کیا جاتا ہے۔ پھر جس طرح حج میں طواف وداع کر کے رخصت چاہی جاتی ہے بعینہ نماز میں سلام و دعا کر کے دربار الٰہی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ غرض حج کی پوری حقیقت اپنے اہم اجزاء کے ساتھ نماز میں بعینہ یا بمثلہ موجود ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت تزکیہ نفس ہے۔ یعنی محبت دنیا سے قلب کو پاک کرنا اور نماز میں بھی یہی تزکیہ نفس تزکیہ روح ہے کہ نفس ماسوی اللہ سے بیزار ہو کر صرف اللہ جل ذکرہ کا ہو رہے۔ زکوٰۃ کی حقیقت اس طرح نماز میں موجود ہے اور زکوٰۃ کی صورت یوں موجود ہے کہ نماز کے لیے مسجد، چٹائی اور حوض پر فی سبیل اللہ مال خرچ کرنا پڑتا ہے جس طرح زکوٰۃ میں سبیل اللہ مصارف لازم ہیں۔

نماز سے انانیت نفس کا ازالہ

نماز سے انانیت اور کبر نفس کا ازالہ ہوتا ہے جو ہزارہا بدخلقیوں اور بداعمالیوں کی اساس ہے کیونکہ کبر نفس جب تک ہی باقی رہ سکتا ہے کہ اپنے سوا کسی دوسرے کی عظمت دل میں نہ ہو اور نماز سے حق تعالیٰ کی عظمت دل میں آ جاتی ہے اور جب کسی کی عظمت قلب میں آ جائے تو اس قلب میں کبر و غرور پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔

نماز سے تہذیب نفس خود ہو جاتی ہے

فن تصوف کا موضوع تہذیب نفس ہے یعنی نفس کے رذائل زائل ہوں اور فضائل حاصل

ہوں۔ تمام نماز میں دو چیزیں سامنے ہوتی ہیں نفس اور رب' نماز نفس کی تحقیر و تذلیل کرتی ہے تو وہ مر جاتا ہے اور اس کے آثار بھی مٹ جاتے ہیں اور رب کی عظمت مطلقہ نماز سامنے کر دیتی ہے تو عنایات رب متوجہ ہوتی ہیں اور وہ اپنے فضائل سے نوازتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نماز تہذیب نفس اور اصلاح نفس کے لیے مجاہدہ اور اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔

روحانی اور اخلاقی مقامات

نماز چونکہ تزکیہ نفس کر دیتی ہے اس کے بعد نفسانی احوال مقامات پا کر اور ارفع و اعلیٰ ہو جاتے ہیں جس کا ذریعہ نماز بنتی ہے لیکن بلاواسطہ بھی نماز میں تمام روحانی اور اخلاقی مقامات موجود ہیں۔ شکر کو لو تو نماز کی روح ہی الحمد ہے۔ صبر کو لو تو آدمی نماز میں ہر ایک لذت سے صبر کر بیٹھتا ہے کہ نماز کا روزہ دن بھر کے روزہ سے زیادہ مکمل ہے۔ اخلاص کو لو تو نماز کی روح ہی اخلاص کامل ہے جس کی حقیقت ماسوی اللہ سے کٹ کر اللہ کی طرف دوڑنا ہے۔ تواضع کو لو تو جہاں ذلت نفس سامنے ہے وہاں تواضع کی کیا حقیقت ہے۔ رضا بالقضاء کو لو تو جہاں عبدیت محضہ اور عبادت خالص عمل میں آ رہی ہو تو وہاں رضا و توکل ادنیٰ درجہ ہے۔ سخاوت کو لو تو نفس اپنی ہر لذت دے بیٹھتا اور اس سے صبر کرتا ہے' شجاعت کو لو تو اس میں سخت ترین مقابلہ اپنے نفس اور ہوائے نفس سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوسرے سے لڑنا سہل ہے مگر اپنے سے لڑنا مشکل ہے۔ صدق و عفاف کو لو تو ریاکاری' نفاق اور فریب و کذب سے تکبیر تحریمہ ہی کے وقت کانوں پر ہاتھ دھر لیے جاتے ہیں اور سچائی کے ساتھ اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر حاضری ہوتی ہے۔ شوق و ذوق اور اُنس کو لو تو جہاں سرچشمہ کمالات و عنایات سامنے ہو اور اسی کی عاشقانہ نگاہ دوڑ رہی ہو تو وہاں لذت و شوق اور اُنس و ذوق کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

نماز خلافت کبریٰ کا نمونہ

نماز باجماعت پڑھنے سے معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے سے ملاپ' ہمدردی' باہمی تعاون اور تناصر پیدا کرتی ہے۔ مسجد کے فرش پر سب کو ایک صف میں کھڑا کر کے اجتماعیت عامہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔ امام اپنی صفوں کے لیے نائب حق کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اشاروں پر سارے مقتدی راہ خدا میں دوڑتے ہیں۔ پس مساجد کے اجتماعات اور ان کی امامت عام ملی اجتماعات کی شیرازہ بندی میں مشعل راہ ہوتی ہے۔ نماز میں امام کے بھولنے پر مقتدی کے ٹوکنے پر امام سجدہ سہو کر کے اپنی خطا کا عملی طور پر اعلان و اعتراف اور تدارک بھی

کرتا ہے۔ امامت میں جمہوریت تو یہ ہے کہ قوم کو رائے دہندگی حاصل ہے اور ساتھ ہی یہ کہ صاحب عزم صرف امام ہوگا جس کی اطاعت لازم ہوگی۔

صورت نظم یا اجتماعیت کا بندھن یہ کہ امام کا ہونا ضروری ہے ورنہ بھیڑ ہے خواہ کتنی ہی خوبصورت روکار کے کھڑی ہے۔ امام کی مقتدیوں پر برتری وفوقیت حاصل کرنے کے لیے امام کی صفات مقرر کی گئیں تا کہ امام کی شان دوسرے سے امتیازی رہے اس سے ثابت ہوا کہ نماز خلافت صغریٰ ہے اور خلافت کبریٰ کا دروازہ کھولتی ہے کیونکہ خلافت کبریٰ میں بھی یہی چیزیں ضروری ہیں مثلاً خلیفہ کی ضرورت، خلیفہ میں امتیازی صفات کا ضروری ہونا، خلیفہ کی اطاعت، خلیفہ کا اپنی غلطی تسلیم کرنا، ایک دوسرے سے شفقت ومحبت سے پیش آنا، باہمی تعاون وہمدردی نماز سکھاتی ہے۔

ترکِ خلوت وقطع انفرادیت

مسجد میں نماز پڑھنے کے حکم نے خانگی خلوت توڑ کر میدان میں نکالا اور جلوت کے ہجوم میں دیکھنا چاہا تا کہ آدمی کا دل دماغ روشن اور وسعت پذیر ہو، پھر جامع مسجد، عیدگاہ اور پھر مسجد حرام اور مسجد نبوی تک نکلنے کا حکم دیا جس سے شہری اور ملکی خلوت بھی ٹوٹ گئی تا کہ کسی درجہ میں بھی آدمی میں تنگ دلی اور تنگ حوصلگی نہ رہے پھر جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دے کر انفرادیت کو توڑ دیا ورنہ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے میں انفرادیت باقی رہتی۔

معیار اجتماعیت

مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے ضروری نہیں کہ اس محلّہ، شہر، ملک کا باشندہ ہو بلکہ ہر طبقہ اور ہر قوم کا آدمی شریک جماعت ہوسکتا ہے۔ اس سے گویا نماز نے اس اصول کا اعلان کیا کہ مسلمانوں میں اجتماعیت کا معیار نہ وطن ہے نہ قومیت، نہ نسل ہے نہ رنگ، نہ خون ہے نہ قرابت بلکہ صرف اسلامیت ہے۔

نظام ملت کے اصول

مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے میں اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ صرف جماعتی زندگی اختیار کرو اور انفرادِ وحدت کو ترک کردو کیونکہ اس میں برکت وخیریت قوم، فتح ونصرت، حلاوت، معاشرت، قومی کلمہ کی وحدت پھر قومی برتری وفضیلت ہے پھر جماعت میں صف بندی کا حکم فرمایا تا کہ اللہ کے حضور میں خشوع باطن اور حضور قلب کے ساتھ قرب ونزدیکی کی نیت سے اجتماعیت ہوتا کہ صورت تفریق مٹ جائے۔ صورت وحدت قائم ہو، نظم وترتیب قائم ہو، درجہ بدرجہ اپنی

ترتیبات کو تدریجاً مکمل کرنا صف میں میل ملاپ ظاہری پیدا کرنا' ان سب مہمات میں للہیت اور بے نفسی نظام ملت قائم کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اصول نہیں ہو سکتے۔

مظاہرہ عامہ مساوات

اگر چہ پہلی صف کا ثواب زیادہ رکھا لیکن کلمہ صلوٰۃ نے مظاہرہ عامہ مساوات قائم کرلیا کیونکہ آخری صف اور پہلی صف کے نمازی یکساں نماز ادا کرتے ہیں۔ نیز صف میں ایڑی ٹخنہ ایک سیدھ میں ملانے اور مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے رہنے کی تاکید کی گئی اور آگے پیچھے ہونے پر دھمکی دی گئی کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ اس سے متفاوت المراتب اشخاص کی تفریق کو مٹا دیا۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جہاد اور جماعت نماز

جس طرح جماعت کے لیے امام کی ضرورت ہے جہاد میں بھی بغیر امام کے چارہ نہیں پھر جس طرح جہاد میں امام کے اشاروں پر فوجی نقل و حرکت اور اقدام و رجوع رکھا گیا ہے جسے دیکھ کر دشمن کے چھکے چھوٹتے ہیں۔ نماز میں بھی مقتدی امام کی اطاعت اسی طرح کرتے ہیں۔ پھر جس طرح نماز کا شعار نعرہ تکبیر ہے نماز کے سارے انتقالات اسی سے شروع ہوتے ہیں۔ بعینہ جہاد میں نعرہ تکبیر اقدام ہجوم کے وقت لگایا جاتا ہے۔ بنص حدیث صف بندی کے وقت حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ میرے بندے عیش و آرام چھوڑ کر گھر سے نکلے ہیں اور میرے دشمن کو بھگانے کے لیے آمادہ ہیں۔ بنص حدیث مجاہدین کی صف بندی کے وقت حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ میرے بندے کس طرح سروں کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے میری راہ میں جان دینے کے لیے آ رہے ہیں۔ پھر جس طرح نماز کا آغاز ذکر اللہ پر ہے اسی طرح جہاد کا آغاز و انجام ذکر اللہ اور مختلف قسم کی دعاؤں پر رکھا گیا ہے جو احادیث میں موجود ہیں۔ پھر جس طرح وضو کے وقت اور سجدہ و رکوع کے وقت گناہ پتوں کی طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جہاد میں خون کے ایک ایک قطرہ کے ساتھ آدمی کا نفس دُھل کر صاف ہو جاتا ہے پھر جس طرح جہاد میں پہلے دشمن کی مدافعت کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح نماز سے پہلے وضو اور تعوذ سے شیطان کی مدافعت کا انتظام کیا جاتا ہے پھر جس طرح جہاد میں دشمن کی چھاؤنی میں خود نہیں جاتے۔ اسی طرح نماز مخصوص اوقات (سورج نکلنے کے وقت

دوپہر اور غروب آفتاب کے وقت) منع ہے۔ یہ دشمن شیطان کے اوقات ہیں پھر جس طرح جہاد میں ہتھیار کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے اسی طرح نماز میں تعوذ کے ذریعہ شیطان کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ غرض نماز کا جزءٗ جزو جہاد سے مطابقت رکھتا ہے۔

نماز پورے اسلام کی میزان الکل ہے

اس مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ نماز پورے اسلام کی میزان الکل ہے اس لیے اس کے ترک کو اسلام کے کفر اور اس کے گرادینے کو دین کا گرادینا قرار دیا گیا ہے۔

نماز کی روح ذکر اللہ ہے

یہ چیزیں اس وقت پیدا ہوں گی جب نماز کو حقیقی ہیئت و کیفیت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اس کے آداب وشروط اور سنن وواجبات کی کما حقہ رعایت کی جائے کیونکہ ارشاد ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ نماز کی روح ہے اگر نماز میں ذکر نہیں تو روح نہیں۔ آخر میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے اختتامی وعظ کے الفاظ بطور تبرک نقل کیے جاتے ہیں۔

پس میرے خیال میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے صرف ایک نماز اور اس کی یہ عرض کردہ حقیقت وخصوصیت ہی کافی ہے اور غیروں میں کوئی منصف مزاج انسان ہو تو وہ اس اعتراف کے سوا چارہ نہ دیکھے گا کہ کسی انسان کی عقل انہیں کبھی تجویز نہیں کرسکتی اور متفرق طریق پر کچھ کر بھی سکے گا تو سہل متمتع کے طور پر اس مختصر سے عمل میں ان سب کو جمع کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتی۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ کیسا ہی فلسفی ہو اپنی کسی مجوزہ سکیم میں اتنی لامحدود رعایتیں نہیں رکھ سکتا کہ جن میں دین، دنیا، اخلاق، معاشرت، عبادت، خلوت، انفرادیت، اجتماع، سیاست، حکومت، صلاح و اصلاح، اعلاء کلمۃ اللہ و اسفال کلمہ کفر سب ہی چیزیں بیک آن جمع ہوئے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نماز باجماعت کو دانتوں سے پکڑ لیں کہ اس سے ان شاء اللہ فتن کے پاس کھڑے نہ رہیں گے اور اسی سے پورے اسلام میں گھس جانے کا راستہ مل جائے گا۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

ترجمہ: ''اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسل کو بھی، اے میرے رب! ہماری دعا قبول فرما، بے شک آپ سننے والے ہیں۔''

فضائل نماز سے متعلق آخر میں چند احادیث مبارکہ اور سن لیجئے تا کہ پابندی نماز سے متعلق ہمیں زیادہ سے زیادہ علم ہو اور ہم اس پر عمل کر سکیں۔ "اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لما تحبُّ وترضٰی" یہ حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں اور حیات المسلمین سے ماخوذ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس پر محافظت رکھے وہ قیامت کے روز اس کے لیے روشنی اور دستاویز اور نہ نجات ہوگی اور جو شخص اس کی محافظت نہ کرے تو وہ اس کے لیے نہ روشنی ہوگی اور نہ دستاویز اور نجات اور وہ شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا یعنی دوزخ میں۔ اگرچہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ رہے مگر ساتھ ہونا بڑی ہی سخت بات ہے۔" (احمد ودارمی وبیہقی شعب الایمان)

(۲) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو ایک عہد کی چیز یعنی عہد کا سبب ہے وہ نماز ہے پس جس شخص نے اس کو ترک کر دیا وہ برتاؤ کے حق میں کافر ہو گیا یعنی ہم اس کے ساتھ کافروں کا برتاؤ کریں گے کیونکہ اور کوئی علامت اسلام کی ان میں نہیں پائی جاتی کیونکہ وضع لباس و گفتگو سب مشترک تھے تو ہم کافر ہی سمجھیں گے۔" (احمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ)

اس سے تو ثابت ہوا کہ ترک نماز بھی ایک علامت ہے کفر کی، گو کوئی دوسری اسلامی علامت ہونے سے ترک نماز سے کافر نہ سمجھیں مگر کفر کی کسی علامت کو اختیار کرنا کیا تھوڑی بات ہے۔

(۳) عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کرو، جب سات برس کے ہوں اور اس پر ان کو مارو جب وہ دس برس کے ہوں۔" (ابوداؤد)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "دو شخص قبیلہ خزاعہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے۔ ان میں ایک شہید ہو گیا اور دوسرا ایک برس بعد طبعی موت مر گیا۔ طلحہ بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں مرنے والے کو خواب میں دیکھا کہ اس شہید سے پہلے جنت میں داخل کیا گیا مجھ کو بہت تعجب ہوا، صبح کو میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس مرنے والے نے اس شہید کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے اور برس روز تک ہزاروں

رکعتیں نہیں پڑھیں، اگر صرف فرض واجب وسنت مؤکدہ ہی لی جائیں تو دس ہزار رکعتوں کے قریب ہوتی ہیں یعنی اس لیے وہ شہید سے بڑھ گیا۔'' (احمد وابن ماجہ وابن حبان وبیہقی)

ابن ماجہ وابن حبان نے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کے درجوں میں اتنا فرق ہے کہ آسمان وزمین کے فاصلہ سے بھی زیادہ ہے اور ظاہر ہے کہ زیادہ دخل اس فضیلت میں نماز ہی کو ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی کثرت کا بیان بھی فرمایا تو نماز ایسی چیز ٹھہری کہ اس کی بدولت شہید سے بھی بڑا رُتبہ مل جاتا ہے۔

(۵) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ''وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز ہے۔'' (دارمی)

نماز کا نام ہی صاف بتلا رہا ہے کہ وہ سب عبادات سے بڑھ کر جنت میں لے جانے والی ہے۔

(۶) عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے اول جس چیز کا بندہ سے قیامت میں حساب ہوگا وہ نماز ہے، اگر وہ ٹھیک اُتری تو اس کے سارے عمل ٹھیک اُتریں گے اور اگر وہ خراب نکلی تو اس کے سارے عمل خراب نکلیں گے۔'' (طبرانی فی الاوسط)

معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی برکت سب عبادات میں اثر کرتی ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی، بڑا عمل ہونے کی۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں یعنی نماز نہ پڑھتا ہو اس کے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے۔ اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں۔'' (طبرانی اوسط وصغیر)

جس چیز پر دین کا اتنا بڑا مدار ہو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے نیک عمل کو کافی سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور پابندی نماز کے ساتھ ساتھ اس کے جملہ حقوق وآداب کی کماحقہ ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

چوتھا خطبہ

تعلیم قرآن

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔'' (بخاری)

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (قیامت کے دن) قرآن (پڑھنے اور اس پر عمل کرنیوالے) کو کہا جاویگا کہ پڑھ اور درجہ حاصل کر اور سنوار کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا کیونکہ تیرا درجہ اس آیت کے ختم پر ہے جسکو تو پڑھے۔'' (احمد، ترمذی، نسائی)

ف: پس جس قدر آیات کی وہ تلاوت کرے گا اُسی قدر اُس کو درجات عطا فرمائے جائیں گے جو لوگ دنیوی ترقی کے واسطے تعلیم دنیا میں مصروف و مشغول ہو کر قرآن شریف کی تعلیم مبارک سے غافل ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ غور کریں کہ کس قدر دولت سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمادے۔

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک وہ شخص کہ جس کے جوف (قلب) میں قرآن شریف بالکل نہ ہو وہ اُجڑے ہوئے گھر جیسا ہے۔'' (ترمذی و دارمی)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے قرآن شریف کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنی ہوتی ہے۔ (پس فی حرف دس نیکیاں ملتی ہیں)۔'

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے قرآن شریف پڑھا اور اُس کو یاد کیا اور اُس کے حلال (بتلائے ہوئے) کو حلال اور اُس کے حرام (بتلائے ہوئے) کو حرام سمجھا (یعنی اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں داخل کرے گا اور اُس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کرے گا جن کے لیے دوزخ ضروری ہو چکی ہو۔'' (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ف: یعنی جو گناہ گار بدون توبہ کیے مر جانے کی وجہ سے دوزخ میں جانے کے مستحق ہو گئے ہوں ان کی نجات ہو جائے گی کیوں کہ کفر و شرک کرنے والے کی کسی طرح نجات نہ ہو گی۔

آیت مبارکہ

''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے کہ یہ قرآن کریم محفوظ کتاب میں درج ہے۔ اُس کو بجز پاک لوگوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔''

''یا الٰہی ہمیں عامل قرآن کر دے۔ اس نئی پود کو پھر نئے سرے سے مسلمان کر دے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جسے سرتاج رسل کہتے ہیں اس کی اُمت کو پھر تابع فرماں کر دے۔''

معزز سامعین! آج کے خطبہ کا موضوع ہے تعلیم قرآن اور تعلیمات قرآنی پر عمل کے بیان میں

حضرات محترم! قرآن حکیم حق سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوقات جن وانس کی ہدایت کی خاطر نبی آخرالزماں جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ورنہ یہ کتاب انتہائی شرف و منزلت کے ساتھ لوح محفوظ میں محفوظ تھی جسے شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اُتارا گیا اور وہاں سے ضرورت کے مطابق ۲۳ سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: الٓرٰ o تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ

یہ آیات ہیں کتاب اور صریح قرآن کی۔ اس میں دو لفظ قرآن اور کتاب بیان فرمائے گئے۔ قرآن اس واسطے فرمایا گیا کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلہ میں پڑھی نہیں جاتی۔ قرآن حکیم کی تلاوت جس قدر بھی کر لی جائے اور جتنی بار بھی ختم کر لیا جائے دل کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ یہ حال ہوتا ہے:

یزیدیک وجھہٗ حسنا　اذا　مازدتہٗ　نظرا

یعنی جس قدر بھی غور وخوض سے پڑھو گے اسی قدر قرآن حکیم میں لطاف ونکات، نصائح و حکم محسوس ہوں گے۔ اسی بناء پر کوئی شخص قرآن حکیم پڑھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اسے پڑھ لیا ہے جس طرح اخبار، رسالہ یا کسی کتاب کے بارے میں فوراً کہہ دیتے ہیں کہ میں نے اس کا مطالعہ کر لیا ہے بلکہ بار بار پڑھنے سے بوریت محسوس کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک عارف کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ''میں ایک قرآن ایک ماہ میں ختم کر لیتا ہوں اور ایک قرآن تین سال سے شروع کیا ہے جو ابھی تک ختم نہیں ہوا جس قدر غور سے پڑھتا

ہوں اسرار و رموز زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔''

دوسرا لفظ قرآن مجید کے لیے کتاب کا استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں جسے لکھا جائے جس طرح دنیا میں قرآن حکیم اس کثرت سے پڑھا جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح قرآن مجید کو جس کثرت سے لکھا گیا ہے اور اس دور میں بھی جس کثرت سے شائع ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے اسے کتاب فرمایا گیا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ تِلَاوَتُ الْقُرْآنِ
''قرآن پاک کی تلاوت افضل عبادت ہے۔''

بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ قرآن حکیم کے ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں نامہ اعمال میں درج ہوتی ہیں اور فرمایا کہ میں الم کو ایک حرف نہیں کہتا بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ گویا الم کہنے سے تیس نیکیاں کم از کم نامہ اعمال میں درج ہوں گی۔

الم حروف مقطعات میں سے ہے جس کا صحیح معنی حق سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتے ہیں بڑی سے بڑی تفاسیر میں یہی لکھا ہے واللہ اعلم بمرادہٖ یا ان کے معانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادیئے گئے ہوں اور اس میں اُمت کے لیے کوئی ضروری مسئلہ نہ ہو۔ میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں راہم خبر نیست ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ضروری مسئلہ ایسا نہیں چھوڑا جسے بیان نہ فرمادیا ہو کیونکہ دین اسلام قیامت تک کے ضروری احکام کے لیے کافی ووافی ہے۔ اسی بناء پر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حروف مقطعات کے معانی نہیں پوچھے اس میں ان لوگوں کے اشکال کا جواب نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب قرآن مجید کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا اس کا ترجمہ ہی نہیں جانتا تو قرآن پاک پڑھنے اور طوطے کی طرح رٹنے (حفظ کرنے) کا کیا فائدہ۔ سبحان اللہ حدیث پاک میں مثال ہی ایسی بیان فرمائی گئی حروف مقطعات کی الم جس کے ترجمہ ومعانی جاننے میں بڑے سے بڑا علامہ اور ایک ناظرہ خواں برابر ہیں اور اس سے صاف واضح ہوگیا کہ اگر قرآن پاک کا ترجمہ یا مفہوم نہیں جانتا تب بھی اس کی تلاوت سے اس کے نامہ اعمال میں حسنات برابر درج ہوتے ہیں اور بغیر ترجمہ سمجھے بھی تلاوت قرآن کریم کا نفع عظیم ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے ننانوے مرتبہ خواب میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کیا (خواب میں جو ممکن ہے بیداری میں نہیں) اور عرض کیا ہے کہ آپ کا قرب کس طرح

حاصل ہوسکتا ہے۔ارشاد ہوا تلاوت قرآن حکیم سے۔عرض کیا "بفَهْمٍ اَوْ بِلاَ فَهْمٍ" سمجھ کر پڑھنے سے یا بغیر سمجھے پڑھنے سے۔ارشاد ہوا بِفَهْمٍ اَوْ بِلاَ فَهْمٍ قرآن پاک سمجھ کر پڑھنے یا بغیر سمجھے پڑھنے سے میرا قرب نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا قرب وہ عظیم دولت ہے کہ تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے سب مل گل اسے جسے اللہ مل گیا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کا گزر ایک مرتبہ دہلی میں ان لوگوں کے پاس سے ہوا جوان کا رسالہ دردغمناک پڑھ رہے تھے۔حضرت ان لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔مصنف پاس کھڑے تھے مگر ان لوگوں کو خبر نہ تھی۔اسی طرح جو شخص قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

شاہ ایران کی زبان پر ایک دفعہ یہ مصرعہ بے ساختہ موزوں ہوگیا تھا۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود

بادشاہ نے شعرائے ایران سے درخواست کی کہ اس کا دوسرا مصرعہ لگاؤ۔کسی سے بھی دوسرا مصرعہ نہ بن سکا تو بادشاہ نے شاہ ہندوستان کو لکھا کہ شعرائے ہند سے درخواست کی جائے کہ اس مصرع پر مصرع لگائیں۔اس کی اطلاع زیب النساء کو بھی ہوئی۔یہ بھی بڑی شاعرہ تھی اس لیے اس کو بھی فکر ہوئی۔ایک دن اتفاق سے صبح کے وقت سرمہ لگا رہی تھی، سرمہ کچھ آنکھوں میں لگا اور اس کے اثر سے ایک قطرہ سرمہ آلود ٹپکا تو فوراً اس کا ذہن اس شعر کی طرف منتقل ہوا اور کہا:

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتان سرمہ آلود

اس نے شاہ ہند کو اطلاع دی کہ مصرع ثانی بن گیا۔آپ شاہ ایران کو اطلاع کردیں۔چنانچہ وہاں یہ مصرع پہنچا تو شاعر کی بڑی تعریف ہوئی مگر یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ شاعر عورت ہے۔شاہ ایران نے وہاں سے بہت کچھ انعام وخلعت بھیجا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ شاعر کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔شاہ ہند نے زیب النساء سے کہا کہ ایران سے تیرا بلاوا آیا ہے۔بتائیں میں کیا جواب دوں؟ اس نے کہا کہ آپ جواب میں میری طرف سے یہ شعر لکھ بھیجئے کہ شاعر نے یہ جواب دیا ہے:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

چنانچہ یہ شعر لکھ دیا گیا اور شاہ ایران سمجھ گیا کہ شاعر عورت ہے۔بہر حال اس شعر میں مخفی نے یہ کہا ہے کہ جس کو میرے دیدار کا شوق ہو وہ مجھے میرے کلام میں دیکھ لے۔تو کیا مخفی کا کلام متکلم کو

دکھائے اور خدا کا کلام خدا کو نہ دکھائے یہ نہیں ہوسکتا۔ پس حق تعالیٰ بھی گویا اس وقت یہی فرمارہے ہیں کہ جو مجھے دیکھنا چاہے وہ میرے کلام میں مجھے دیکھ لے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

چیست قرآن اے کلام حق شناس　　　　رونمائے رب ناس آمد بناس

واقعی قرآن مجید رونمائے حق ہے۔ حاصل اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ کلام مجید بڑی عجیب چیز ہے۔ خدا کا عجیب وغریب لذیذ و پراسرار کلام ہے جس کی تہ کو پہنچنا اور اس کے جمیع نکات و معنی کو سمجھنا قوت بشریہ سے خارج ہے۔ آپ لوگوں کو چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت کی قدر کریں اور اس کی تلاوت کی طرف خاص توجہ کریں اور اس کے نکات و معنی سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔

غرض قرآن شریف تجلی الٰہی ہے اس وقت ہم اس قدر تجلی کے قابل تھے تو حق تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے ہم کو اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ گو اس وقت وہ یوں فرمارہے ہیں:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل　　　　ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

غلاف کعبہ کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز ہے گو ادب کے خلاف ہے مگر قرآن حکیم کو بغیر وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ عظمت قرآن کے پیش نظر قرآن کو گھر میں دیکھ کر ایسے خوش ہوا کرتے جیسے کعبہ کسی کے گھر میں آگیا (بلکہ اس سے بھی زیادہ) اب ہماری یہ حالت ہے کہ گھر میں قرآن رکھا ہوا ہے، کسی کے دل پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ یہاں کیا چیز رکھی ہوئی ہے۔ کبھی اس کی طرف پیر کردیتے ہیں کبھی اس کے اوپر کوئی چیز رکھ دیتے ہیں۔

صاحبو! خدا سے ڈرو، بتلاؤ اگر تم بیت اللہ کو دیکھ لو تو کیا اس کی طرف پیر کرسکتے ہو، ہرگز ایسی ہمت نہ ہوگی پھر کیا قرآن کو کعبہ سے بھی کم سمجھ لیا ہے۔ بعضے لوگوں کو مہینے گزر جاتے ہیں کہ قرآن کھول کر ایک دن بھی نہیں پڑھتے۔ (یہ شخص ایسا ہی محروم القسمت ہے جیسے کوئی مکہ میں جا کر نہ بیت اللہ کو دیکھے نہ اس کا طواف کرے) میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تلاوت قرآن کی بھی کسی کو فرصت نہ ہو تو وہ روزانہ قرآن کو کھول کر عظمت ومحبت کے ساتھ ایک نظر ہی اس کو دیکھ لیا کرے اور پھر عظمت ومحبت سے بند کر کے رکھ دیا کرے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ شخص بھی برکات قرآن سے محروم نہ رہے گا۔

لِاَنَّ النَّظْرَ اِلَی الْقُرْآنِ اَیْضًا عِبَادَۃٌ ۱۲ (جامع)

(اس لیے قرآن پاک کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے)

جب قرآن ہی کے ساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہے اور اسی کی عظمت ہمارے دلوں میں ویسی نہیں جیسی ہونی چاہیے تو پھر اہل قرآن کی عظمت کہاں سے ہو۔ ان کو ہم اپنے سے افضل تو کیا سمجھتے بلکہ حقیر سمجھتے ہیں۔ بھلا اگر کوئی درویش بزرگ تمہارے پلنگ پر پائنتی کی طرف آ کر بیٹھ جائے تو کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ تم سرہانے چڑھے بیٹھے رہو ہرگز نہیں' اول تو تم ان کو دور سے ہی دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ گے اور ان کے سرہانے تو ہرگز نہ بیٹھو گے کیونکہ تم ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہو۔

پس اگر اس حدیث کے مطابق تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ حافظ قرآن بھی ہم سے افضل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کا ادب ایسا نہیں کیا جاتا اور اگر ادب نہ کیا تھا تو ان کو حقیر بھی نہ سمجھا ہوتا۔ اب تو غضب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے حفظ میں دو تین سال صرف کرے لوگ اس کو وقت کا ضائع کرنا اور بیکار رہنا سمجھتے ہیں۔ افسوس! ہماری عقلوں پر کیسا پردہ پڑ گیا ہے مگر الحمد للہ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر میں تو ایسا نہیں ہے کہ حفظ قرآن کو فضول سمجھتے ہوں' یہاں بہ نسبت اور شہروں کے پھر قرآن کا بہت چرچا ہے اور حفاظ کی قدر بھی ہے۔ گو جیسی قدر ہونی چاہیے ویسی یہاں بھی نہیں مگر پھر بسا غنیمت ہے۔

صاحبو! اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں مشغول رہنے والے سب سے افضل ہیں اور ظاہر ہے کہ عامل کی فضیلت فرع ہے' فضیلت عمل کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں۔ پس قرآن کی تعظیم ضروری ہے جس کے مختلف شعبے ہیں۔ من جملہ تعظیم قرآن کے شعبوں کے ایک شعبہ یہ ہے کہ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اصل تعظیم ہے' کتاب کی تعظیم صرف یہی کافی نہیں کہ اس کی عمدہ جلد بندھوا کر الماری میں رکھ دیا جائے بلکہ اس کی اصل تعظیم یہ ہے کہ اس کی تعلیم و قرأت کا اہتمام کیا جائے جس کتاب کا جتنا چرچا ہوگا اتنی ہی اس کی عظمت ظاہر ہوگی اور اہتمام اشاعت کی صورت یہ ہے کہ اپنے اپنے بچوں کو قرآن حفظ کراؤ یا کم از کم ناظرہ ہی پڑھاؤ اور مدارس اس کی اشاعت کے لیے قائم ہیں ان کی امداد کرو' لوگوں کو ایسے مدارس کے مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سب کو سبکدوش رکھا ہے۔ نیز اشاعت قرآن کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ جو طلبہ پردیسی تعلیم و تعلم قرآن میں مشغول ہیں ان کے کھانے' کپڑے کا اپنی اولاد کے برابر فکر کرو' جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک طالب علم کا کھانا بھیج دیا کریں' طلباء سے یہ مت کہو کہ وہ تمہارے گھر پر آ کر کھانا کھا لیا کریں اس میں ان کی تحقیر ہے بلکہ تم خود اپنے ملازم یا

اپنے لڑکے کے ہاتھ ان کے لیے کھانا بھجواؤ' جب گرمی جاڑے میں اولاد کے واسطے کپڑے بناؤ ایک دو جوڑے طلبہ کے واسطے بھی بنادو' پہلے زمانہ میں اشاعت قرآن کی زیادہ وجہ یہ تھی کہ سلاطین اور عامہ مسلمین ان کی خدمتیں کافی کرتے تھے جس سے ان میں حرص وطمع کا مادہ پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ بیٹھے بٹھلائے بے مانگے ان کو سب کچھ مل جاتا تھا اور عزت کے ساتھ ملتا تھا۔ حقیر کر کے کوئی نہ دیتا تھا اسی لیے پہلے لوگ بلا اجرت پڑھتے پڑھاتے تھے اور تراویح مفت سناتے تھے۔ ایک مرتبہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ طالب علموں کی حالت زیادہ خستہ ہے ان کو کوئی نہیں پوچھتا تو ان کو اس سے صدمہ ہوا۔ اب دیکھئے انہوں نے اس کا کیا اچھا علاج کیا کہ دربار میں وزیر اعظم جس وقت آیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم نماز پڑھتے ہو' عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں' پوچھا بتلاؤ نماز میں کتنے واجبات اور کتنی سنتیں اور کتنے مستحبات ہیں' وزیر سوچنے لگا کیونکہ مسائل کس کو یاد تھے' عالمگیرؒ بہت خفا ہوئے کہ تم خاک نماز پڑھتے ہوگے جب تم کو مسائل بھی یاد نہیں' تم لوگوں سے اتنا نہیں ہوتا کہ ایک طالب علم سے نماز' روزہ کے مسائل بھی پڑھ لیا کرو' رات دن کمانے ہی کی فکر رہتی ہے' دین کا کچھ بھی خیال نہیں تم کیسے مسلمان ہو' تم کو شرم نہیں آتی۔ بس بادشاہ کی تو ایک بات ہوئی اور سب کے کان کھڑے ہوگئے وہاں سے اُٹھ کر جب لوگ اپنے گھر پہنچے تو سب نے مدرسہ میں پہلے آدمی بھیجا کہ فلاں نواب صاحب کو ایک طالب علم کی ضرورت ہے جو ان کو دو گھنٹہ دینیات کی تعلیم دے دیا کرے' وزیر سے لے کر ادنیٰ درباری تک سب کو مسائل کی فکر ہوگئی اور معقول تنخواہوں پر ایک ایک طالب علم ہر شخص کے یہاں مقرر ہوگیا۔ جدھر دیکھو طلباء کی پوچھ ہو رہی ہے اور طلباء خوشحال ہوگئے اس زمانہ میں اہل علم کو سوال کی نوبت کم آتی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے صاحب حیثیت لوگ مدارس کی ضروریات کا خیال رکھیں اور حسب توفیق ان کی مالی امداد کرتے رہیں۔

آمدم برسر مطلب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لیے شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے اس کو دن میں کھانے اور پینے سے روکے رکھا' میری شفاعت قبول کیجئے اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکے رکھا' میری شفاعت قبول

کیجئے۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (احمد ابن ابی الدنیا، طبرانی)

قبر میں جب عذاب بائیں طرف سے بڑھتا ہے تو روزے اس کو روکنے کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں کیونکہ "اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ" روزہ ڈھال ہے اسی طرح قبر میں عذاب جب سرہانے کی طرف سے آنا چاہتا ہے تو قرآن اسے روکنے کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے جو اس کے دماغ میں محفوظ ہے۔

حقوق القرآن

حضرت عبیدہ ملیکیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اے قرآن والو! قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت شب و روز ایسا کرو جیسا کہ اس حق کلام پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی سے تدبر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ دنیا طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کا بڑا اجر و بدلہ ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

صاحب احیاء نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہوکر کلام پاک پڑھا اس کو ہر حرف پر سو نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کے لیے پچاس نیکیاں اور جس شخص نے نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا اس کے لیے پچیس نیکیاں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ پڑھنے والے کی طرف صرف کان لگا کر سنے اس کے لیے بھی ہر حرف کے بدلہ ایک نیکی۔ اس لیے ہمیشہ تلاوت کا معمول رکھنا چاہیے۔ آج کل بعض حفاظ حفظ کے بعد تلاوت کا عمل چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن پاک بھول جاتے ہیں اس میں سخت وعید ہے۔ حفظ کے بعد تلاوت کا معمول ہمیشہ رکھنا ضروری ہے۔ آداب تلاوت بہت ہیں مگر طریق ذیل سب کا جامع ہے۔

(۱) جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے، وضو کرکے روبقبلہ اگر سہل ہو ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔

(۲) یہ تصور کرے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ قرآن پڑھ کر سناؤ۔

(۳) یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائشیں کرتی تو میں کیسا پڑھتا تو خدا تعالیٰ کی فرمائش کی تو زیادہ رعایت چاہیے اور اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔ (اصلاح انقلاب اُمت ج۱ص:۵۳)

بعض لوگ گا گا کر پڑھتے ہیں اور بعض نے ایک اور طریق اختراع کیا ہے کہ ایک قاری ایک آیت پڑھتا ہے۔ دوسرا اس سے اگلی آیت اور تیسرا اس سے اگلی۔ واضح ہو کہ یہ سب ادب قرآن کا ضائع کرنا ہے۔ اس میں تغنی مذموم اور قطع کلمات و اختلال نظم یہ مفاسد علیحدہ رہے۔ (اصلاح انقلاب اُمت ج:۱ص:۵۲)

قرآن مجید کا ادب

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد ہے: ''قرآن مجید (تلاوت کے قابل نہ رہنے کی صورت میں) کو پاک جگہ دفن کیا جائے مگر اس پر بغیر کسی حمائل کے مٹی نہ ڈالی جائے بلکہ جس طرح میت کی قبر میں تختے یا پتھر کی سلیں وغیرہ رکھ کر اس پر مٹی ڈالی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی تدفین میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ادب واحترام اور اعزاز واکرام زیادہ ہے۔

قرآن مجید کا بہت ہی ادب کرنا چاہیے۔

(۱) اس کی طرف پاؤں نہ کرو۔ (۲) اس کی طرف پیٹھ نہ کرو۔

(۳) اس سے اونچی جگہ پر مت بیٹھو۔

(۴) اس کو زمین یا فرش پر مت رکھو بلکہ رحل یا تکیہ پر رکھو۔

(۵) اگر وہ پھٹ جائے تو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر یا پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے دفن کر دو۔ (حیات المسلمین، ص:۱۱۶)

اوراق قرآن کہنہ جو نا قابل تلاوت ہو جاویں ان کو پاک پارچہ میں باندھ کر قبرستان کے کسی محفوظ جگہ میں دفن کر دینا مناسب ہے۔ اوراق کی تمزیق (چیرنا پھاڑنا) خلاف ادب و احترام ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۱۶)

(۶) قرآن پاک کا ضروری ادب یہ ہے کہ اس کو بلا وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ''

(۷) بعض لوگ قرآن مجید سے بچوں کے نام نکلواتے ہیں اور بعض اس سے فال نکالتے ہیں۔ یہ دونوں کام خلاف ادب ہیں۔ قرآن پاک اس مقصد کے لیے نازل نہیں ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (اصلاح انقلاب اُمت ج ۱، ص: ۵۵ تا ۵۷)

(۸) قرآن مجید کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس موجودگی میں ہم بستری نہ کرے اور اگر ایسا کرنا چاہے تو قرآن مجید کو ڈھانپ لے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے: ''وان لایجامع بحضرته فان اراد ستره''

حقوق تلاوت

تین قسم کے ہیں، ظاہر، باطن اور ابطن، سب سے مقدم ظاہری ہے اور سب سے مؤخر ابطن

حق ظاہری ترتیل ہے۔ جب قرآن مجید پڑھے باوضو ہو' پاک کپڑا ہو' جگہ پاک ہو وہاں بدبو نہ ہو' قبلہ رو ہو تو بہتر ہے' حرف صاف صاف پڑھے جب بالکل دل نہ لگے اس وقت موقوف کردے۔ پڑھتے وقت دل حاضر ہو۔ (فروع الایمان)

اگر قرآن شریف اچھی طرح نہ چلے گھبرا کر چھوڑو مت پڑھتے جاؤ ایسے شخص کو دہرا ثواب ملتا ہے' اگر قرآن پڑھا ہوا تو اس کو ہمیشہ پڑھتے رہو ورنہ اس کو بھول جاؤ گے اور سخت گنہگار ہو گے۔ (تعلیم الدین)

اور حق باطنی معانی کا سمجھنا اور البطن عمل ہے۔ اب لوگ حق اول جو سب سے سہل ہے چھوڑ بیٹھے نفس کے اس کہنے سے کہ تم قرأت میں عاصم یا حفص تو نہیں ہو سکتے پھر سیکھنے سے کیا فائدہ۔ دوسرا حق تلاوت فہم معانی ہے جو محض ترجمہ دیکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

تیسرا حق تلاوت عمل ہے جو کہ واجب ہے اور یہ سب سے زیادہ مؤکد ہے اس کے ذریعہ علم کو اختیار کرو اور علم کو کسی طرح نہ چھوڑو حتیٰ کہ اول میں اگر علم کا عزم بھی دل میں اپناؤ تب بھی پڑھے جاؤ علم خود دل کو درست کردے گا۔ ہاں قصداً معاصی میں مت پڑو کہ اس سے نور علم مٹ جاتا ہے۔ غرض علم کے لیے کوشش کرو مال سے ہاتھ پاؤں سے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو دعا ہی سے تمہارے طرف سے ارادے کی دیر ہے سب حقوق القرآن ادا ہو سکتے ہیں۔ تمت بالخیر۔ (وعظ حقوق القرآن)

آخر میں دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تلاوت قرآن کریم اور اس کے مطابق احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اتباع سنت کی توفیق دیں اور حسن خاتمہ نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

پانچواں خطبہ

توحیدوتوکل

حکیم الامت مجددالملت تھانوی رحمہ اللہ

توحید کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تصرف حقیقی میں یکتا ہونے کو پیش نظر رکھے اور توکل کا یہ مطلب ہے کہ ماسوااللہ سے نظر اٹھالے اور توکل اعتقادی یعنی اس کا عقیدہ رکھنا کہ خدا کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ یہ تو سب پر فرض ہے لیکن اس سے آگے درجہ یعنی اس عقیدہ کے پختہ ہونے پر معاش وغیرہ کے اسباب ظنیہ کو ترک کردے۔ یہ قویٰ القلب کے لئے بشرطیکہ کسی امرواجب میں خلل واقع نہ ہواور توکل توحید کا ثمرہ ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے (قصہ ابراہیمؑ میں) ارشاد فرمایا تم نے خدا کو چھوڑا۔ تم جن کو پوجتے ہووہ تم کو کچھ رزق دینے کا بھی اختیار نہیں رکھتے سوتم لوگ رزق خدا کے پاس سے طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ خدا ہی پر توکل کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حدیث ۱: اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن عباسؓ سے) ارشاد فرمایا ہے اے بچے خدا کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پاوے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور جان لے اس بات کو کہ اگر تمام لوگ اس پر اتفاق کرلیں کہ تجھ کو کچھ نفع پہنچاویں تو ہرگز اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے اور اگر تمام لوگ اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کچھ نقصان پہنچاویں تو ہرگز اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے۔ (تقدیر کے) قلم اٹھا دیئے گئے اور دفتر خشک ہو چکے (اب ان میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہوگا) (احمد، ترمذی)

حدیث ۲: ونیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن قوی، مومن ضعیف سے بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر اور (بھلائی) ہے جو چیز تم کو

نفع دے اس کی حرص کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور عاجز مت بنو۔ اور اگر تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو یوں مت کہا کر کہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا ولیکن یوں کہا کر کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کر دیا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے کیوں کہ "اگر" (یعنی یوں کہنا کہ اگر یوں کرتا تو یوں ہو جاتا) شیطان کے کام کھول دیتا ہے۔ (مسلم)

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر (ہوئی) ہے کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم کہاں الٹے پھرے جاتے ہو۔

اضافہ: (الف) و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔

(ب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو ان کو وہی کافی ہو جاوے۔ وہ آیت یہ ہے: ومن یتق اللّٰہ (لآیۃ) یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(ج) و نیز ارشاد فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلا شبہ رزق انسان کو اس طرح ڈھونڈتا ہے جیسا کہ اس کو اس کی اجل ڈھونڈھتی ہے۔ (ابونعیم)

محترم ومکرم حضرات آج خطبہ جمعہ کا موضوع توحید اور توکل کے بیان میں ہے۔ اولاً توحید کے بارے میں مزید کچھ آیات مبارکہ کا ترجمہ سن لیجئے۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

(۱) واللّٰہ خلقکم وما تعملون (الصٰفٰت آیت ۹۶)

ترجمہ: حالانکہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو پیدا کیا۔"

(۲) وماتشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ رب العالمین. (التکویر آیت ۲۹)

ترجمہ: اور تم بدوں خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

(۳) یآیھا الناس اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم ھل من خالق غیر اللّٰہ یرزقکم من السماء والارض ط لا الٰہ الا ھو ج فانّٰی تؤفکون.

ترجمہ: اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر (ہوئی) ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔"

ماہیت: یہ یقین کرلینا کہ بدوں ارادہ خداوندی کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ (تعلیم الدین ص ۶۵)
یعنی اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کچھ نہ ہونے کا یقین۔

کارساز مابہ ساز دکار ما فکر مادر کار ما آزار ما

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است و بنیاد توحید بس

(ہمارے کارساز حقیقی ہمارے کام بناتے ہیں ہمارے کاموں میں ہماری سوچ و بچار ہماری اذیت کا امین ہے۔ اللہ کو ایک ماننے والے مؤمن کے قدموں میں اگر سونے کا خزانہ بچھادیا جائے یا اس کے سر پر تلوار رکھدی جائے امید اور خوف اس کوسوائے خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے۔)

غلبہ وحدت الوجود سے اصل مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے۔ سو یہ بات بدوں غلبہ کے بھی حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ ائمہ مجتہدین وغیرہ کو حاصل تھی۔ یہ ضرور ہے کہ اگر غیرحق کے وجود سے بھی قطع نظر ہوجائے گی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہوجائے گا۔ یہ بات کہ توحید وجودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج ۶۵ سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا۔ آج غلطی منکشف ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔ (ارضاءالحق حصہ دوم ۶۲)

تیرے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
کون ومکاں میں لائق سجدہ تیرے سوا اے نورِ مبیں کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

اس برتر وبالا ہستی کے بارے میں عارف شیرازی نے خوب کہا ہے:

اے برتر از خیال وقیاس وگماں وہم وز ہر چہ گفتہ اند شنیدم و ماندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ماہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

(اے وہ ذات عالی جو ہمارے خیال، قیاس، گمان وہم سے بلند ہے اور ہر چیز سے جسے ہم بولتے سنتے پڑھتے ہیں ہم نے تمام دفتر پوری عمر میں چھان مارا لیکن جس طرح ہم پر پہلے وصف اول میں تھے اب بھی وہی ہیں۔)

تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ تو فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل وکرم سے بال بال مغفرت فرمادی۔ مرنے کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا گیا تو ارشاد ہوا بایزیدؒ دنیا سے کیا لائے؟ مجھے اپنے اعمال تو حق شانہ کے سامنے ہیچ نظر آئے عرض کیا تیری توحید پر پختہ

ایمان و یقین لایا ہوں۔'' ارشاد ہوا کیا لیلۃ اللبن والا واقعہ یاد نہیں: ؎

مغرور مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ کہ واحد گفتن

(مغرور نہ ہو توحید خدا اللہ کو ایک دیکھنا ہے نہ کہ ایک کہنا)

توحید کی حقیقت عملی

حضرت شاہ غوث علی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر سکرات کے وقت یہ شعر جاری تھا: ؎

چیست توحید آنکہ از غیر خدا　　فرد آئی در خلا و درملا

(توحید یہ ہے کہ خلوت اور جلوت میں غیر اللہ سے تعلقات قطع کریں)

شعر کا مطلب یہ ہے کہ توحید صرف اس کا نام نہیں کہ زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار لیا بلکہ عملی زندگی پر اس کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جلوت و خلوت میں صرف ایک اللہ ہی سے واسطہ اسی سے تعلق اسی سے امید و بیم رہے۔'' (مجالس حکیم الامت ص۱۸۶)

اقسام شرک

قال اللّٰہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولی و نصلہ جھنم و سآء ت مصیرا ☆ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء ؕ ومن یشرک باللّٰہ فقد ضل ضللاً بعیدا ☆ ان یدعون من دونہ الا انا ثا ج وان یدعون الا شیطنا مریدا ☆ لعنہ اللّٰہ وقال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا ولا ضلنھم ولا منینھم ولامرنھم فلیبتکن اذان الانعام ولا مرنھم فلیغیرن خلق اللّٰہ ؕ ومن یتخذ الشیطن ولیامن دون اللّٰہ فقد خسر خسرانا مبینا ☆ ط یعدھم ویمنیھم وما یعدھم الشیطن الا غرورا ☆ (النساء آیت ۱۱۵ تا ۱۲۰)

اور جو شخص رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے گا بعد اس کے اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی

گمراہی میں جا پڑا۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ حکم سے باہر جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ چار پایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنالے گا وہ صریح نقصان میں ہوگا۔ شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

ان آیتوں سے بدعت اور شرک اور رسوم جہل واطاعت وموافقت شیطان کی برائی صاف صاف معلوم ہوئی، چونکہ ان امور کے ارتکاب سے توحید و رسالت کے عقیدہ میں خلل اور ایمان میں ظلمت و کدورت آجاتی ہے اس لئے بعد ذکر عقائد اسلام کے مناسب ہوا کہ بعضے برے عقیدے اور بری رسمیں اور بعضے بڑے بڑے گناہ جو بکثرت رائج ہیں۔ بیان کئے جاویں تا کہ لوگ آگاہ ہو کر ان سے بچیں ان میں بعضی باتیں بالکل کفر وشرک ہیں، بعضی قریب کفر وشرک کے، بعضی بدعت وضلالت، بعضی مکروہ ومعصیت غرض سب سے بچنا ضروری ہے۔ پھر جب ان چیزوں کا بیان ہو چکے گا جن سے ایمان میں نقصان آجاتا ہے اس کے بعد ایمان کے شعبوں کا اجمالاً ذکر ہوگا کیونکہ ان سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ پھر گناہوں سے دنیا کا نقصان اور طاعات سے جو دنیا کا نفع ہوتا ہے اس کا اجمالاً ذکر کریں گے کہ دنیا کے نفع ونقصان کا لوگ زیادہ لحاظ کرتے ہیں، شاید اسی خیال سے کچھ عمل کی توفیق اور گناہ سے پرہیز ہو۔ چونکہ سب دلائل لکھنے کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہ تھی۔ اس لئے شہرت پر قلم انداز ہوئے۔

اشراک فی العلم

کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے۔ نجومی پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام سے فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی التصرف

کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اولاد مانگنا۔

اشراک فی العبادۃ

کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو جھکنا یا نقش دیوار کی طرح کھڑا رہنا چھڑیں نکالنا، تعزیہ علم وغیرہ رکھنا، توپ پر بکرا چڑھانا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، کسی کی دہائی دینا، کسی جگہ کعبے کا سا ادب وعظمت کرنا۔

اشراک فی العادۃ

کسی کے نام پر بچے کے کان ناک چھیدنا، بالی پہنانا، کسی کے نام کا پیسہ بازو پر باندھنا یا گلے میں ناڑا ڈالنا، سہرا باندھنا، چوٹی رکھنا، بدھی پہنانا، فقیر بنانا، علی بخش اور حسین بخش وغیرہ نام رکھنا، کسی چیز کو اچھوتی سمجھنا، کسی جانور پر کسی کا نام لگا کر ان کا ادب کرنا، محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا، لال کپڑا نہ پہننا، بی بی کی صحنک مردوں کو نہ کھانے دینا، عالم کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا، اچھی بری تاریخ اور دن کا پوچھنا، نجومی رمال یا جس پر جن چڑھا ہو اس سے کچھ باتیں پوشیدہ پوچھنا، شگون لینا، کسی مہینے کو منحوس سمجھنا، کسی بزرگ کا نام بطور وظیفے کے جپنا، یوں کہنا کہ اللہ ورسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا یا یہ کہیں کہ اوپر خدا نیچے تم، کسی کے نام کی قسم کھانا، کسی کو شہنشاہ یا خداوند خدائیگاں کہنا، تصویر رکھنا خصوصاً کسی بزرگ کی تصویر برکت کے لئے رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا۔ (تعلیم الدین ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۴۷۴ تا ۴۷۶)

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　　　یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

طریق تحصیل: مخلوق کی عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۳)

اب دوسرا موضوع توکل کا بیان شروع کرتا ہوں۔

توکل کرنے کی فضیلت

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

۱۔فاذا عزمت فتو کل علی اللہ ان اللہ یحب المتو کلین. (آل عمران)

ترجمہ: پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانب رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کرکے اس کام کو کر ڈالا کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔

ف: اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہوگی کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اور جس شخص سے خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اور جس شخص سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس کی فلاح میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم ہے۔ کیونکہ مشورہ تو تدبیر ہی کے لئے ہوتا ہے البتہ تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بلکہ تدبیر کر کے خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۲۔ ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ. (الطلاق)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے کے لئے کافی ہے۔ (اور یہ کام بنانا عام ہے، ظاہراً ہو یا صرف باطناً)

ف: دیکھئے توکل پر کیسا عجیب وعدہ فرمایا ہے اور اصطلاح باطناً اس وقت تو معلوم نہیں ہوتی مگر بہت جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔

۳۔ قل لن یصیبنآ الا ماکتب اللّٰہ لنا ج ھو مولٰنا ج و علی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون . قل ھل تربصون بنآ الآ احدی الحسنیین. (التوبہ آیت ۵۱،۵۲)

آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے (پس مالک حقیقی جو تجویز کرے بندے کو اس پر راضی رہنا واجب ہے اور ہماری کیا تخصیص ہے) اللہ کے تو سب مسلمانوں کو سب کام سپرد رکھنے چاہئیں (دوسری بات یہ) فرما دیجئے کہ ہمارے لئے اچھی حالت بہتر ہے ایسے ہی سختی کی حالت باعتبار انجام کے بہتر ہے کہ اس میں درجات بڑھتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں پس تم ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہو۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ توکل کا اثر یہ ہے کہ اگر اس کو ناگواری بھی پیش آئے تو اس سے بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی بہتری سمجھتے ہیں کہ اگر دنیا میں بھی اس کا ظہور نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہوگا جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''اور جب مانگو کچھ تو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے''

: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کا دل (تعلقات کے) ہر میدان میں شاخ شاخ رہتا ہے۔ سو جس نے اپنے دل کو ہر شاخ کے شخص پیچھے ڈال دیا اللہ تعالیٰ پرواہ بھی نہیں کرتا خواہ کسی میدان میں ہلاک ہو

جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سب شاخوں میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے (یعنی اس کو پریشانی اور مشکلیں نہیں ہوتیں۔" (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر۔" (ترمذی)

ف: یعنی توکل میں تدبیر کی ممانعت نہیں، ہاتھ سے تدبیر کرے دل سے اللہ پر توکل کرے اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔ (حیوۃ المسلمین)

توکل کی حقیقت

صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا (تعلیم الدین ص ۱۱۳) توکل کی حقیقت وہی ہے جو توکیل یعنی وکیل بنانے کی ہے۔ وکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کو دوسروں کو سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بتلانے کے موافق کرتا رہے لہٰذا بس توکل یہی ہے کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کریں اور جو وہ بتلائیں کرتے جائیں یعنی شریعت کے اصول کو پیش نظر رکھ کر ہر کام میں اسباب کے ماتحت کوشش کریں۔ (شریعت وتصوف ص ۱۷۲، ۱۷۳)

اس بات کا اعتقاد ہر مسلمان کو ہے جو کچھ عالم میں ہوتا ہے سب مؤثر حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہوتا ہے اور اسباب کا تعلق مسببات سے محض ظاہری تعلق ہے۔

اعتقاداً سب مسلمان متوکل ہیں

کوئی بھی مسلمان اس اعتقاد سے خالی نہیں ہے اور اگر خالی ہو تو وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔ متوکلین کی حالتِ باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی، حالانکہ توکل کا اقتضاء تو یہ ہے کہ تمام احوال میں حق تعالیٰ پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے اور اس میں فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک میں جتنی ان کی نظر حق تعالیٰ پر ہے۔

اسباب اختیار کرنے کے باوجود تمام احوال میں نظر حق تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیے

اس قدر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہیے کیونکہ جب توکل کی حقیقت تفویض الی الحق ہے تو وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب دونوں یکساں ظاہر ہونا چاہیے۔ (التوکل ص ۳۰)

مشورے کے بعد حاکم کوتوکل کرنا چاہیے

مشورے کے بعد حاکم کی رائے جس طرح قائم ہو جائے اس کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا چاہیے اور خدا پر نظر رکھنی چاہیے۔ وہ ایک آدمی کی رائے پر غالب کر سکتے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ)

توکل اور تفویض کا فرق

توکل: بعض کے لئے تدبیر ظنی کوترک کرنا ہے کہ تدبیر غیر مباح کو اور انہماک فی التدابیر المباح کوترک کردے۔ اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو، یا واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو، جیسے غیر اختیاری مصائب، تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتراض نہ کرے۔ حقیقت تفویض کی توکل کا اعلیٰ درجہ علیا کا اثر رضا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۲ص ۴۸۵)

اسباب کے ترک کا سوال توکل کی خامی کی دلیل ہے

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ نے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت! میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں! حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: ابھی تو پوچھ ہی رہے ہو، پوچھنا دلیل تردد کی ہے اور تردد دلیل کی خامی کی ہے اور خامی میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۳۸، معارف امدادیہ ص ۴۰)

توکل کے ساتھ دعا کا جمع کرنا کمال ہے

جو بندہ حق تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ گیا اور اس کے حکیم ہونے کا اسے یقین کامل ہو گیا اس نے سب کاموں کو خدا پر چھوڑ دیا۔ اسی حال کا مبالغہ ہے کہ بعض بزرگوں نے دعا بھی چھوڑ دی لیکن سنت یہی ہے کہ حال تو وہی ہو اور پھر دعا کرے۔ ہے بڑا مشکل کام دونوں کو جمع کرنا لیکن کمال یہی ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۳۹)

طریق تحصیل: حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتوں اور اپنی گزشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۳)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

چھٹا خطبہ

محبت، شوق، انس ورضا

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

محبت کے معنی تو ظاہر ہیں کہ دل کا مائل ہونا ہے اور شوق وانس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی چیز ایک درجہ میں غائب ہو اور ایک درجہ میں حاضر ہو تو جس وقت غائب کی طرف خیال کر کے طلب غالب ہو جاوے تو وہ شوق ہوا اور جس وقت حاضر کی طرف خیال کر کے خوشی غالب ہو جائے اس کو اُنس کہتے ہیں اور رضا کے معنی یہ ہیں کہ قضا وقدر پر اعتراض کو ترک کر دے پھر اس میں دو درجے ہیں ایک یہ کہ تکلیف کا احساس بھی نہ رہے یہ رضائے طبعی ہے اور دوسرا یہ کہ احساس تکلیف اور رنج کا باقی رہے یہ رضائے عقلی ہے اور مامور بہ یہی ہے اور پہلا درجہ اسی پر مداومت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

آیات طیبات: حق تعالیٰ شانہ، نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ، نے فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شب وروز اس کی تسبیح کرتے ہیں اکتاتے نہیں۔

ف: اور عادتاً ایسا حال بدون شوق کے نہیں ہوسکتا۔۱۲۔ ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔

ف: اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انس حاصل شدہ نعمت پر خوشی کو کہتے ہیں پس اس آیت سے اس کا مامور بہ ہونا ثابت ہو گیا۔

تنبیہ: ایک ضروری امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ خوشی کو حد سے نہ بڑھنے دے اور بجائے شکر کے لڑائی نہ کرنے لگے ورنہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ کا مصداق بن جاوے گا ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

حدیث ۱: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا ہے اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو تجھے محبوب رکھتا ہو اور وہ عمل مانگتا ہوں جو

تیری محبت تک پہنچادے۔ اے اللہ میرے لئے اپنی محبت کو میری جان اور مال اور اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ (ترمذی)

حدیث ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے اللہ میں تجھ سے تقدیر پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈا عیش مانگتا ہوں اور تیرے دیدار کی لذت مانگتا ہوں اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔ (نسائی)

حدیث ۳: ونیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی جماعت اس حال میں نہیں بیٹھتی کہ اللہ کا ذکر کرتی ہو مگر ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان (مقرب فرشتوں) سے کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (مسلم) اور سکینہ یعنی خوشی ہی کا نام انس ہے جیسا کہ پیشتر معلوم ہو چکا ہے۔

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں ان سے ایسے محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے (رکھنا ضروری) ہے اور جو مومن ان کو (صرف) اللہ سے بہت ہی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم لوگ جب کسی مصیبت کو دیکھتے تو سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت (وقدرت) اللہ ہی کو ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اضافہ: اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے خدا اس کے ملنے کو محبوب رکھتا ہے اور جو رضائے خداوندی کو ناپسند کرتا ہے خدا اس کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

معززین سامعین! آج کا خطبہ جمعہ چار موضوع محبت، شوق اور انس ورضا کے بیان سے متعلق ہے۔

محبت

۱ – والذین امنوا اشد حبا للّٰہ. (البقرۃ آیت: ۱۶۵)

"اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔"

ف–۱: اس میں دلالت ہے کہ مطلق محبت غیر اللہ کی محبت الٰہیہ کے منافی نہیں۔ (جیسا کہ لفظ اشد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی درجہ میں دوسرے کی محبت ہے) (مسائل السلوک بیان القرآن ص ۵۱)

۲–اس آیت کی رو سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کے ساتھ اس کو شدت بھی ہر

مومن میں پائی جاتی ہے۔ ضعف محبت کسی مسلمان میں پایا نہیں جاتا اور نہ پایا جا سکتا ہے کیونکہ شدت محبت کی نفی سے ایمان کی بھی نفی ہو جائے گی تو اس اعتبار سے مراتب کا اختلاف شدت بلکہ اشدیت ہی میں رہا کہ کسی کو اشد محبت ہے اور کسی کو اشد سے بھی اشد۔

اگر محبت کی بالکل نفی کی جائے گی تو اس کے ساتھ ایمان کی بھی نفی کرنی پڑے گی)

۲-یآ یھا الذین امنوا من یرتدمنکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہٗ. (المائدہ آیت ۵۴)

"اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔"

ف: آیت مذکورہ میں نہایت عظیم الشان اور قابل اعتبار قوم کی جو پہلی صفت بیان کی گئی کہ خدا کو ان سے محبت ہوگی اور ان کو خدا تعالیٰ سے۔ اس سے صفت محبت کا سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں محبت ہی اساس ہے راس ہے جڑ ہے اصل اور بنیاد ہے۔ جب یہ بات ہے تو اے صاحبو! آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی۔ (طریق القلندر ص ۴۲)

احادیث مبارکہ

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"جو شخص دوست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو، دوست رکھتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو۔ اور جو شخص اللہ شانہٗ کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو برا سمجھتے ہیں۔" (متفق علیہ)

"اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو تجھے محبوب رکھتا ہو اور وہ عمل مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ میرے لئے اپنی محبت کو میری جان اور مال اور اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ (رواہ الترمذی)

"اے اللہ میرے لئے اپنی محبت کو تمام چیزوں کی محبت سے مرغوب تر کر دیجئے اور ڈر کر میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ خوفناک دیجئے اور اپنی ملاقات کا شوق دے کر دنیا کی تمام حاجتیں مجھ سے قطع کر دیجئے اور جبکہ آپ نے اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کی ہیں تو میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر دیجئے۔ (الحزب الاعظم، ملا قاری)

ماہیت: طبیعت کا مائل ہونا ایسی چیز کی طرف جس سے لذت حاصل ہو یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۴)

مستحق محبت صرف حق سبحانہ کی ہی ذات ہے

درحقیقت خدا تعالیٰ ہی مستحق محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہر بات ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اس کا فتویٰ دیتی ہے اس لئے کہ محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں یا تو یہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان خاطر ہو یا یہ کہ اس میں کوئی کمال سمجھا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو جیسے حاتم طائی سے اس کی سخاوت کے سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب یا کسی عالم فاضل سے اس کے علم و فضل کے سبب محبت ہوتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہ محبت میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ سب اس مخلوق و مملوک محتاج ہیں جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ انہی کے حسن و جمال کے فیض سے حسین و جمیل بنے بیٹھے ہیں۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بندایں نگا رہا

(وہ حسین خود کیسا ہوگا جس کے پیدا کئے ہوئے نقش و بندھن کتنے حسین ہیں)

علیٰ ہذا صاحب کمال اتنے ہیں کہ علم کامل انہی کو ہے۔ نیز ہر صفت کمال علیٰ وجہ الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے تو انعام ونوال اور حسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے عقلاً و نقلاً ان ہی میں ہے پس وہی مستحق محبت ہے۔ (آثار المحبت ص ۲۰، ۲۱)

حق تعالیٰ شانہ سے محبت عقلی ضرور ہونا چاہیے

محبت کی دو قسمیں ہیں محبت طبعی (۱) اور محبت عقلی (۲)۔ محبت طبعی اختیاری نہیں اس کا حدوث و بقاء بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقاء اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبت عقلی افضل و راجح ہے۔ محبت طبعی کا منشاء جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حب عقلی ہے نہ کہ طبعی۔ اس لئے نصوص میں جب طبعی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں بلکہ جابجا حب کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حب طبعی مطلوب نہیں، بالکل حب عقلی مطلوب ہے۔ (اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے کمالات کے بارے میں سوچے جن میں سے چند سابقہ سرخی میں ذکر ہوئے اور چونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے حب عقلی نہیں ہوسکتی اور چونکہ محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہوسکتے اس لئے اس کی محبت بھی ختم نہ ہوگی ہمیشہ باقی رہے گی۔)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حب عقلی والوں (یعنی کاملین) میں حب طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے باقی جن پر حب عقلی کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات ان میں محبت طبعیہ بھی اوروں سے زیادہ ہوتی ہے مگر حب عقلی غالب ہونے سے جوش دبا رہتا ہے بہر حال کاملین تو حب عقلی اور طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں مگر ان میں غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے اور یہ گو کمال نہیں مگر محمود ضرور ہے اور جو دونوں سے کورا ہے وہ خطرہ میں ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت عقلی فرض ہے

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو (اسے محبت کہتے ہیں) یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔ محبت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غیر مامور بہ ہے مگر نعمت ہے اور وہی ہے پھر اس میلان کے آثار میں سے رضا محبوب کو رضائے غیر محبوب پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی ہے جو فرض اور واجب ہے۔ پھر اس ترجیح کے باعتبار محل اقسام ہیں چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے بدوں اس کے بندہ مؤمن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں کوئی اوسط اور کوئی واجب کوئی اعلیٰ و مستحب۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۱، بصائر حکیم الامت ص ۳۴۶)

محبت کے بغیر اعمال کم جان ہیں

محبت کی مثال بھاپ کی سی ہو سکتی ہے دیکھو گاڑی دھکیلنے سے بھی چل سکتی ہے لیکن اس کی رفتار برائے نام ہوگی اور انجن میں آگ سلگا کر بھاپ تیار کی جائے تو یہی ریل گاڑی پہلے سے کئی گنا زیادہ فاصلہ چند منٹوں میں طے کر لے گی۔

اسی طرح اعمال صالحہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تقویٰ اور طہارت کی مثال بدوں محبت حق شانہٗ کے ہے یعنی ہر عمل بے روح یعنی کم جان ہے گو بالکل بے جان نہیں۔ اس کی رفتار ایسی ہے جیسے ٹھیلہ کی۔ ٹھیلہ دھکیلنے کے لئے اول تو نیچے اترنا پڑتا ہے اور پھر بہت زور لگانا پڑتا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں بہت اچھی اچھی ہیں بھاپ بنانے کے لئے سب سامان دیا، کوئلہ بھی پانی بھی، دیا سلائی بھی۔ مگر آگ سلگائے کون اور بھاپ بنائے کون اس کی سستی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کو حرکت دینا گراں ہو رہا ہے۔ (یہاں بھی اعمال صالحہ کے ساتھ محبت حق شانہٗ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔)

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　　که دراز و دور دیدم رہ و رسم و پارسائی

(طریق زہد خشک بہت دور دراز کا راستہ ہے تجھے تو آپ طریق عشق میں چلائیے)

''پس قلندر وہ ہے جس میں عمل اور محبت دونوں جمع ہوں اور جس کی یہ شان ہو۔

بر کف جام شریعت بر کف سنداں عشق　　ہر ہوسنا کے نداند جام سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں پیمانہ شریعت، دوسرے ہاتھ میں عشق ومعرفت کی)

شیطان کی گمراہی کا سبب

بقول محققین، شیطان اس لئے گمراہ ہوا کہ اس کو حق تعالیٰ سے ضابطہ کا تعلق تھا۔ محبت وعشق نہ تھا اور ملائکہ میں عشق ومحبت کا اثر موجود تھا اس لئے حکم کے ساتھ ہی فوراً سجدہ میں گر پڑے۔

اور شیطان نے سجدہ نہ کیا۔

گیا شیطان مارا اک سجدے کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

محبت دافع وسوسہ ہے

حضرت محبت وعشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی قول و فعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ص ۲۳۱)

محبت کا مقتضا رضا وتفویض ہے

محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سارے تصرفات پر راضی رہے، اپنی ساری تجویزوں کو فنا کردے، دل لگنے نہ لگنے کا طالب نہ ہو لذت وذوق کی ہوس نہ کرے بلکہ کام میں لگا رہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ص ۲۳۲)

حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت رکھنے کا طریقہ

سب سے پہلے اس کام کی پختہ نیت کرلیں کہ جیسے ہو خدا تعالیٰ کی محبت کرنی چاہیے۔ اس کے بعد گزشتہ گناہوں سے توبہ کیجئے اور آئندہ کے لئے اہتمام کرکے گناہوں کو چھوڑ دو۔ اول اول ضرور تکلیف ہوگی مگر انشاء اللہ پھر مدد ہوگی اور کام آسان ہو جائے گا۔ اس کو قرب میں بڑا دخل ہے دوسرے کسی اللہ والے سے تعلق رکھو۔ اس سے امراض قلبی کا علاج کراؤ اور اگر وہ بیعت کرلے تو بیعت بھی ہو جاؤ۔ تیسرے یہ کہ تھوڑا سا وقت ذکر کے لئے معین کرلو چاہے پندرہ منٹ ہی ہوں اور ذکر اس نیت سے کرو کہ دل میں محبت خداوندی پیدا ہو جائے۔ (وحدت الحب ص ۳۶)

۴- کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں۔ ان کی نعمتیں اور احسانات یاد کرنے سے بھی محبت پیدا ہوگی۔

۵- خدا تعالیٰ سے محبت بڑھنے کیلئے دعا کیا کرو۔ (آثار المحبت ص ۲۳،۲۴)

۶- اعمال صالحہ کو صرف عادت جان کر نہ کرو بلکہ اس نیت سے کرو کہ اللہ سے آپ کی محبت پیدا ہو جائے۔ سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے۔ (طریق القلندر ص۳۱)

غرض اوراد، اذکار، نماز، تلاوت وغیرہ جو نیک عمل کرے اسی نیت سے کرے کہ حق تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور اس کی رضا حاصل ہو۔ خلاصہ اعمال صالحہ کو خالی الذہن ہو کر بطور عادت کے نہ کرے اور جو کیفیت حضور حق کی اس عمل سے پیدا ہو اس کو بعد فراغ محفوظ رکھنے کا برابر خیال رکھے۔ ذہن اور دھیان کی اس طریق میں سخت ضرورت ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج۲،ص ۵۶۶)

۷- دنیا کے علائق کو قطع کرنا یعنی غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکالنا کیونکہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں۔ (تعلیم الدین) دنیا کی محبت ٹھکرا دے اللہ کی محبت لازم ہے۔

۸- اللہ تعالیٰ کے کمالات اور اوصاف کو سوچنے سے دل میں ان سے محبت ہوگی۔

۹- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ہر اہتمام کرے اللہ سے محبت قائم ہو جائے گی۔

قولہٗ تعالیٰ: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ.

یا اللہ ہم سب کو اپنی ذات عالی سے محبت نصیب فرما۔ آمین!

یارب ایں قطرہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

(یا اللہ یہ محبت کا ایک قطرہ ایسا ہے کہ میں نے اسکے پانی کا ایک قطرہ پیا اور دریا کے برابر رویا)

شوق

فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

۱- **من کان یرجوا لقآء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاٰت** (العنکبوت:۵)

"یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو اللہ کی مدت یعنی موت آنے والی ہے۔"

ف: اس میں اہل شوق کی تسلی ہے۔ **کما قال ابو عثمان الخیر قشیریہ۔** (تعلیم الدین ص۲۶)

۲- **یسبحون اللیل والنھار لا یفترون.**

"اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ) وہ شب وروز اس کی تسبیح کرتے ہیں اکتاتے نہیں۔

ف: اور عادتاً ایسا حال بدوں شوق کے نہیں ہوسکتا۔ (خطبات الاحکام ص ۱۴۱)

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

۱- واسئالک النظر الی وجھک والشوق الی لقائک.

"مانگتا ہوں تجھ سے زیارت تیرے وجہہ مبارک کی اور شوق تیری ملاقات کا۔ (نسائی)

۲- لایتمنین احدکم الموت لضر نزل به. (متفق علیه)

"تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کسی تکلیف کے سبب جو اس پر نازل ہو۔

ف: یہ قید لضر اس پر دال ہے کہ شوق الی القاء اللہ کے سبب جو موت کی تمنا ہو اس کی ممانعت نہیں اور یہ بے شمار بزرگوں سے منقول ہے۔ (التشرف بمعرفت احادیث التصوف)

چنانچہ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم و زپے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا درمیکدہ شاداں وغزل خواں بروم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

اسی طرح ایک بزرگ نے وصیت کی کہ میرے جنازے کے ساتھ ایک شخص خوش الحانی کے ساتھ یہ شعر پڑھتا ہوا جائے:

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو　　شیئا للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بر دست و بر بازوئے تو

(خیر الحیات وخیر الممات ص ۵۸،۵۹)

(آپ کے دربار میں مفلس ہو کر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقے کچھ عنایت کیجئے ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھائیے آپ کے دست وبازو پر آفریں ہے)

۳- اللّٰھم انی اسئلک شوقاً الی لقآئک فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة.

(یعنی اے اللہ مجھے ایسا شوق عطا ہو جس میں مصیبت آزار دینے والی اور بلا گمراہ کرنے والی نہ ہو)

ف: اس میں دو قیدیں ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسا شوق عطا ہو جس میں ضراء مضرہ نہ ہو یعنی ضرر ظاہری اور فتنہ مضلہ نہ ہو یعنی ضرر باطنی کیونکہ غلبہ شوق میں کبھی جسم کو بھی ضرر پہنچ جاتا ہے کہ شوق میں بے چین ہو کر گھلنے لگتا ہے اور باطنی ضرر بھی ہو جاتا ہے کہ بعض لوگ حد ادب سے نکل جاتے ہیں جیسے غلبہ شوق میں بعض عشاق محبوب کے پیروں میں گر پڑتے ہیں اور اس کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں بعضے زبردستی اس کا ہاتھ کھینچ لیتے اور چومتے ہیں بعض دفعہ کسی قابل نہ ہو چند حالات وکیفیات عطا ہونے سے اپنے کو کامل سمجھنے لگتے ہیں۔ (استقامت ص۱۰،۱۱)

ماہیت: جس محبوب کا من وجہ علم ہو اور من وجہ علم نہ ہو اس کو بکمالہ جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا شوق کہلاتا ہے۔ (تعلیم الدین ص۱۱۴)

ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور آخر میں انس کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً بات بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ مگر لوگ انہیں آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور انس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہو جاتے ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضا طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو، نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا کی جائے۔ (شریعت وتصوف ص۱۶۵)

طریق تحصیل

محبت کا پیدا کر لینا کیونکہ محبت کے لئے شوق لازم ہے۔ (تعلیم الدین ص۱۱۴) اور حق تعالیٰ شانہ، سے محبت کا طریقہ یہ ہے (۱) اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں۔ (۲) حق تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے احسانات یاد کیا کریں۔ (۳) تھوڑی دیر ذکر کر لیا کریں (اگر ذکر خلوص سے کریں تو پھر کیا کہنا لیکن اگر خلوص نہ ہو تو پھر فلوس بھی نہ ہو)۔ (خیر الحیات وخیر الممات ص۶۷،۷۹)

انس

ارشاد فرمایا اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے:

۱- ھو الذ انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین. (سورۃ الفتح آیت ۴)

”وہ اللہ ایسا ہے کہ اتار اتسکین اور اطمینان کو مؤمنین کے دلوں میں“

ف: انس سکینہ کی اقسام میں سے ہے۔

۲- قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ (سورۃ یونس آیت ۵۸)

"آپ کہہ دیجئے لوگوں کو کہ خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔

ف: انس حاصل شدہ نعمت پر خوشی کو کہتے ہیں۔ پس اس آیت سے اس کا مامور بہ ہونا ثابت ہو گیا۔ تنبیہ: ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ خوشی کو حد سے نہ بڑھنے دے اور بجائے شکر کے اکڑنہ کرنے لگے ورنہ ان اللہ لا یحب الفرحین۔ (القصص آیت ۷۶)

بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتے کا مصداق بن جائیگا۔ (خطبات الاحکام)

ماہیت: جو چیز من وجہ ظاہر و معلوم ہو اور من وجہ مخفی و مجہول ہو۔ اگر وہ وجود مخفیہ پر نظر واقع ہو کر اس کے ادراک کی خواہش ہو اس کو شوق کہتے ہیں اور اگر وجوہ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح و سرور ہو اس کو انس کہتے ہیں۔ یہ فرحت کبھی یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ مطلوب کے صفات جلال پیش نظر نہیں رہتے اور اس وجہ سے اس کے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہونے لگتی ہے۔ اس کو انبساط اور ادلال کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بھی آثار محبت سے ہے۔ اس کی تحصیل کے لئے کوئی جداگانہ طریق نہیں ہے۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۵)

انس من جملہ احوال مقامات میں اس کا ذکر طبعاً آ گیا کیونکہ یہ آثار محبت سے ہے۔ (تعلیم الدین)

جنت میں صرف انس ہوگا شوق نہیں

جنت میں چونکہ انسان کی ہر مراد اور ہر مطلوب اس کو حاصل ہوگا کیونکہ شوق میں ایک گونہ کلفت ہے اور جنت میں کلفت کا نام نہیں۔ وہاں راحت ہی راحت اور لذت ہی لذت ہوگی۔ رہا یہ سوال کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ شانہٗ کی زیارت اور مشاہدہ ہے مگر کبھی ظاہر ہے کہ یہ مشاہدہ ذات و صفات کی کنہ اور حقیقت کا نہیں ہوگا تو جس قسم کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ اس سے تو اہل جنت کا انس معلوم ہونا صحیح ہے لیکن جو درجہ مشاہدہ جمال حق کا اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ اس کا تو شوق ہونا چاہیے۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ شوق کا تعلق اس غیر حاصل مقصود سے ہوتا ہے جس کا حصول انسان کی قدرت و استعداد سے خارج ہو اس کے ساتھ شوق کا تعلق نہیں ہوسکتا جیسے دنیا میں کسی انسان کو آسمان کے اندر زندہ جانے اور پھر واپس آنے کا شوق نہیں ہوتا۔ جنت میں جس قسم کا مشاہدہ جمال حق انسان کی قدرت میں ہے تو وہ

حاصل ہو جائے گا۔ اور وہ جو حاصل نہیں اس کی استعداد اور قدرت سے خارج ہوگا۔ اس لئے اس کا شوق بھی نہیں ہوگا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۳۴۰)

رضا

ارشاد فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے:

۱-ورضوان من اللّٰہ اکبر. (التوبہ آیت نمبر ۷۲)

''اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔''

ف: یہاں رضا کو اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی (رضا) بڑی چیز ہے۔ (بصائر حکیم الامتؒ)

۲-یحلفون باللّٰہ لکم لیرضوکم واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین. (التوبہ آیت نمبر ۶۲)

''یہ منافقین تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو راضی کرلیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے۔

ف: حاصل آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی لوگوں کی رضا پر مقدم کرنا چاہیے۔ (ارضاء الحق)

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

۱-من سعادۃ ابن ادم رضاہ بما قضے اللّٰہ لہ. (ترمذی و احمد)

''آدمی کی سعادت ہے راضی رہنا اس پر جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہو۔''

۲-واسئلک الرضاء بعد القضاء واسئلک برد العیش بعد الموت. (رواہ نسائی)

''اے اللہ میں تجھ سے تقدیر پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈا عیش مانگتا ہوں۔''

۳-اللّٰھم انی اسئلک الصحۃ والعفۃ والامانۃ و حسن الخلق والرضیٰ بالقدر.''

''اے اللہ میں آپ سے تندرستی، پاک دامنی، امانت داری اور حسن خلق اور آپ کی تقدیر پر راضی رہنا مانگتا ہوں۔''

ف: اس دعا میں پہلے تو چند دینی کمالات کے حاصل ہونے کی دعا ہے آخر میں یہ دعا ہے بہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت وتقدیر پر راضی رہوں خواہ وہ میری تمنا اور کوشش کے خلاف ہی ہو۔ (مجالس حکیم الامت ص ۷۰)

رضا کی حقیقت

رضا کی حقیقت ہے ترک الاعتراض علی القضاء یعنی قضائے الٰہی پر اعتراض نہ کرنا۔ نہ زبان سے نہ دل سے۔ بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی۔ (تعلیم الدین ص ۱۴۷)

پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے۔ اول حال ہے جس کا عبد مکلّف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔

(شریعت وطریقت ۱۵۷، وبصائر حکیم الامت ص ۳۸)

تکلیف کے باوجود قضا پر راضی رہنے کی مثال یوں ہے مثلاً طبیب کسی مریض کو تلخ دوا پینے کو دے یا آپریشن کرانا یا فصد کھلوانا تکالیف دہ باتیں ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ صحت ہے۔ اس لئے مریض بطیّب خاطر اس پر راضی رہتا ہے اسی طرح ہر تکلیف پر چونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اجر اور ثواب کا وعدہ ہے اس لئے اس حال میں بھی ضرور شاداں وفرحاں رہنا چاہیے کیونکہ ؎

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

محقق جو رضا و تکلیف کو جمع کر لیتا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ عقلاً خوش ہوتا ہے۔ اور طبعاً متالم ہوتا ہے۔ تکلیف کی بات سے طبعاً تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر عقلاً اس وجہ سے کہ ؎

ہر چیز از دوست مے رسد نیکوست

(جو چیز دوست کی طرف سے پہنچے وہ تکلیف شیریں ہو جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

رضائے حق ہر حال میں مقدم ہے

خدا کی قسم اگر ہمیں پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی رہے تو وہی ہماری سلطنت ہے اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کی جائے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱، ص ۴۰۰)

مدرسہ مقصود نہیں صرف رضائے حق مقصود ہے

ایک زمانہ میں مدرسہ دار العلوم دیوبند کے خلاف دیوبند میں بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ تھا کہ ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران میں بڑھایا جائے۔ حضرت گنگوہیؒ اس کو منظور نہ فرماتے یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا۔ میں نے حضرت گنگوہیؒ کو ایک خط لکھا کہ اس وقت اگر شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کا کچھ نقصان نہ ہو گا کیونکہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدام کی اور کثرت رائے سے

ہی فیصلہ ہوسکتا ہے ان کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے تو حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "ہم کو مدرسہ مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے۔ اس لئے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس پر ہم سے مؤاخذہ ہوگا۔ اگر اہل شہر کے فتنہ سے بند ہوگیا تو اس کے جوابدہ وہ خود قیامت کے دن ہوں گے کیونکہ ان کے ہی فعل کا یہ نتیجہ ہوگا۔ ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔"

الحمدللہ جو بات مجاہدوں سے برسوں میں بھی حاصل نہ ہوئی وہ بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل ایک ساعت میں حاصل ہوگئی۔ حضرتؒ نے اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا وہ بڑا علم ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں ہیں صرف رضائے حق مقصود ہے نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب ہے نہ عمارت مقصود ہے صرف رضا مقصود ہے۔ اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت و طاقت ان میں کام کرتے رہو اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کردو۔ (رضاء الحق حصہ دوم ص ۵۰، ۵۱ معارف گنگوہیؒ)

مقصود اصلی اعمال نہیں صرف رضائے حق ہے

حضرتؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے خلط کر رکھا ہے کہ مقصود اصلی اعمال کو سمجھ لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اعمال میں مؤمن قوی اور مؤمن ضعیف برابر نہیں ہوسکتے اس لئے بعض آدمی غمگین ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں مقصود اصلی رضائے حق ہے اور اس میں قوی اور ضعیف اپنی اپنی قوت کے موافق عمل کرکے برابر ہوسکتے ہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۷۷)

دعا مانگنا رضا بالقضاء کے منافی نہیں

دعا کرنا خلاف رضا نہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگ دل نہ ہو دعا کرتے رہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ ص ۲۵۴)

اہل اللہ محض حکم سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ ہم نے جو مانگا ہے وہی مل جائے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ ص ۲۶۴)

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

پریشانی کا علاج رضائے خالق کی سعی ہے

اگر انسان وحی کو عقل پر ترجیح دے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ پریشانی کا سبب ہمیشہ معصیت ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے اگر خدا کو راضی کرنے کی سعی کی جائے تو اس بدتری اور پریشانی سے نجات ہو سکتی ہے ورنہ کوئی اور چیز اس سے نجات نہیں دلا سکتی۔ اس لئے خدا کو راضی کرنے کی فکر ہونا چاہیے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ص ۴۴۱)

دینی مدارس چلانے میں صرف رضائے حق مدنظر ہونا چاہیے

آج کل اہل مدارس نے مخترع (ذہنی) ثمرات کو مطلوب سمجھ رکھا ہے کہ ہمارا مدرسہ بارونق ہو، اس میں پانچ سو طلباء ہوں۔ پچاس مدرس ہوں اور ایسی عمارت ہو اور ہر سال اس میں سے اتنے طلباء فارغ ہوں اور یہ باتیں بدوں زیادہ رقم کے نہیں ہو سکتیں تو ہر وقت اس کی نظر آمدنی پر رہتی ہے اور جہاں سے چندہ آتا ہے رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ حرام اور مشتبہ مال کو واپس کرنا شروع کر دیں تو اتنی آمدنی کس طرح ہوگی جو اتنے بڑے کام کو کافی ہو سکے بس یہی جڑ ہے اس جڑ کو اکھاڑ پھینکو اور ثمرات پر ہرگز نظر نہ کرو، نہ زیادہ کام کو مقصود سمجھو بلکہ رضائے حق کو مقصود سمجھو۔ مدرسہ رہے یا نہ رہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ص ۳۱۷)

طریق تحصیل: استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں۔ (عبادۃ الرحمٰن ملحقہ اشرف السوانح ج:۳ص ۶۱۱)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو جملہ امور میں اپنی رضا و خوشنودی مدنظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور دیگر مخلوقات کی طرف نظریں اٹھانے سے ہمیں بچالیں۔

تری رضا میں ہے گر سارا جہاں خفا ہم سے اگر یہی ہے زیاں تب تو کچھ زیاں نہ ہوا

اور اپنی رضا و قرب نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

ساتواں خطبہ

علم دین کی فضیلت اور تاکید

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے (احکام شریعت کو) پہنچاؤ۔ اگرچہ ایک ہی آیت (یعنی تھوڑی سی بات اور چھوٹا سا جملہ) ہو۔'' (بخاری)

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ایسے راستے میں چلے کہ جس میں وہ علم (دین) کی جستجو کرتا ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دے گا۔'' (مسلم)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُس کو دین کی سمجھ فرما دیتا ہے۔'' (متفق علیہ)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑی فقط علم کی میراث چھوڑی ہے۔ پس جس شخص نے علم کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ (میراث انبیاء علیہم السلام کا حاصل کرلیا)۔'' (احمد، ترمذی وابوداؤد، ابن ماجہ ودارمی)

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (ابن ماجہ)

فائدہ: یہ حکم دوسرے احکام کثیرہ کی طرح مرد وعورت دونوں کے لیے ہے جیسا کہ بعض روایات میں مسلمۃ کا لفظ بھی آیا ہے۔ پس ہر ایک عورت و مرد پر اپنی اپنی ضروریات کے مسائل کا سیکھنا لازم ہے اور علم سے دین کا علم مراد ہے۔ پس جو لوگ اس حدیث شریف کو دنیوی علم حاصل کرنے کے لیے پڑھ دیتے ہیں وہ سخت غلطی اور تحریف دین کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ لیکن مزید حجت قائم کرنے

کے واسطے حدیث نمبر ۲ و نمبر ۷ ملاحظہ کر لی جائے۔

حدیث ششم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص سے (دین کی) کوئی ایسی بات دریافت کی گئی جس کو وہ جانتا ہو پھر بھی اس نے نہیں بتلائی تو قیامت کے دن اُس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' (احمد وابوداؤد، ترمذی)

ف: اگر سائل کی کسی مصلحت یا کسی عذر کی وجہ سے جواب نہ دیا جائے تو وہ اس وعید سے مستثنٰی ہے۔

حدیث ہفتم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ایسے علوم میں سے، جس سے اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے کچھ علم صرف اس واسطے سیکھے کہ اس کے ذریعے سے دنیا کا سامان حاصل کیا جائے وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔'' (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حدیث ہشتم: ''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم فرائض (فرائض سے مراد کل فرائض ہیں یا علم فرائض ہے والاول اقرب ۱۲ منہ) اور قرآن شریف سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ میری (ایک دن) وفات ہونے والی ہے۔'' (ترمذی)

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالٰی شانہ نے آیا وہ شخص (بہتر ہے) جو اوقات شب میں سجدہ و قیام کرتے ہوئے عبادت میں لگا ہوا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید کر رہا ہو (یا وہ جو کہ نافرمان ہے آپ کہہ دیجئے کہ کیا) علم والے اور بے علم والے برابر ہو سکتے ہیں، وہی لوگ غور کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔''

ف: اس آیت مبارکہ سے علم کی اور اس میں غور کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

محترم بزرگو اور دوستو!

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے　　شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

خطبہ جمعہ کی آیات و احادیث اور اس کے ترجمہ کے بیان کے ضمن میں علم دین کی فضیلت اور اس کے ضروری ہونے کا بیان آپ سن چکے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ ضروریات دین کا علم ہر مسلمان کو حاصل ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عربی تعلیم مکمل کرے اور درس نظامی کا فارغ ہو کیونکہ ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور ہر شخص میں اتنی قوت اور لیاقت نہیں کہ جملہ علوم دینیہ پر عبور حاصل ہو بلکہ ضروریات

دین مثلاً سب سے اہم اور ضروری عقائد ہیں' ایمان لانے کے بعد یہ عذر قابل قبول نہیں کہ مجھے عقائد صحیحہ کا پتہ نہیں بلکہ انہیں سیکھنا ہوگا خواہ اُردو کی دینی کتابیں پڑھ پڑھ کر یا علماء ربانی سے پوچھ پوچھ کر مگر کتابوں کا انتخاب خود نہ کرے بلکہ کسی شیخ کامل یا کسی عالم حقانی سے کرائے۔ اسی طرح نماز کے احکام اور مسائل سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے کیونکہ نماز ہر امیر' غریب اور متوسط مسلمان پر فرض ہے کسی پر معاف نہیں۔ آج کل بہت سے مسلمان نماز پڑھتے ہیں مگر ان کو نماز صحیح طریقہ کا علم نہیں' نماز پڑھنا نہیں آتی' تشہد' دعائے قنوت اور چند سورتیں یاد نہیں' نماز جنازہ کی دعاؤں کا تو پھر کیا پوچھنا' پرانے نمازیوں کو بھی شاید درست یاد ہوں پھر الفاظ نماز کی ادائیگی تجوید و قرأت کے مطابق درست نہیں۔ مسلمان کہلانے کے بعد قیامت کے دن یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ مجھے پتہ نہیں تھا' معلوم نہیں تھا اس لیے حاصل نہ کر سکا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اور بقول عارف رومیؒ

میم واو میم نون تشریف نیست لفظ مؤمن جز پے تعریف نیست

یعنی جس طرح لڈو کہنے سے منہ میٹھا نہیں ہوتا' لڈو کھانے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح مؤمن کہنے سے مؤمن نہیں ہوتا بلکہ ایمان وعمل سے ہوتا ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہیں اس لیے ان کے احکام جاننا اور مسائل سیکھنا ہر مسلمان پر لازم ہیں تاکہ کوئی ایسی غلطی نہ ہوجائے جس سے روزہ فاسد ہوجائے' محنت اکارت جائے اور ثواب بھی نہ ملے یا کفارہ لازم ہو اور اسے پتہ بھی نہ ہو محض اپنی خوش فہمی میں مبتلا رہے۔

زکوٰۃ چونکہ صرف صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے اس لیے ہر عام وخاص مسلمان پر زکوٰۃ کے مسائل واحکام جاننا ضروری نہیں بلکہ جب نصاب کا مالک بن جائے تو اس پر زکوٰۃ کے مسائل سیکھنا ضروری ہوگا تاکہ کسی غیر مستحق کو زکوٰۃ دے کر اپنی زکوٰۃ ضائع نہ کر بیٹھے۔ زکوٰۃ کا نصاب' مستحقین زکوٰۃ کون ہیں؟ زکوٰۃ کتنے سرمایہ پر کتنے عرصہ کے بعد کس مقدار سے نکالی جاتی ہیں؟ سب مسائل جاننا ضروری ہوگا۔

اسی طرح حج چونکہ صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے ہر مسلمان پر حج فرض نہیں۔ اس لیے جب حج فرض ہوجائے تو اس کی تیاری کے ساتھ ساتھ حج کے مناسک اور احکام سیکھ

لینا ضروری ہے تاکہ وہاں پہنچ کر اس کا افسوس نہ رہے۔

یہ حسرت رہ گئی باقی کہ پہلے سے حج کرنا نہیں سیکھا کفن بردوش جا پہنچا مگر مرنا نہیں سیکھا

اکثر مسلمان حج کیلئے جاتے ہیں اور احکام حج نہ جاننے کی بناء پر ان پر کفارہ یا دم لازم آتا ہے مگر انہیں اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ یہ مفہوم ہے اس کا کہ ہر مسلمان پر علم طلب کرنا فرض ہے۔

علم سے مراد علم دین ہی ہے۔ دنیوی علم ایک فن ہے جس کے ذریعے روزی کمائی جاتی ہے۔ علم کہلانے کا مستحق صرف علم دین ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے۔

بعض لوگ ایک ضعیف روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ علم حاصل کرو خواہ چین ہی میں کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت چین میں علم دین کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس لیے لَو کا لفظ استعمال فرمایا گیا کہ بفرض محال اگر چین میں علم دین حاصل ہوسکتا تو تمہیں وہاں بھی حاصل کرنے جانا چاہیے تھا' عمل کے لیے بھی علم ضروری ہے' اعمال صالحہ بھی صحیح علم کے بغیر نہیں کرسکتا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کو پتہ چلا کہ فلاں بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان کی زیارت کیلئے مع احباب روانہ ہوئے' راستہ میں معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک جگہ ریت پر نماز پڑھی تھی' ان کے سجدہ کا کف دست کا نشان خلاف سنت لگا ہوا تھا یہ دیکھ کر وہیں سے واپس لوٹ گئے کہ جو شخص خلاف سنت سجدہ کرتا ہو وہ کبھی بھی ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عابد جنگل میں شب و روز عبادت الٰہی میں مصروف تھے۔ ایک عالم ان کی زیارت کے قصد سے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ اس نے ایک آنکھ اور ناک کا ایک سوراخ کسی چیز سے پختگی سے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ اور سانس لینے کے لیے ایک سوراخ کافی ہے۔ ان عالم صاحب نے فرمایا کہ اس عابد کا وضو اور غسل درست نہیں تو عبادت کیا قبول ہوگی؟

علم کی حقیقت

علم کی حقیقت اور مقصود یہ ہے کہ بندہ کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔ "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط" (بے شک اس کے بندوں میں علماء ہی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر

ایک بوتل میں زہر بھرا ہوا ہو تو ہر شخص دور سے گزرے گا کوئی شخص اسے کھولنے اور چکھنے کی کوشش نہ کرے گا۔

اب ایک شخص قصداً نماز ترک کرنے، جماعت چھوڑنے اور بلا عذر گھر میں نماز پڑھنے کی وعیدوں کا علم ہے اور پھر وہ جان بوجھ کر اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو صاحب علم کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

لاکھ درس علم و حکمت سے کہیں بڑھ کر ہے یہ دل میں کچھ خوف خدا کر دے جو پیدا مدرسہ

غرض عالم کہلانے کا مستحق وہی ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو۔ علم دراصل وہی ہے جو تعلق مع اللہ کا سبب بنے ورنہ

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ دوست مجلس وہ ہے وبال جہاں یادِ حق نہ ہو

دراصل علم تصوف کا حصول فرض عین ہے اس سے علم اخلاص، نفس کی آفتوں، شیطان کے خطروں وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ اخلاق حمیدہ، معرفت الٰہی، اس کی ذات وصفات کا پتہ چلتا ہے اس کو علم باطن بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح علم فقہ جس سے عبادات، حلال و حرام جائز و ناجائز اور معاملات کا پتہ چلتا ہے۔

علم دین کے بعد علم طب ہے اسی کو کہا گیا کہ علوم کی دو قسمیں ہیں علم ادیان اور علم ابدان۔ علم طب کے علاوہ علم ریاضی کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ اس کی وصیتوں اور ترکوں وغیرہ کی تقسیم میں ضرورت پڑتی ہے۔ کاشتکاری، سیاست اور صنعتوں کو جاننا بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ یہ حصول معاش اور کسب حلال کا ذریعہ ہیں۔ شعروشاعری جس میں کچھ نقصان نہ ہو اور علم تاریخ مباں ہیں۔

غرض علم کا مصداق صرف علم دین ہی ہے جس کی نسبت حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو علم دین کی طلب میں نکلتا ہے فرشتے اس کی راہ میں پر بچھاتے اور سمندر کی مچھلیاں اور خشکی کے درندے اور چوپائے اور آسمان اور ان کے ستارے سب اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔" (اوکما قال) دوسرے علوم دین کے سامنے علوم ہی نہیں جیسے آفتاب کے سامنے تاروں کو کوئی منور نہیں کہتا حالانکہ تاروں میں بھی روشنی ہوتی ہے۔ اسی طرح علم دین کے سامنے کفش دوزی اور زراعت وفلاحت کا حال ہے۔ اسی طرح علوم دنیا کو علم مت کہو فن کہو، پیشہ کہو، حرفت کہو۔

طالب علم دین کو بھی علم دین محض حصول رضائے الٰہی کیلئے علم حاصل کرنا چاہیے۔ دنیا خود اس کے قدموں میں آپڑے گی۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہ جس مدرسہ میں پڑھتے تھے بادشاہ نے اس کا معائنہ کیا اور ہر طالب علم سے حصول علم کا مقصد پوچھا۔ سب طلباء نے اپنے مختلف مقاصد دنیوی، قاضی بننے، خطیب بننے، مدرس بننے، مصنف بننے اور حصول مال وجاہ

وغیرہ بیان کیے۔ اس پر سلطان نظام الملک نے مدرسہ بند کرنے کا ارادہ کیا کہ اس قدر وسیع اخراجات کے باوجود سب حصول دنیا کے لیے علم حاصل کرر ہے ہیں آخرت کی خاطر کوئی نہیں پڑھ رہا۔ اس نے ذمہ داران مدرسہ سے دریافت کیا کہ سب طلباء کا انٹرویو مکمل ہو چکا ہے یا ابھی کوئی باقی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک طالب علم مطالعہ میں مستغرق ہیں ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ بادشاہ وقت خود مدرسہ کا معائنہ کرر ہا ہے۔ نظام الملک خود ان کے پاس گیا مگر اس طالب علم نے ایک لمحہ کے لیے کتاب سے نگاہ نہ اُٹھائی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم بڑے مستغنی ہو؟ اس طالب علم نے جواب دیا کہ میرا مقصد کتاب کا مطالعہ کرنا ہے چہروں کا مطالعہ کرنا نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تمہارا پڑھنے سے کیا مقصد ہے؟ تو اس طالب علم نے کہا کہ میں نے ماں باپ سے سنا ہے کہ ہمارا ایک خدا ہے جس نے ہمیں زندگی عطا کی ہے تو وہ ایک محسن ہے اور اس کے حقوق مجھے معلوم نہیں ہیں اس محسن حقیقی حق سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق جاننے کے لیے تعلیم حاصل کرر ہا ہوں۔ نظام الملک نے کہا کہ میرا ارادہ تو اس مدرسہ کے توڑنے اور بند کرنے کا تھا لیکن جب تک تم اس میں پڑھتے رہو گے تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ جاری رہے گا۔ یہ طالب علم امام غزالی رحمہ اللہ تھے جن کے سبب مدرسہ ٹوٹنے سے بچ گیا۔ ع...... مراعات صد کن برائے یکے

عارف باللہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

جان جملہ علم ہا این است و این — کہ بدانی من کیئم در یوم دین

یعنی جملہ علوم کی روح یہ ہے کہ تم کو یہ فکر لاحق ہو جائے کہ آخرت میں کیا ہوگا۔ اس لیے علم دین حاصل کرنے میں نیت محض رضائے الٰہی کی ہونا چاہیے اور کوئی دنیوی غرض نہ ہونی چاہیے۔

مگر علم دین کی ایک خاص برکت یہ ہے کہ اگر کوئی محض دنیا کے لیے علم حاصل کرے مگر آخر کار ضرور اس کو فکر آخرت نصیب ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں (”میں نے علم سیکھا تو غیر اللہ کے لیے مگر علم نے نہ مانا اور وہ اللہ ہی کا ہو رہا۔)

آج کل مدارس علوم دینیہ کی طرف امریکہ کے اشارہ پر حکومت کی طرف سے بھی یلغار ہے اور طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جارہی ہیں اس لیے طلباء علوم دینیہ اور ان کے اساتذہ کرام بسا غنیمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدارس علوم دینیہ کو قائم و دائم رکھے اور شرور اعداء و حاسدین سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

آٹھواں خطبہ

عقائد کی درستگی

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل فرمائی تھی اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے (یا انکار کے مرادف کسی قول و فعل کا مرتکب ہو) بیشک وہ راہِ ہدایت سے بہت دور جا پڑا۔''

ف: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کا اور دوسری سب صفات کمال کا اعتقاد رکھے یعنی یہ سمجھے کہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تمام جہان کو اُسی نے پیدا کیا ہے وہ بڑی قدرت والا ہے وہ اپنے بندوں کے نیک کام کی بہت قدر کرتا ہے (یعنی اس پر خوب ثواب دیتا ہے) اور اپنے ارادے سے جو چاہتا ہے کرتا ہے تمام عالم میں جو کچھ ہونے والا تھا اس نے سب پہلے ہی سے لکھ دیا تھا (اس کو تقدیر کہتے ہیں) اس جیسی کوئی چیز نہیں اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی وہی سب کا خالق اور رازق ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے وہ غالب ہے حکمت والا ہے (یہ سب صفات قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور ان کے سوا اور بہت سی خوبیاں جن کی تفصیل دوسری کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ) اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں یعنی ہدایت خلق کے واسطے ان کو خدا نے بھیجا ہے اور وہ سچے ہیں جو احکام اور خبریں انہوں نے پہنچائی ہیں وہ برحق ہیں اور رسول پر اتاری ہوئی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ وہ خدائے قدوس کا کلام ہے۔ جبریل علیہ السلام اس کو لائے ہیں (اور سب پیغمبروں پر وحی لے کر یہی آیا کرتے تھے) اور پہلی کتابوں پر بھی یقین رکھتے کہ بیشک حق تعالیٰ نے توریت، انجیل، زبور وغیرہ نازل فرمائی تھی (لیکن اب ان کو یہود و نصاریٰ نے بدل دیا اور وہ منسوخ ہو چکی اب قیامت تک قرآن شریف ہی کا حکم جاری رہے گا اور قرآن شریف میں نہ کوئی تغیر و تبدل ہو سکا نہ آئندہ ہو سکے

یہ ہمیشہ محفوظ رہے گا' خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے) اور جو فرشتوں کے وجود کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے اور آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ مرنے کے بعد قبر میں (اور دفن نہ ہوا تو جس حال میں ہو اسی حال میں) سوال ضرور ہوگا اور قبروں سے قیامت کے دن اٹھایا جاوے گا اور نامہ اعمال تولے جاویں گے اور سب اعمال کا حساب ہوگا اور نیک بندوں کو حوض کوثر سے پانی پلایا جائے گا' دوزخ پر پل صراط رکھا جائے گا (جو بال سے باریک تلوار سے تیز ہوگا' جنتی لوگ اس پر سے پار ہو کر جنت میں پہنچیں گے اور دوزخی کٹ کٹ کر گر پڑیں گے) اور قیامت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت بھی کریں گے' جنت والوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہوگا (جو سب نعمتوں سے افضل ہے) اور جنت دوزخ ہمیشہ رہے گی نہ وہ کبھی فنا ہوں گی نہ ان میں رہنے والے مریں گے اس کے علاوہ اور بھی ضروری عقیدے ہیں۔ مثلاً تمام صحابہؓ کو عادل یقین کرنا اور ان سب سے چاروں خلفائے راشدین کو ترتیب وار افضل جاننا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کو برحق ماننا اور اولیاء اُمت کی کرامتوں کا قائل ہونا وغیرہ۔ غرض مسلمانوں کو عقائد کا سنوارنا نہایت ضروری ہے۔ زیادہ تفصیل اور کتابوں سے معلوم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ کرے اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے اور جنت نصیب فرماوے۔ (آمین ثم آمین)

معزز سامعین! آج کا موضوع انتہائی اہم ہے' عقائد کی درستی کے بیان میں۔

مسلمان کیلئے سب سے اہم ترین اور مقدم کام عقائد کی درستی ہے۔ عقائد عقیدہ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی ''گرہ'' کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں جن باتوں کا اعتقاد اور یقین رکھنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا وجود نہیں ہوتا' ان کو عقیدہ کہا جاتا ہے یعنی یہ باتیں دل میں گرہ کی طرح جمی ہوئی ہیں کہ کوئی شخص ان کو زائل نہ کر سکے۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش ... چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ... ہمیں است و بنیاد توحید زبس

موحد کے پاؤں میں خواہ سونا بکھیر دیا جائے یا اس کے سر پر شمشیر ہندی رکھ دی جائے۔ امید و خوف دونوں اس کے عقائد کو نہ ڈگمگا سکے۔ بس اسی کا نام توحید ہے۔

نہ لالچ دے سکیں تجھے ہرگز سکوں کی جھنکاریں ... ترے دست توکل میں تھیں استغناء کی تلواریں

اس لیے سب سے پہلے عقائد کا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ کن کن باتوں پر علم لانا ضروری ہے۔ آج کل اکثر مسلمانوں کو اس کی خبر نہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوقات جنس بشر سے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں

فرمایا: آج کل لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ایسا غلو کیا ہے۔ چنانچہ میرے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک سوال آیا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے؟ اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے میں تعجب تھا اور اس تعجب کا منشاء یہی ہوا کہ آپ میں بشریت کے علاوہ بعض وہ کمالات بھی تھے جو دوسرے انسانوں میں نہیں جس سے ناواقف کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ آپ بشر نہیں' ملک بصورت بشر انسان کی شکل میں فرشتہ یا (نعوذ باللہ) آلہ بصورت بشر ہیں۔ (الیسر مع العسر ص ۵)

اللہ علیم و خبیر نے ان لوگوں کی اصلاح کے لیے خود اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (الکہف:۱۱۰)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی بشر ہوں' میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

اس ارشاد سے مذکورہ غلط اور فاسد عقیدے کی اصلاح ہوتی ہے۔ نیز کلمہ شہادت میں اور ہر نماز کے تشہد میں یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' (یعنی بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔)

امام المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اور رئیس المورخین حضرت علامہ زرقانیؒ نے مواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے کہ امام الفقہاء الشیخ ولی الدین العراقیؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے اور عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لیے شرط ہے یا فرض کفایہ۔ ''فَاَجَابَ بِاَنَّهٗ شَرْطُ صِحَّةِ اِيْمَانٍ'' یعنی یہ صحت ایمان کی شرط ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت الیٰ جمیع الخلق (تمام مخلوق کے لیے نبی ہونے پر) ایمان رکھتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنس بشر میں سے ہیں یا ملائکہ میں سے یا جن میں سے' یا میں نہیں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی؟ تو فرمایا ''فَلَا شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ لِتَكْذِيْبِهِ الْقُرْاٰنَ'' تو بوجہ تکذیب قرآن (قرآن کو جھوٹا سمجھنا) اس کے کفر میں میں کوئی شک نہیں اور اس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرون اسلام ''خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ'' قائم رہے اور جو سب خاص و عام (یعنی سب مسلمانوں کو) معلوم ہے اور یہاں تک فرماتے ہیں ''وَلَا اَعْلَمُ ذٰلِكَ خِلَافًا'' یعنی مجھے اس کا علم نہیں کہ اس میں کسی کو

خلاف ہو اور فرماتے ہیں اگر کوئی غبی ہو اور یہ حقیقت نہ جانتا ہو تو اسے اس کی تعلیم دینا واجب ہے۔ پھر اگر وہ اس کے بعد بھی انکار کرے تو حَکَمْنَاہُ بِکُفْرِہٖ ہم اس کے کفر کا حکم دیں گے۔
(بشریت النبی ص ۱۲۴ مولفہ مولانا سید نور الحسن بخاری شاہ صاحب مرحوم)

ایمان مفصل اور ایمان مجمل اور ان کا ترجمہ ہر مسلمان کو از بر ہونا ضروری ہے اور عقائد کی مفصل تفصیل بہشتی زیور اور تعلیم الدین میں بیان کر دی ہے اسے کسی سے سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔ اسلام کے بنیادی اعمال ص ۱۴۱ تا ص ۶۰ میں اسلامی عقائد کی تفصیل سے دلائل قرآن و حدیث ساتھ ساتھ لکھ دی گئی ہے۔ عقائد کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے۔ عقائد بمنزلہ جڑ اور اعمال بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔ عقیدہ جس قدر پختہ ہوگا اعمال میں اسی قدر استقامت اور پابندی نصیب ہوگی۔ عقائد میں شک وشبہ اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے جس طرح جڑ کاٹ دی جائے تو شاخیں کبھی بھی ہری نہیں ہوں گی۔ غرض عقیدہ توحید سے مخلوق کے ساتھ طمع اور خوف رخصت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور اللہ کے ماسوا کچھ نہ ہونے کا یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح عقیدہ رسالت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام کائنات سے (عمر بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر) اتباع سنت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ عقیدہ آخرت، حساب کتاب، پل صراط، جنت، دوزخ، وزن اعمال اور قبر کے عذاب یا ثواب سے فکر آخرت، گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

عقیدہ تقدیر حزن اور تکبر کو رفع کرتا ہے کیونکہ حزن اور پریشانی و غمگینی سے آدمی تمام دین و دنیا کے کاموں سے معطل ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی کے دل سے جب تک تکبر نہ نکلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے دل کا لگاؤ نہیں ہو سکتا۔ عقائد کی درستی فکر و فہم کی درستی کا سبب ہے۔ فساد عقیدہ ام الامراض ہے۔ وہ ایک ہی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔ آج کل اکثر عوام کے عقائد درست نہیں، عورتیں اس معاملہ میں زیادہ مبتلا ہیں، وہ خلاف شریعت ٹونے ٹوٹکے کرتی ہیں۔ بعض جانوروں، بعض دنوں اور بعض مہینوں کو منحوس سمجھتے ہیں، مردہ کی چارپائی اور لباس کو منحوس سمجھ کر خیرات کرتے ہیں، بیمار کے لیے بکرا ذبح کر کے صدقہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں اتنی رقم کا گوشت یا اتنی رقم دینے سے ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ایصال ثواب میں سمجھتے ہیں کہ جو چیز خیرات کی جائے وہی چیز بعینہٖ پہنچتی ہے اسی بناء پر مرحوم کے لیے ایصال ثواب میں وہی چیز خیرات کرتے ہیں جو مرحوم کو دنیا میں پسند تھی

اسی طرح شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایصال ثواب کے لیے سخت سردی کے موسم میں بھی شربت پلاتے ہیں۔ حالانکہ وہاں ان اشیاء کا ثواب پہنچتا ہے' نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ شادی' بیاہ اور غمی وغیرہ کی رسومات کی ادائیگی اور پابندی فساد عقیدہ کا سبب ہے۔

غرض عقائد کی خرابی عملی خرابی سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً ایک شخص خود صاحب نصاب ہونے کے باوجود قربانی کو ضروری تو سمجھتا ہے مگر قربانی نہیں کرتا تو وہ فاسق' فاجر ہے' اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائے گا لیکن ایک شخص خود قربانی بھی کرتا ہے مگر اس کا عقیدہ ہے کہ قربانی ضروری نہیں اس میں جانوروں اور رقم کا ضیاع ہے اس سے بہتر غرباء کی مدح ہے تو وہ اس عقیدہ کی بناء پر کہ قربانی کو فضول سمجھتا ہے ابدالآباد کے لیے جہنم کے عذاب میں جلتا رہے گا۔

عقائد کے درست کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی کی فکر و فہم درست ہو جائے اور وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے واہی تباہی اور غلط سلط باتوں پر کبھی یقین نہ کرے' غرض عقیدہ کی درستگی سے انسان کی فکر و فہم کی بنیاد درست ہو جاتی ہے۔ عقیدہ صحیح نہ ہو تو عبادات قبول نہیں ہوتیں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط" (بے شک اللہ تعالیٰ اس کی بخشش نہیں فرماتے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے بلکہ اس کے علاوہ جس کی چاہیں گے بخشش فرما دیں گے۔)

توحید کے بعد رسالت' آخرت' قیامت' تقدیر' دوزخ اور جن باتوں پر ایمان لانا ہے راسخ اور پختہ یقین کے ساتھ ایمان لائے اور ان میں ذرا برابر شک نہ کرے کیونکہ ایمان لانے کے لیے تو ضروری ہے کہ جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے سب پر ایمان لائے لیکن کافر ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ سب کا انکار کر دے بلکہ کسی ایک کا انکار کرنے سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ فاسد العقیدہ لوگوں کی صحبت سے بچے' پرانی بوڑھیوں کی طرح ایمان اور یقین کا ہونا ضروری ہے۔ جدید خیالات والوں کی طرح ان میں بحث نہ کرے۔ ایمان کے لفظی معنی ماننا ہیں کسی نے خوب کہا:

بس اتنی سی کسر ہے تم میں کہنا نہیں مانتے

دل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر قائم رکھے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

رَضِیتُ بِاللّٰہ ربًا و بالاسلام دینا و بمحمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نبیًّا

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

صفر المظفر کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	واقعات وحادثات	صفر المظفر	مطابق
۱	مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا آغاز۔	۲۷/صفر ۱ ھ	۱۵اگست ۶۲۲ء
۲	جہاد بالسیف کا باقاعدہ حکم	۱۲صفر ۲ ھ	۱۴اگست ۶۲۳ء
۳	غزوہ ابواء یا ودان	۱۲صفر ۲ ھ	۱۴اگست ۶۲۳ء
۴	سریہ رجیع	۴ھ	اگست ۶۲۵ء
۵	سریہ بئیر معونہ اور قنوت نازلہ کا آغاز	۴ھ	اگست ۶۲۵ء
۶	سریہ کدید	۷ھ	جون ۶۲۸ء
۷	سریہ فدک	۷ھ	جون ۶۲۸ء
۸	حضرت خالد ابن ولید کا قبول اسلام	۸ھ	جون ۶۲۹ء
۹	حضرت عمرو بن العاص کا قبول اسلام	۸ھ	۶۲۹ء
۱۰	سریہ قطبیہ ابن عامر رضی اللہ عنہ	۹ھ	۶۳۰ء
۱۱	وفا عذرہ کا قبول اسلام	۹ھ	۶۳۰ء
۱۲	یمنی قبائل کا مشرف بہ اسلام ہونا	۱۰ھ	مئی ۶۳۱ء
۱۳	سریہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ	۱۱ھ	۶۳۲ء
۱۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز	۲۹ھ	۲۵مئی ۶۳۲ء
۱۵	فتح آذربائیجان	۲۲ھ	۶۴۲ء
۱۶	فتح اسطخر	۲۲ھ	۶۴۲ء
۱۷	وفات حضرت حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ	۳ھ	اکتوبر ۶۵۰ء
۱۸	وفات حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ	۳۲ھ	تمبر ۶۵۲ء

۱۹	وفات حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ	صفر ۳۵ھ	اگست ۶۵۵ء
۲۰	وفات حضرت ابوسہل رضی اللہ عنہ	۴۰ھ	جون ۶۶۰ء
۲۱	وفات حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ	۴۳ھ	مئی ۶۶۳ء
۲۲	سنان ابن سلمہ سندھ میں آئے	۴۸ھ	مارچ ۶۶۸ء
۲۳	وفات ام المومنین حضرت صفیہ بن حییؓ	۵۰ھ	فروری ۶۷۰ء
۲۴	وفات حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ	۵۲ھ	فروری ۶۷۲ء
۲۵	وفات حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ	۶۲ھ	اکتوبر ۶۸۱ء
۲۶	وفات حضرت عبداللہ ابن مفضل رضی اللہ عنہ	۶۰ھ	نومبر ۶۷۹ء
۲۶	وفات حضرت عبداللہ ابن مفضل رضی اللہ عنہ	۶۰ھ	نومبر ۶۷۹ء
۲۷	وفات حضرت جابر ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ	۶۶ھ	ستمبر ۶۸۵ء
۲۸	وفات حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ	۶۷ھ	ستمبر ۶۸۵ء
۲۹	وفات حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ	۸۶ھ	فروری ۷۰۵ء
۳۰	وفات حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ	۹۴ھ	نمبر ۷۱۲ء
۳۱	وفات فرزدق شاعر	۱۰۵ھ	جولائی ۷۳۲ء
۳۲	فتح قلعہ القطاسین	۱۰۹ھ	مئی ۷۲۷ء
۳۳	وفات حضرت سعد ابن یسار رضی اللہ عنہ	۱۱۷ھ	مارچ ۷۳۵ء
۳۴	جنگ اتراک	۱۱۹ھ	فروری ۷۳۷ء
۳۵	خلیفہ ابراہیم کی دستبرداری وخلافت مردان ثانی	۱۲۷ھ	نومبر ۷۴۴ء
۳۶	رصافہ کی تعمیر	۱۵۱ھ	فروری ۷۶۸ء
۳۷	وفات حضرت امام اوزاعی رضی اللہ عنہ	۱۵۷ھ	دسمبر ۷۷۳ء
۳۸	حکیم مقنع نے خدائی کا دعویٰ کیا	۱۵۹ھ	نومبر ۷۷۵ء
۳۹	خلافت الہادی العباسی	صفر ۱۲۹ھ	اگست ۷ء

۴۰	وفات حضرت ابوبکر ابن عیاش رحمہ اللہ	۱۹۳ھ	نومبر ۸۰۸ء
۴۱	وفات یحییٰ ابن سعد القطان رحمہ اللہ	۱۹۸ھ	اکتوبر ۸۱۳ء
۴۲	وفات علی ابن موسیٰ الرضیٰ	۲۰۳ھ	اگست ۸۱۸ء
۴۳	وفات ہشام ابکلی مورخ	۲۰۴ھ	جولائی ۸۱۹ء
۴۴	فتنہ خلق قرآن	۲۱۲ھ	مئی ۸۲۷ء
۴۵	امام احمد ابن حنبلؒ کو کوڑے لگائے گئے	۲۲۰ھ	فروری ۸۳۵ء
۴۶	وفات اسحاق ابن راہویہ رحمہ اللہ	۲۳۸ھ	جولائی ۸۵۲ء
۴۷	وفات محمد ابن داؤد الظاہری	۲۹۷ھ	اکتوبر ۹۰۹ء
۴۸	وفات محمد ابن نصر المروزی رضی اللہ عنہ	۲۹۴ھ	نومبر ۹۰۶ء
۴۹	وفات امام نسائیؒ صاحب السنن	۳۰۳ھ	اگست ۹۱۵ء
۵۰	وفات ابوالحسن الاشعریؒ	۳۲۴ھ	دسمبر ۹۳۵ء
۵۱	سیف الدولہ اور رومیوں میں جنگ	۳۳۹ھ	جولائی ۹۵۰ء
۵۲	وفات صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ	۵۸۹ھ	فروری ۱۰۹۳ء
۵۳	وفات علامہ نووی شارح مسلم شریف	۲۹-۶۷۶ھ	جولائی ۱۲۷۷ء
۵۴	وفات علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری شریف	۲۷-۸۵۵ھ	اپریل ۱۴۱۵ء
۵۵	وفات حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ	۲۸-۱۰۳۴ھ	نومبر ۱۶۲۴ء
۵۶	وفات شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ	۱۳۳۹ھ	اکتوبر ۱۹۲۰ء
۵۷	وفات شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ	۱۳۵۷ھ	اپریل ۱۹۳۸ء
۵۸	قرارداد پاکستان	۱۲-۱۳۵۹ھ	۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء
۵۹	وفات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ	۱۳۶۹ھ	نومبر ۱۹۴۹ء

(ماخوذ دینی دسترخوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام و دیگر تاریخی کتب ورسائل)

ربیع الاوّل

پہلا خطبہ

سیرت محمدی کی عملی عزیمت.................مورخ اسلام سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

دوسرا خطبہ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..........مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق..........مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

جشن عید کا شرعی جائزہ.............شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

ہمارے اکابر اور ذکر ولادت....................................از تحریرات اکابر

چھٹا خطبہ

ذکر اللہ اور دعا...............................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع ربیع الاول کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

(ترتیب وار اسوۂ حسنہ کے اہم واقعات)

پہلا خطبہ

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی عزیمت

مورخ اسلام سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

کام اور عمل

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کس چیز میں اور کیوں کرنی چاہیے اس کے لئے آج ہم کو سیرۃ نبوی علی صاحبہا السّلام کا عملی پہلو دکھانا ہے' یہ انبیائے کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہوسکتا ہے' مفید نصیحتوں' میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں' کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ' دلچسپ تھیوریاں ملیں گی' دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور وشور اور فصاحت وبلاغت کا جوش نظر آئے گی' مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی' مگر جو چیز نہیں ملے گی' وہ عمل' کام اور اپنے احکام ونصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

اخلاق کا عظیم مرتبہ

انسان کی عملی سیرت کا نام "خلق" (اخلاق) قرآن کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع علیہ السلام کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

وَاِنَّ لَکَ لَاَجْراً غَیْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ (قلم)

(اے محمدؐ!) بے شک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعوے اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑے میں آپؐ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپؐ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپؐ کے اعمال اور آپؐ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپؐ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ مکہ کا اُمی معلم صلّی اللہ علیہ وسلّم پکار کر کہتا تھا۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاَ تَفْعَلُوْنَ (صف) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس کو کر کے دکھا دیتا تھا۔

دینِ عیسوی اور اخلاق محمدی

کوہِ زیتون کے واعظ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) اور کوہِ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہؐ) ان دونوں سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرتاپا معمور، قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد کی، کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے۔ قرآن پاک گواہی دیتا ہے:

فبما رحمةٍ مِن الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لا نفضوا من حولك. (آل عمران: ۱۷)

پس اللہ کی عنایت سے تم ان کے لئے نرم ہو (اے محمدؐ) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے اردگرد سے پھٹ جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی

یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے' جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے' کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی' نڈر' بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لقدجآءَ کم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیه ماعنتم حریصٌ علیکم. بالمؤمنین رؤفٌ رّحیم. (توبه. ۱۶)

تمہارے پاس خودتم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے' تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے' چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا' حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی حالت گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسولؐ پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمان پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔

یہ آپؐ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن کی عملی تفسیر

قرآن پاک' اسلام کے احکام اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں' ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرتؐ کی سیرت مبارک در حقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے' جو حکم آپؐ پر اتارا گیا' آپؐ نے خود اس کو کر کے بتایا۔ ایمان' توحید' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقہ' خیرات' جہاد' ایثار' قربانی' عزم' استقلال' صبر' شکر' ان کے علاوہ اور حسن عمل و حسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپؐ نے فرمائیں ان کے لئے سب سے

پہلے آپؐ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا' وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا اُم المؤمنین حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے۔ اُم المومنین جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے ؟ کان خلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم القرآن آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداؤد) قرآن الفاظ وعبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت اس کی عملی تفسیر۔

بعثت سے قبل آپ کے اوصاف

انسان کے اخلاق' عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے اور یہ اتنی بڑی مدت ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات وخصائل اور طور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہوسکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نبوت کے بارگراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں کہ "یارسول اللہ! خدا آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں' مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں' غریبوں کی مدد کرتے ہیں' مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں' حق کی طرفداری کرتے ہیں' مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں۔" (بخاری) غور کیجئے' یہ آپ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپؐ میں موجود تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ کی صحبت میں رہیں وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی آپؐ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے۔ آپ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے' آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا' آپؐ نے کبھی کسی غلام' لونڈی' عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رؤف ورحیم پیغمبر

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپؐ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا۔ وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہے تھے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ ”آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوئی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کردیتے تھے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے، واقف کار اس اندازِ خاص سے سمجھ جاتے کہ آپؐ کا منشا کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپؐ رؤف ورحیم تھے۔“

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ”آپؐ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع، لوگ آپؐ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہوجاتے، آپؐ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہٖ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مؤرخ گبن نے ظاہر کئے ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوتیلے فرزند حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہندؓ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہ دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھالیتے، اس کو برا نہ کہتے۔ آپؐ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دلشکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرفداری میں آپؐ کو غصہ آجاتا تھا، اور اس حق کی آپؐ پوری حمایت فرماتے تھے۔“ (شمائل)

یہ آپؐ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپؐ سے بہت نزدیک اور آپؐ سے بہت زیادہ واقف تھے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرتِ مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی۔

سیرت کا ایک روشن پہلو

آپؐ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کرکے دکھادیا۔

کثرتِ ذکر

آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپؐ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا، جب آپؐ کا دل اللہ کی یاد سے اور آپؐ کی زبان اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپؐ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں۔ حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہیں اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے: **الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودًا وعلیٰ جنوبھم.** (جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں)

یہی آپؐ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپؐ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

نماز سے تعلق

آپؐ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپؐ کا حال کیا تھا، عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپؐ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صبح۔ عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں، کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں مگر آنحضرتؐ ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہوگئی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی تمام عمر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں، اللہ جل جلالہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے "اے عائشہؓ! کیا میں خدا کا

شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" یعنی یہ نماز خشیتِ الٰہی سے نہیں، بلکہ محبت الٰہی اس کا منشاء ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپؐ نماز پڑھتے تھے۔ کفار آپؐ کے سخت دشمن تھے مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپؐ پر حملہ کیا مگر اس پر بھی اللہ کی یاد سے باز نہ آئے۔

سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذاتِ اقدسؐ اللہ کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی، تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضاء ہوئی۔ ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپؐ نے رات کو نماز قضا ادا کی۔ اس سے زیادہ یہ کہ مرض موت میں شدت کا بخار تھا، تکلیف بہت تھی، مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی۔ قوت جواب دے چکی تھی مگر دو صحابیوںؓ کے کندھوں پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، وفات سے تین دن پہلے جب آپؐ نے اُٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی، اس وقت نماز با جماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا اللہ کی عبادت گزاری اور یاد کا عملی نمونہ

روزہ کے بارہ میں آپکے معمولات

آپؐ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپؐ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "جب آپؐ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔" آپؐ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی مگر خود آپؐ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیئے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے "تم میں سے کون میری مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے" سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان کے پورے کے پورے روزوں میں گزرتے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) میں اکثر روزے رکھتے۔ محرم کے دس دن اور شوال

کے چھ دن روزوں میں گزرتے' ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی۔

زکوٰۃ و صدقات اور آپ کی عملی زندگی

آپؐ نے لوگوں کو زکوٰۃ اور خیرات کا حکم دیا تھا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خدیجہؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! آپ قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں' غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں" گو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ' نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا' نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولتمندوں پر بند کیا' بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ ومما رزقنهم ينفقون۔ مگر خود آپؐ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا اللہ کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی۔ مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا' اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر و فاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہراتؓ کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا' مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ ختم ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجات کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپؐ رمضان المبارک میں فرماتے تھے' تمام عمر کسی سوالی کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا' کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے' کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی مگر آپؐ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔ لوگوں کو عام حکم تھا کہ "جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے" ایک دفعہ ایک بدو نے کہا "اے محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ پر لاد دے۔" آپؐ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا اور اس کے کہنے کا برا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے۔ "انما انا قاسمٌ وخازنٌ والله يعطى." "میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں' اصل دینے والا تو اللہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپؐ کے ساتھ گزر رہا تھا' راہ میں آپؐ نے فرمایا "ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے' البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔"

دوستو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپؐ کے عزم

صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپ کا عمل تھا۔ بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا۔ فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے' صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپؐ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا' نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا' جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا' جو دامن مبارک پر پڑ گیا تھا' ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا' کچھ قرض تھا وہ دیا گیا' کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ بچ تو نہیں رہا' عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے بچ رہا ہے' فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی' صبح کی کو حضرت بلال نے آ کر بشارت دی کہ "یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔" یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا۔ آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا' فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے۔ امّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ "ایک دفعہ آپؐ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے' میں نے سبب دریافت کیا' فرمایا۔ امّ سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے" اس سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ مرض الموت میں ہیں' بیماری کی سخت تکلیف ہے' نہایت بے چینی ہے' لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں' حکم ہوتا ہے کہ "انہیں خیرات کر دو' کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال۔

زہد و قناعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

آپؐ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی' لیکن اس راہ میں آپ کا طرز عمل کیا تھا' سن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ' خراج' عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے' مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں' کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے' مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے

کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں رہن تھی' آپ فرمایا کرتے تھے کہ "فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک جھونپڑا' تن ڈھانپنے کو ایک کپڑا' پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی بلکہ یہی آپ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا۔ رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں 'آپ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا' یعنی جو بدن مبارک پر ہوتا تھا' اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمتِ اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں' آپ نے ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں' ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے" ابوطلحہؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں ۔ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے۔ آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آ جاتی تھی' ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوکے تھے' حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر تشریف لے گئے' وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا' یہ فاطمہؓ کے گھر بھجوا دو! کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی' مگر یہ محبت امیر عربؐ نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا! اے فاطمہؓ کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمد کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہوئے ہے' حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے' تو اتروا دیئے کہ محمد کی بیوی کو یہ زیبا نہیں' فرمایا کرتے تھے کہ" انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زادِ راہ! یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ

کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں' عرض کی یارسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں' فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔

۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپؐ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی' جسم مبارک پر ایک تہبند' ایک کھری چارپائی' سرہانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی' ایک طرف تھوڑے سے جو' ایک کونے میں ایک جانور کی کھال' کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپؐ کا عمل۔

ایثار اور صحیفہ سیرت

دوستو! ایثار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا مگر کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپؐ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے مگر ان ہی حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیسے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا۔ ''اے فاطمہؓ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے' تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔ '' دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا'' فاطمہؓ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے'' ایک دفعہ آپؐ کے پاس چادر نہ تھی۔ ایک صحابیہؓ نے لا کر پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا' کیسی اچھی چادر ہے' آپؐ نے فوراً اتار کر ان کے نذر کر دی۔ ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی' مگر کوئی سامان نہ تھا۔ ان سے کہا' عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے' حالانکہ آپؐ کے گھر میں آٹے کے سوا' رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا' کوئی اور چیز طلب کی' تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا' مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔ یہ تھا ایثار اور اس پر عمل۔

توکل واعتماد کی روشن مثال

اللہ پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہوتو محمد رسول اللہؐ میں دیکھو حکم تھا **فاصبر کما صبر اولو االعزم من الرسل** ،جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر واستقلال دکھایا، تو بھی دکھا۔ آپؐ نے وہی کر کے دکھایا۔ آپؐ ایک ایسی جاہل اوران پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی اوراس کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہوجاتی تھی، مگر آپؐ نے اس کی کبھی پروانہ کی، عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپؐ ان کے سامنے کھڑے ہوکر رکوع وسجود کرتے تھے، جب آیت **فاصدع بما تؤمر** (اے محمدؐ! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے، اس کو علی الاعلان سنادو) نازل ہوئی، تو آپؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر تمام قریش کو پکارا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔

قریش نے آپؐ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپؐ کے قدم کو راہِ حق سے لغزش ہونی تھی نہ ہوئی۔ ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپؐ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں، تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ آخر آپ کو مع بنی ہاشم کے پہاڑی درّہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا۔ اندر غلّہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپؐ کے قتل کی سازش ہوئی یہ سب کچھ ہوا مگر صبر واستقلال کا سرشتہ آپؐ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار ومددگار نہتے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابوبکرؓ گھبرا اٹھتے ہیں کہ یارسول اللہ ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابوبکرؓ ہم دو نہیں تین ہیں **لاتحزن ان اللہ معنا** گھبراؤ نہیں ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا

آپؐ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ! ہم پکڑ لئے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہؐ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور دل کی سکینت کا وہی عالم ہے۔

مدینہ پہنچ کر یہود کا، منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کا راتوں کو پہرہ دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی **واللہ یعصمک من الناس** یعنی اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے لی ہے۔

غزوہ نجد سے واپسی میں آپؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں صحابہؓ اِدھر اُدھر ہٹ گئے، ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے، آپؐ بیدار ہوتے ہیں موقع کی نزاکت دیکھو۔ بدو پوچھتا ہے بتاؤ اے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔" اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے کہ "اللہ" اس پر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔

بدر کا معرکہ ہے تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ مگران تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں کہ "اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

ایسے مواقع بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر اللہ کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا، پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اُحد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لئے، مگر محمد رسول اللہؐ! اپنی جگہ پر تھے، پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئی تھیں، دندان مبارک شہید ہو چکا تھا، چہرۂ اقدس زخمی ہو رہا تھا، مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ اللہ ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا۔ حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے، مگر ذاتِ اقدسؐ اپنی جگہ پر تھی، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ادھر سے "**انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب**" (میں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی غیر مسلح ہو، وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ تھی اس راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال۔

مخالفین اور دشمن سے برتاؤ

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی، آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بے کسی اور معذوری، عفو ودرگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے۔ ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کرلائے گا۔ اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپؐ کے تعاقب میں گھوڑا اڑاتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں۔ حضورؐ دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو، نفسی، یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضورؐ کو آواز دیتا ہے اور خطِ امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپؐ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالے کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپؐ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو؟

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، اُحد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپؐ کے سامنے آتا ہے تو لوگو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمت عالمؐ کا عفوِ عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں۔ محمد رسول اللہؐ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امنا۔ (جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے)

ہند، ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو اُحد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے، ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے، ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے، کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپؐ بیتاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضور پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ عفوِ عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے "اے محمدؐ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔"

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی لوگ کہتے ہیں "وحشی تم نے ابھی محمد کو پہچانا نہیں، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے" وحشی حاضر ہو جاتا ہے، حضورؐ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے "وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو" کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

عکرمہؓ اسلام مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے۔ جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے، مگر جب مکہ فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہچان چکی تھیں، وہ خود یمن گئیں عکرمہؓ کو تسکین دی اور ان کو لے کر مدینہ آئیں۔ حضور کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو ان کے خیر مقدم کے لئے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں **مرحبا بالراکب المهاجر** اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک۔ غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپؐ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالتِ نماز آپؐ پر حملہ کرنا چاہا، جس نے آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی جس نے دار الندوہ میں آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا۔ جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور

ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا' آج اس کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت ؐ کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے' مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے' وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یارسول اللہ ؐ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا ہوں' لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا' میں حاضر ہوں' میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریش رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ ؐ کا کام تمام کر دے کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے' آپ ؐ کے پاس لایا جاتا ہے' اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے' مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔

صفوان بن اُمیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ ؐ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں' فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے' وہی عمیر خدمتِ نبوی ؐ میں آ کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ؐ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے ''اس کو امان ہے'' عمیر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے۔ آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں۔ عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں' صفوان کہتا ہے ''مجھے محمد ؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خطرہ ہے'' وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمد رسول اللہ ؐ کو مارنے گئے تھے۔ صفوان سے کہتے ہیں ''اے صفوان! ابھی تم کو محمد رسول اللہ ؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں'' صفوان آستانۂ نبوی ؐ پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے' کیا یہ سچ ہے؟ لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا مجھے دو مہینے کی مہلت دو۔ آپ ؐ فرماتے ہیں تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت ختم بھی نہ ہونے پائی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

آپ ؐ خیبر جاتے ہیں' جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے لڑائیاں ہوتی ہیں' شہر فتح ہوتا ہے ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے' آپ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں' یہودیہ جو گوشت پیش

کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے' آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے یہودیہ بلائی جاتی ہے' وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے لیکن رحمتِ عالمؐ کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں' دوپہر کا وقت ہے' آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے' صحابہؓ اِدھر اُدھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں' کوئی پاس نہیں ہے' ایک بدو تاک میں رہتا ہے' وہ اس وقت سیدھا آپؐ کے پاس آتا ہے' درخت سے آپ کی تلوار اتارتا ہے پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے' کہ آپؐ کی آنکھ کھل جاتی ہے' وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے کہ "محمدؐ بتاؤ! اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے" ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے "اللہ" اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے تلوار نیام میں کر لیتا ہے' صحابہؓ آجاتے ہیں' بدو بیٹھ جاتا ہے' اور آپؐ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے' کہ یہ قتل کے لئے آپؐ کی گھات میں تھا' وہ سامنے پہنچتا ہے' تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے' آپؐ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے' غزوہ مکہ میں اسّی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبل تنعیم سے اُتر کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا' آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا' ان کو چھوڑ دو۔

دوستو! طائف کو جانتے ہو؟ وہ طائف جس نے مکہ کے عہد ستم میں آپ کو پناہ نہیں دی' جس نے آپؐ کی بات بھی سننی نہیں چاہی' جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپؐ سے استہزاء کیا' بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں' شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے' اور دو رویہ کھڑے ہو گئے اور جب آپؐ بیچ سے گزرتے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے' یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے' دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں' جب آپؐ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپؐ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ایک دن دریافت فرمایا کہ "یا رسول اللہؐ تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا؟ تو آپؐ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا۔ ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے' ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے قلعہ نہیں فتح ہوتا' بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں' آپؐ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں' پر جوش مسلمان نہیں مانتے'

طائف پر بددعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں' آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں مگر کیا فرماتے ہیں ''اے اللہ! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانے پر جھکا'' دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے' وہی شہر جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے' آپ کو زخمی کیا تھا اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

اُحد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں' مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں' آپ نرغہ اعداء میں ہوتے ہیں' آپؐ پر پتھر' تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں' دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے' خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑ جاتی ہیں' چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے' اس حالت میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں ''وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے'' یہ ہے ''تو اپنے دشمن کو پیار کر'' کے زیتونی وعظ پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں' بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔

وہی ابن عبدیالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپؐ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے' جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑھ کر اتارتے ہیں' ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں' اور اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں' کس کو؟ اس کو جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے' اور آپ کو ذلیل کیا تھا' یہ ہے ''تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر''

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں کس حرم کے صحن میں جہاں آپ کو گالیاں دی گئیں' آپؐ پر نجاستیں پھینکی گئیں' آپؐ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی' قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے' ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے' وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے' وہ بھی تھے جو آپ کی ہجویں کہا کرتے تھے' وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے' وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسیؐ کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے' وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے تھے' آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے' آپؐ پر تلواریں چلائی تھیں' وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے عزیزوں کا خونِ ناحق کیا تھا' ان کے سینے چاک کئے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کئے تھے' وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے' ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے' ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے' دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے' نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے' آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہؐ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں' دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے' سوال ہوتا ہے ''قریش بتاؤ' میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

جواب ملتا ہے ''محمدؐ! تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے''۔ ارشاد ہوتا ہے آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السّلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ **لاتثریب علیکم الیوم** آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں **اذھبو افانتم الطلقاءُ** جاؤتم سب آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا۔ یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم۔ جو صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے، جس کے باعث تمام دوسرے مذاہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار ان ہی کو دہراتے ہیں ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبرؐ کے صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:

ترکت فیکم الثقلین کتاب الله و سنتی.

میں تم میں دو مرکزِ ثقل چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنا عملی راستہ۔

یہی دونوں مرکزِ ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبرؐ کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃٌ حسنۃٌ.

(لوگو! تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں بہتر پیروی ہے)

پیغمبر اسلام مجسمہ عمل

اسلام خود اپنے پیغمبرؐ کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے، تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبرؐ کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال پیش کرتا ہے، طریقۂ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے **صلوا کمارأ یتمونی** ''تم اس طرح اللہ کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو'' بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے **خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی**۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں'' آخری حج کا موقع ہے شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو اللہ کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے۔ سب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے مگر تعلیم کے ساتھ

ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جارہی ہے۔فرمایا:

"آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کر دو! اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔"

"جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں' اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں۔"

مساوات اور اخوت انسانی

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے' وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم ورواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے' اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم ورواج کی علی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں' محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے۔ آپؐ نے مساوات' اخوتِ انسانی اور جنسِ انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی ایک غلام کو اپنا فرزند متبنیٰ بنایا'عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کر دے' لیکن آپؐ نے آج یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو' اور آدم مٹی سے بنا تھا' کالے کو گورے پر' گورے کو کالے پر' عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں' تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔تو اس تعلیم نے دفعۃً بلند وپست' بالا وزیر' اعلیٰ وادنیٰ' آقا وغلام' سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا' لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی' یہ مثال خود آپؐ نے پیش کی۔ اپنی پھوپھی زاد بہن کو قریش کے شریف خاندان سے تھیں' اپنے غلام سے بیاہا' منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمدؐ زید بن حارثہ کہلائے۔ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا' مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا' جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا

اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی' اس لئے اس کا توڑنا ضروری تھا' لیکن اس کے توڑنے کے لئے عملی مثال پیش کرنا' انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا' جو سب سے مشکل کام تھا۔ پیغمبر عربؐ نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کر لی' جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور متبنیٰ کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی۔ واقعات کی انتہا نہیں ہے' مثالوں کی کمی نہیں ہے' مگر وقت محدود ہے اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے۔

دعوت فکر

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں آدم علیہ السّلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السّلام تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو' کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا نمونہ کہیں نظر آتا ہے؟

حاضرین! چند لفظ اور! بعض شیریں بیان واعظ شاعرانہ پیرایے میں اپنے "اللہ تعالیٰ کی ربانی محبت اور الٰہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں مگر انہی کے مقولہ کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا' عرب کے دعویدار محبت کی سیرت پڑھو' راتیں گزرتی ہیں' دنیا سوتی ہے اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں' ہاتھ اللہ کے آگے پھیلے ہیں' زبان ترانہ حمد گا رہی ہے' دل پہلو میں بیتاب تڑپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی تار جاری ہے' کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سولی پر چڑھتے ہیں تو بیتابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں **ایلی ایلی لما سبقتنی** "اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا" لیکن محمد رسول اللہؐ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے **اللھم الرفیق الاعلیٰ** اے میرے اللہ! اے میرے بہترین ساتھی' ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ' عشق کی چاشنی اور ربانی سکینت کا لطف ہے:

اللّٰھم صلی علیه وعلیٰ سائر الانبیآءِ والمرسلین.

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

دوسرا خطبہ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ''ہم نے آپ کو سارے جہاں اور سارے جہان والوں کے لئے محض رحمت بنا کر بھیجا ہے'' یہ خدا کی طرف سے ایک حیرت انگیز (اور اگر رحمت کی روح اور مفہوم کے منافی نہ ہوتا تو میں کہتا کہ) ایک تہلکہ خیز اعلان ہے' یہ اعلان اس صحیفہ میں کیا گیا ہے جس کے لئے تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ وہ دنیا کے ہر حصہ میں (اور اپنے نزول کے بعد) تاریخ انسانی کے ہر دور میں پڑھا جائے گا' اس کے پڑھنے والے بھی لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے۔ اس پر غور کرنے والے اس کی تشریح کرنے والے اس کے اسرار اور رموز بیان کرنے والے اس کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف کی تحقیق کرنے والے اس کو تنقید اور شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے اور اس کو علم وتحقیق کی ترازو میں تولنے اور اس کو واقعات کی کسوٹی پر کسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا۔ ایک شخص ایک بیان جاری کرتا ہے کوئی مضمون نگار کسی اخبار یا رسالہ میں (جس کی زندگی عام طور پر مختصر اور پڑھنے والوں کا حلقہ اکثر محدود ہوتا ہے) کوئی مضمون لکھتا ہے' تو اس کو اس اندیشہ سے کئی کئی بار غور کرنا پڑتا ہے اور وہ ترازو میں تول تول کر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی اس کی تردید نہ کر دے' اور اس کی صداقت کو چیلنج نہ کر دے کتابوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر اخبارات ورسائل سے زیادہ طویل ہوتی ہیں اور بعض اوقات سالہا سال تک وہ لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں اور کوئی کوئی کتاب صدیوں تک بھی زندہ رہتی ہے اس میں کسی بات کو درج یا کسی چیز کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف کو اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ وہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کو پہلے کسوٹی پر کستا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس دعویٰ یا اعلان کا پڑھنے اور سننے والوں پر کیا ردعمل ہوگا اس کے بعد غور کیجئے کہ خدائے عالم الغیوب ایک ایسی کتاب میں یہ اعلان کرتا ہے کہ جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ:

لایأتیه الباطل من بین یدیه و لامن خلفه تنزیل من حکیم حمید (حم سجدہ:۴۲)

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے''۔

اور جسکے متعلق اسکا اعلان ہے کہ: **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون** (الحجر:۹)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری۔ ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی

اس اعلان کی وسعت اس کے زمانی و مکانی رقبہ کا طول وعرض دونوں ایسی غیر معمولی باتیں ہیں جن سے سرسری طور پر گزرا نہیں جاسکتا۔

زمانی رقبہ سے مراد یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے دور گزریں گے یہ اعلان ان سب پر حاوی ہے اور یہ آیت پوری زمانی رقبہ کو جو ہزاروں سال پر پھیلا ہوا ہے۔ گھیرتی (COVER) کرتی ہے۔

مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا' یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو جزیرۃ العرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یا مشرق کے لئے یا کسی براعظم مثلاً ایشیا کے لئے پیام رحمت بنایا ہے اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ یہ رحمت ساری دنیا پر محیط ہے گویا اردو کے شاعر حالی کی زبان میں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

واقعہ یہ ہے کہ اس اعلان کی وسعت' عمومیت' عظمت اور لامحدودیت کے سامنے دنیا کے سارے مورخین' فلاسفہ' مفکرین' مصنفین بلکہ پورے فکر انسانی کو انگشت بدنداں' حیرت زدہ اور ششدر ہو کر کھڑا ہو جانا چاہئے' اور ایک بار سب کام چھوڑ کر واقعہ کی تصدیق اور اس اعلان کی صداقت کی تحقیق میں مصروف ہو جانا چاہئے مذاہب ہی کی تاریخ میں نہیں' تمدنوں اور فلسفوں ہی کی تاریخ میں نہیں اصلاحی اور انقلابی تحریکوں اور کوششوں ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ پوری تاریخ انسانی اور پورے انسانی لٹریچر میں ایسا پر اعتماد' ایسا واضح اور بے لاگ ایسا عمومی و عالمگیر اعلان کسی شخصیت یا کسی مذہب و دعوت کے متعلق نہیں ملتا۔ مذاہب عالم کی تاریخیں انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں اور تعلیمات کا جو ریکارڈ دنیا میں محفوظ ہے وہ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

''رحمت'' ہماری روزمرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے

کسی چیز کی اہمیت وعظمت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے عام طور پر دو پیمانے ہوتے ہیں ایک اس کی تعداد اور مقدار جس کو ہم جدید علمی اصطلاح میں ''کمیت'' یا QUANTITY کے لفظ سے ادا کرتے ہیں اور ایک کسی شی کا جوہر یا صفت ہے جس کو اصطلاحاً ''کیفیت'' (QUALITY) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے' یہ قرآنی اعلان جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا گیا ہے ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے یعنی آپ کی بعثت ونبوت' آپ کے وجود گرامی' اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا۔ اس کو حیات نو کا جو پیغام ملا اور اس کی بیماریوں کا جو مداوا' اس کے مصائب کا جو خاتمہ ہوا اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت و کثرت اپنی مقدار و کمیت (QUANTITIY) کے اعتبار سے بھی اور اپنی نوعیت و افادیت' اپنے جوہر و کیفیت (QUANTITIY) کے اعتبار سے بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔ ''رحمت'' ہماری روزمرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس سے کسی انسان کو فائدہ یا راحت حاصل ہو۔ اس کے انواع واقسام اور اس کے مراتب ودرجات کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ''رحمت'' ہے اگر کوئی کسی کو راستہ بتا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ''رحمت'' ہے اگر گرمی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ''رحمت'' ہے۔ ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے باپ اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے لئے زندگی کا ضروری سامان مہیا کرتا ہے وہ اس سے بھی بڑی ایک ''رحمت'' ہے استاذ طالب علم کو پڑھاتا ہے اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے یہ بھی ایک بڑی قابل قدر ''رحمت'' ہے بھوکے کو کھانا کھلانا' ننگے کو کپڑا پہنانا سب ''رحمت'' کے مظاہر ہیں اور سب کا اعتراف ضروری اور شکریہ واجب ہے۔

رحمت کا مظہر

لیکن ''رحمت'' کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جاں بلب مریض کی جان بچالی جائے۔ ایک بچہ دم توڑ رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آخری ہچکی لے گا ماں رو رہی ہے کہ میرا لال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس سے کچھ نہیں ہوسکتا باپ مارا مارا پھر رہا ہے اور سر پھوڑ رہا ہے سب بے بس معلوم ہوتے ہیں کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ رحمت بن کر پہنچتا ہے اور کہتا ہے گھبرانے

کی کوئی بات نہیں! وہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں ٹپکاتا ہے وہ آنکھیں کھول دیتا ہے سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں گے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا۔ اس ''رحمت'' کے سامنے مات ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ یہ اس مریض ہی پر نہیں بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچائی گئی۔ کوئی نابینا چلا آ رہا ہے راستہ میں کوئی خندق یا کوئی کنواں پڑ گیا قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہنچتا ہے اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے اور اس کو اس خندق میں گرنے سے بچا لیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ کہلائے گا ایک نوجوان جو اپنے باپ کی آنکھ کا تارا اور اپنے کنبہ کا سہارا ہے دریا میں ڈوبنے لگا وہ غوطے کھا رہا ہے کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہ نشین ہو جائے ایسے میں کوئی اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے اور اس کی جان بچا لیتا ہے اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے لپٹ جاتے ہیں اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن ''رحمت'' کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے' پھر ہلاکت ہلاکت اور خطرہ خطرہ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی دیر کا خطرہ ہے۔ ایک ابدی ہلاکت اور دائمی خطرہ ہے خدا کے پیغمبر انسانوں کے ساتھ ''رحمت'' کا جو معاملہ کرتے ہیں وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ زندگی کا موج سمندر' یہ زندگی کا طوفانی دریا' جو انسانوں اور افراد ہی کو نہیں قوموں اور ملکوں کو غرق کر چکا ہے تہذیبوں اور تمدنوں کو لقمہ اجل بنا چکا ہے جس کی موجیں نہنگوں کی طرح منہ پھیلا کر بڑھتی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح انسانوں پر حملہ کرتی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس بے رحم دریا سے کس طرح پار اترا جائے اور انسانی قافلہ کو ساحل مراد بلکہ ساحل نجات پر پہنچایا جائے نوع انسانی کا سب سے بڑا محسن اور اس کا نجات دہندہ وہ قرار پائے گا جو انسانی کشتی کو جو ڈانواں ڈول ہو رہی ہے جس کے سوار موجود ہیں لیکن ملاح مفقود' ساحل تک پہنچا دے نوع انسانی ان کی بھی شکر گزار ہے جو اس کو علم وفن کا تحفہ دیتے ہیں وہ ان کی بھی شکر گزار ہے جو اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں وہ ان کی بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس کی زندگی کو پر راحت بنایا اور اس کی زندگی کی مشکلات کو ختم یا کم کیا۔ وہ کسی کے احسان کی ناقدری نہیں کرتی لیکن اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کو دشمنوں سے بچایا جائے جو اس کی جان کے دشمن ہیں اور اس کی کشتی پار لگائی جائے۔

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی بلکہ ٹوٹ گئی تھی۔انسان نہیں رہا تھا' انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ارشاد ہوا:۔

ومآ ارسلنک الا رحمة للعالمین (سورۂ انبیاء:)

''اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا۔''

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر نہ آیا کوئی رحمت عالم بن کر

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

تیسرا خطبہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

الحمدلله و كفىٰ وسلامٌ علىٰ عباده الذين اصطفىٰ

اما بعد اعوذبالله من الشيطين الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم الخ

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ انہی کی قسم میں سے ہے۔ انہی کی نوع میں سے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے۔ نہ پیدا کرتے تو ہمارا کیا زور تھا۔ پیدا کیا تو انسان بنایا۔ اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا زور تھا کچھ؟ گدھے بھی تو اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، کتّے بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔ اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟ تو کیا ہوا ہوتا؟ جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا، گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا۔ یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا کتنا بڑا احسان کیا پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی، کسی کے معدے میں درد، کسی کی کمر میں درد، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا۔ کتنا بڑا احسان کیا اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں۔ اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اس کو خدا، معبود اور

حاجت روا سمجھتے ہیں۔ مالک الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے خالق کو اپنے رازق کو پہچانتے نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے ہیں' کبھی قرآن کریم نہیں پڑھتے۔ کبھی سر نہیں جھکاتے' خدا کے سامنے کبھی کلمہ نہیں پڑھتے' جانتے نہیں۔ تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ مسجد میں آنے کی' اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں آ سکتا۔

ایک واقعہ

ایک صاحب بابو' ان کے ساتھ ملازم' ملازم نماز کا بہت پابند' کہیں ساتھ لیے جا رہے ہیں' چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا۔ ادھر اذان ہوگئی۔ ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولانا نے مجھے بلایا ہے۔ اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا۔ اس نے کہا نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے۔ اس نے بلایا ہے۔ اذان ہوگئی۔ مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے۔ چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے۔ اور ملازم مسجد کے اندر آ گیا' ملازم نے نماز پڑھی' کچھ تسبیح وظیفہ پڑھنے لگا۔ دیر ہوگئی نہیں گیا۔ وہ صاحب آئے آواز دی' ارے آتا نہیں کیا ہوگیا؟ ملازم نے کہا جانے نہیں دیتے۔ اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا' وہاں کون بیٹھا ہے' دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں بیٹھا نہیں ہے' پھر کون جانے نہیں دیتا۔ ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دے دی۔ دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے۔ اس کے یہاں درخواست بھیجو۔ ملازمین سے بات کرو۔ ٹیلیفون پر بات کرو۔ وقت بتاؤ۔ اپنا مقصد بتاؤ۔ کیوں آئے ہو۔ یہ بتانا پڑے گا پھر بھی الجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں' کوئی درخواست نہیں دیتے' کسی کی سفارش نہیں' آؤ وہ اعزاز و اکرام سے بلاتے ہیں۔ اجازت ہے آؤ آؤ' اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بہت بے شمار ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک سورۃ عالی۔ ایسا کہ ثواب بہت بڑا۔ قل ھو اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے۔ یٰسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف

پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ایسی ایسی نعمتیں اس نے دے رکھی ہیں۔نماز کس کی بدولت عطا ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عطا ہوئی۔ پانچ وقت حاضری کا حکم۔اور اللہ تعالیٰ قدردانی سے بلاتے ہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے' کتنا بڑا احسان ہے کتنا بڑا اکرم ہے۔کتنا بڑا اعزاز ہے۔وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے۔اپنے گھر آنے والے کے لئے یہ احسانات انعامات ہیں حق تعالیٰ کے ان پر شکر ادا کرنا چاہئے۔جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے۔حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ بہت بڑا انعام ہے۔قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا' زکوٰۃ کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔کتنے بڑے احسانات ہیں۔پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں۔ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں' اس کی خیریت پوچھتے ہیں۔اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے خیریت پوچھتے ہیں۔طبیعت تو اچھی ہے' کہیں باہر تو نہیں گیا' کوئی عارض پیش نہیں آیا۔ایک ہمدردی یہی ہے' جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں' تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں' اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں' کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ. جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں "ل" تاکید کے لئے آتا ہے۔"قد" تحقیق کے لئے آتا ہے۔ بالتحقیق بالیقین اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا۔احسان تو سب کے لئے ہے۔آپ کی ذات عالیہ ذات مبارکہ' ذات مقدسہ سب کے لئے احسان ہے۔آسمانوں کے لئے بھی' زمینوں کے لئے بھی' فرشتوں کے لئے بھی' جنات کے لئے بھی' حیوانات کے لئے بھی' بشر کے لئے بھی' سب کے لئے رحمت و نعمت ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ' لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔یہ احسان خاص طور پر مومنین کے لئے ہے۔ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے ویسا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے۔ویسا ہی اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار حقوق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بے شمار ہیں۔ ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جاسکتا ہے (۱) پہلا حق ہے محبت کا آپ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئیے۔ خود حدیث پاک میں آتا ہے لا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُونَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا' مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کے اولاد سے سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

پہلا حق...... محبت

لٰہذا پہلا حق محبت کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئیے۔ ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہیے۔ محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے' اپنی دکان سے' اپنے عہدے سے' اپنی اولاد سے' اپنے مال سے' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہئیے۔ اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت' ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا کچھ اور' تو آدمی کس کی محبت اختیار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو۔ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا حال۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح محبت کی ہے اور کیسے کیسے مقابلے کے وقت میں کیا کیا نوبت آئی ہے۔

پہلا معرکہ حق و باطل

اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اس میں تھوڑا سا ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں بھی غزوۂ بدر کا تذکرہ آیا ہے۔ احادیث میں تشریح سے آیا ہے۔ جب غزوۂ بدر ہوا۔ ادھر سے چلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' کثرت سے پیادہ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک دو گھوڑے تھے۔ ایک دو تلواریں تھیں۔ باقی کسی کے پاس تلوار نہیں' گھوڑا بھی نہیں تھا' وہاں پہنچ کر پہلا کام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی۔ اس طرح دعا کی کہ یا اللہ اتنے برسوں کی محنت کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں۔ ایمان لائے ہیں۔ ۳۱۳ تھے مسلمان' کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

۳۱۳؍آدمی ایمان لائے ہیں۔ مدتوں کی محنت کے بعد۔ بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے۔ اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ بس بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا قبول ہوگئی۔ ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں رہیں۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آوے' کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجاوے۔ پہچاننے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا۔ تلاش نہ کرنا پڑے۔ ادھر اُدھر کہاں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ چھپر کو دیکھ کر وہاں آجاوے۔ اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجویز تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے۔ اس حفاظت کیلئے قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ادھر تھے اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے۔ وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ ستر ۷۰ مشرکین قتل ہوئے۔ ۷۰ ستر گرفتار ہوکر قیدی بنالئے گئے۔ اللہ نے وہ دن کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی ایمان لائے۔ ایک دن کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک مواقع پر آئے تھے۔ نشانے پر آئے تھے' میں چاہتا تو آپ کو قتل کردیتا' لیکن باپ ہونے کا خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا' جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا۔ لیکن اگر تو میرے نشانہ پر آجاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑ دیتا۔ میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے فوراً قتل کردیتا۔ تیری مجال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تلوار لے کر آئے۔ یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی۔ ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی بات صحیح ہے کس کی نہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُمِ حبیبہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیانؓ آئے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بسترہ بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ باپ نے پوچھا یہ کیا۔ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بسترہ بچھا

دیتی ہے۔ تو نے بچھا بچھایا بسترہ اٹھا کے رکھ دیا۔ انہوں نے بتلایا' یہ بسترہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تم نجس ہو' کافر ہو' مشرک ہو' ایمان نہیں لائے ہو' تم اس قابل نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترے پر بیٹھ سکو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

بہت واقعے ساری زندگی بھری ہے۔ اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تھی اور اسی سے پتہ چلتا ہے ان واقعات سے ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت کرنا۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا حق..... عقیدت

دوسرا حق ہے عقیدت کا' عقیدت۔ کے کیا معنی؟ یہ یقین کرلیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے' جو کتاب لے کر آئے' جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں۔ وہ سب سچے ہیں' ایسے سچے ہیں کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں۔ نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ہے۔ یہ یقین رکھنا' یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا' چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے تھے' مرد بھی اور عورت بھی۔ آپ کو امین کہتے تھے' سچے بہت سچے امانت دار۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ آپ کو سچا مانتے تھے' سبھی محبت کرتے تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْن۔ کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔ اللہ کے احکام کی طرف دعوت دیجئے۔ یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا۔ آپ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے۔ آپ بالکل سچے ہیں۔ آپ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا' نام نام لے کر کے پکار کر آواز دی سب کے سب گھبرا گئے' یہ کیسی آواز ہے' اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی۔ ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں' اس لئے آواز پہنچی' دوسرے یہ کہ وہ آواز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی جو اللہ کے حکم سے دی گئی تھی۔ اس کو کون روک سکتا تھا۔ کون رکاوٹ بن سکتا تھا۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے۔ یہ کیا قصہ پیش آیا ہے کیوں ایسے پکارا جا رہا ہے۔ اور جو خود نہیں

آ سکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔ تحقیق کرو۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان کا امتحان لیا۔ فرمایا اگر میں یہ کہوں تو تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا' تم رات سے ہی اپنی بچاؤ کا انتظام کر لو' کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ یہ پوچھا۔ سب نے کہا کہ **ماجربناعلیک الکذب**۔ آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہ ہوا۔ آپ نے آج تک جو بات فرمائی' سچ فرمائی' ہم ضرور مانیں گے۔ تسلیم کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں' لیکن جب آپ فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے اور آپ کی باتوں کو مانیں گے۔ تب آپ نے فرمایا میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آپ کی طرف آیا ہوں۔ خدا کے عذاب سے ڈرو' مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے اور ذرّے ذرّے کا حساب ہوگا۔ وہاں پر۔ اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرنے والا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اس کا نام تھا ابولہب۔ اس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی' محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا۔ کہ آپ کو رسول جانے۔ جو بات آپ اللہ کی طرف سے پہنچاتے ہیں اس کو تسلیم کریں۔ وہیں سے الگ ہوا۔ اس نے سخت لفظ کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۃ تبّت یدا نازل کی' اس کو جہنمی دوزخی فرمایا۔ ابولہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے عبداللہ۔ ان کے گھر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی' پیدا ہوئے۔ ابولہب کی ایک باندی تھی ثوبیہ اس نے آ کر ابولہب کو خوشی خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجا پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے خوشی میں آ کر جبھی اس کو آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں کتنی محبت تھی۔ کیسی خوشی کی بات سنا دی۔ خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پہ اٹھایا ہوگا' گود میں بٹھایا ہوگا' بھتیجے کو محبت کی وجہ سے' یہ ساری محبت بے کار گئی۔ اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی۔ عقیدت کیا تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانیں۔

محبت یہ ہے بنیادی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے۔ یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

کافر کو آپ کی صداقت کا یقین

حضرت سعدؓ مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے۔ ان کا معمول تھا جب مکہ معظمہ

آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ اُمیّہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعدؓ کے یہاں ٹھہرتا۔ جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرامؓ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ آئے اور آ کر اپنے معمول اور طرز کے مطابق اُمیّہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ اُمیّہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو کونسا وقت مناسب ہے اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے۔ دن چڑھے گئے۔ طواف کرنے کو وہاں ابوجہل بھی تھا۔ ابوجہل نے کہا اُمیّہ سے' یہ تیرے ساتھ کون ہے' اس نے کہا یہ سعد ہے۔ ابوجہل نے کہا جو لوگ ہمارے باغی تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی' اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو تم نے ٹھکانا دیا' اپنے یہاں ٹھہرا دیا۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم نے ان کو نکالا ہے اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی' اس پر حضرت سعدؓ نے کہا دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا۔ دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے' ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ

(چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں)

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید کر لاتے تھے مکے والوں کے لئے اور جتنے ڈاکو چور تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جاسکے گا۔ اُمیّہ نے کہا سعد سے زور سے نہ بول ابوجہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے۔ یہاں کا سردار ہے۔ انہوں نے اسے بھی ڈانٹا۔ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے۔ اب اُمیّہ نے کہا مجھے۔ سعدؓ نے کہا ہاں۔ کہاں مکے میں کہ کہیں اور۔ کہا یہ نہیں بتایا کہاں۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد نے ایسا کہا۔ چنانچہ میں مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں۔ مکے میں ہی بیٹھوں گا۔ اس واسطے کہ مکہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آ ہی

نہیں سکتے۔ قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی۔ میں باہر جاؤں گا ہی نہیں۔ یہ بیوی سے بھی کہہ دیا۔ پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا۔ ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے چلو بدر چلو بدر تو اُمیّہ سے بھی کہا۔ اُمیّہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ سعدؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قتل کریں گے۔ ابوجہل نے پٹی پڑھائی اگر تو نے انکار کیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے۔ تو چل تھوڑی دور پھر چپکے سے واپس آ۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جا رہا ہوں۔ اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعد نے کیا کہا تھا۔ کہا مجھے یاد ہے لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا جلدی واپس آ ؤں گا۔ گیا اور چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا۔ اس کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی لیکن ایمان اس کا نام نہیں۔ ایمان نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی۔ اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟ عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول ماننے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نجات ہے اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گزرے گی ۔ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے دوسرا حق۔

تیسرا حق اطاعت

تیسرا حق ہے اطاعت کا۔ محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو مگر اطاعت نہ ہو۔ اس کی مذمت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو فرمایا اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی بیٹی ہوں بخشی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو۔ اپنا عمل کام آئے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اتنی محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے آنا ہوا۔ فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے روٹی پکائی تھی۔ میرا جی نہ مانا کہ آپ کے بغیر خود کھاؤں۔ اس لئے آپ کے واسطے لے کر آئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے سے لگا لیتے۔ لپٹا

لیتے، سینے سے لگا لیتے۔ پیار کرتے ان کو بڑی محبت فرماتے۔ فرمایا اہل جنت بیویوں کی فاطمہ سردار ہے۔ فاطمہ سیدہ ہے۔ جنت میں جتنی عورتیں جائیں گی، سب کی سردار حضرت فاطمہؓ ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں، سبھی کچھ تھا لیکن ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی، اپنے اعمال کام آئیں گے، اس رشتہ داری کی بناء پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بناء پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بخشے جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے اگر بخشش ہوتی تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔

لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ (بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعۂ نجات ہے اور اگر اس کے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعۂ نجات نہیں۔ کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشا جاؤں گا، اس کو سوچنا چاہیئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اور کے لئے گنجائش ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں، ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہیئے۔ اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کونسی گدّی پر بٹھا دے گا۔ اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔

اطاعت صحابہ کا ایک واقعہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ممبر پر۔ آپ نے فرمایا۔

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِجۡلِسُوۡا (لوگو بیٹھ جاؤ)

جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ یہ نہیں سوچا کہ پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں۔ جس کے کان میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر بیٹھ گیا۔ یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آ سکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آ جاؤ، تو وہ آ گئے۔ انہوں نے یہ نہیں

سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا۔ یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا۔ اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کر بیٹھوں گا۔ کیا خبر تھی کہ اندر پہنچنے سے پہلے پہلے موت آ جائے۔ گردن پکڑ لے۔ کل قیامت میں سوال ہوگا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی بیٹھ جاؤ تم بیٹھے کیوں نہیں؟ کیا انہوں نے کہا تھا کہ اندر آ کے بیٹھ جاؤ۔ اس لئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا رہتا تھا۔

فکر آخرت کی دعوت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی دیوار کو لیپ رہے تھے ان کی والدہ بھی لیپ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کر رہے ہو، عرض کیا حضرت دیوار لیپ رہے ہیں پرانی ہوگئی ہے۔ گر جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے لیپ رہا ہوں تا کہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار۔ فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے۔ دیوار کے متعلق تو تم اندازہ لگا رہے ہو اتنی دیر تک ٹھہری رہے گی لیکن موت اس سے قریب ہے۔ موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جلدی بھی آ جاتی ہے۔

ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ اونٹوں پر سوار تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود، تشریف لے جا رہے ہیں۔ سرخ چادریں یمنی اونٹوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرح مائل ہوتی جا رہی ہیں۔ بس فوراً سے کودے۔ اونٹوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا۔ جو چیز آقائے نامدار کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

فاروق اعظم اور اطاعت رسول

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جبہ پہن کر خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے۔ ریشمی جبہ تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے۔ اُٹھے جبّے کو اُتارا۔ سامنے تنور تھا روٹی پکانے کا۔ جا کے تنور میں ڈالا جبّے کو آگ میں۔ دوسرے وقت حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جبّے کا کیا ہوا۔ عرض کیا حضرت میں نے اس کو جلا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا۔ بچیوں کے لئے کپڑے بنوا دیتے۔ ان کے لئے درست تھا، لیکن بھائی جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لباس ناپسند ہے وہ تو یہ سوچتا بھی نہیں کہ کسی اور کام آ سکتا ہے کہ نہیں۔ وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔

حضرت علی اور اطاعت رسول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علیؓ اونٹ پر سوار ہوئے، سفر میں جانے کے لئے آپ نے چند کلمات پڑھے سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اونٹ کو چچی ماری، ہنسے، کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے، اسی طرح یہ کلمات پڑھے۔ اسی طرح اونٹ کو چچی ماری اور ہنسے۔ اتنی اتنی باتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے۔

اتباع کا اعلیٰ مقام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اُترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے۔ آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیئے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے۔ ایک جگہ اُترے اپنے اونٹ سے۔ اونٹ کو بٹھایا، خود بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے، پیشاب تو نہیں کیا، بس بیٹھ گئے، پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ اس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تھا۔ تو انہوں نے پیشاب تو نہیں کیا۔ ہاں وہ ہیئت بنا کر بیٹھے۔ یعنی جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی۔ اپنی ضرورت کے لئے کیں۔ ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں کیا عمل کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا صبح اٹھو اور آ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس، تو دیکھتے رہو۔ جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے۔ جس طرح یہ نماز

پڑھتے ہیں نماز میں قیام رکوع سجدہ قعدہ کرتے ہیں سمجھ لو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے کرتے تھے۔ جس طرح یہ چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح چلتے تھے۔ جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح غرضکہ ہر چیز میں انہوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ لیا تھا ڈھال لیا تھا۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں۔ اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہیئے جیسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت محبت ہے۔ لیکن دیکھنا چاہیئے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟ تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مطابق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھر منہ پھیر لیا۔ معلوم ہوا کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ آج ہمارا جو حال ہے، ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا داڑھی کا منڈانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعْفُوا اللُّحیٰ اور اَرْخُوا اللُّحیٰ۔ داڑھی بڑھاؤ۔ داڑھی لٹکاؤ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹا کٹا کے منڈا منڈا کے اسے ختم کر دیں۔ یہ محبت کا تقاضا نہیں۔ یہ عقیدت کا تقاضا نہیں۔ یہ اطاعت کا تقاضا نہیں۔ لہٰذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟ قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار بھری ہوئی ہیں۔ ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین حضرات کا واقعہ

تین شخص آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر۔ اور پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر کیا عمل کرتے ہیں، دن بھر کیا کرتے ہیں؟ بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں، دن میں یہ عمل کرتے ہیں۔ ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کر لیا، عہد کر لیا، ایک نے کہا میں ہمیشہ روزہ

رکھوں گا۔کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا۔بالکل نہیں سوؤں گا۔ایک نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا۔عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلا کر فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں' کچھ نماز پڑھتا ہوں' میں روزہ بھی رکھتا ہوں' افطار بھی کرتا ہوں' ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں۔عامۂ معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور گنہگار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔یعنی اگر ساری رات جاگنا۔ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا۔اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار کرتا تو وہ قابل قبول نہیں۔تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی۔جو چیزیں طاعت اور عبادت ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول۔جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول' جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول' جس طرح قرآن پاک پڑھتے' لباس پہنتے وہ مقبول' جیسی صورتِ مبارکہ وہ مقبول' اور جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔

حضور کے تینوں حقوق کی ادائیگی کی ضرورت

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بڑا نبی' بڑا انعام ہم کو ملا۔اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو میں نے بیان کیں' کہ محبت اعلیٰ درجہ کی ہو' عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی بات پر یقین نہیں۔اپنے اعمال پر یقین نہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین ہے۔تیسری چیز اطاعت' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم

کی بجا آوری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی اختیار کرنا' یہ تین حق ہیں۔ اگر ان تین حقوق کو ادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول۔ اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ دنیا میں بھی بڑی عزت' آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا بات تھی؟ یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے کہ ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور اشرف بنایا۔ با کمال بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یا بڑے سے بڑے صحابہ ان میں بھی فرق ہے کوئی باپ' کوئی بیٹے' کوئی دادا' کوئی استاذ تھے' کوئی شاگرد' کچھ خدمتِ اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے صحابہ واجب التعظیم ہیں۔ اور کسی کی شان میں کسی گستاخی' کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا' جو کچھ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی اور سننے والے کو بھی۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

چوتھا خطبہ

جشن عید کا شرعی جائزہ

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

ربیع الاول کا مہینہ گویا عشاق رسول کیلئے جشن بہاراں سے کم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ووفات کے اس ماہ میں ہمارے معاشرہ میں محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرنے والے کس قسم کی بدعات ورسومات کو ادا کرتے ہوئے حدود شرعیہ سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا "جشن عید" منایا جاتا ہے۔ اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے، اس کے بارے میں چند ضروری نکات پیش خدمت ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب وروز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغرسنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شباب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکروفکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ونماز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہدوتقویٰ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وخشیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح وجنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون امت کے لئے اُسوۂ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امت کا فرض ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدام وعمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس و پوشاک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیاروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حیات طیبہ کے دو حصے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں، ایک ولادت شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا، اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا پہلے حصہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیات طیبہ کا دوسرا حصہ۔۔۔ جسے قرآن کریم نے امت کے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' فرمایا ہے۔۔۔ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہمہ خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے، اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

سیرت طیبہ بیان کرنے کے دو طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر وباطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کی صورت وسیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مرقع بن جائے، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس ومحفل کو معمور ومعطر کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اعمال واخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر نقش قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے، سلف صالحین صحابہ وتابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل ومجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آخری لمحات میں بھی اتباعِ سنت

آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا، واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے، اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لئے اُترے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اُترتے، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اس کی نقل اتارتے۔ رضی اللہ عنہ یہی عاشقانِ رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے قدم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف اوراق کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی، اور اس کو بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے مگر ان کی شکل وصورت، اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے دام بن گئے یہ سیرت نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی حق

سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لئے کہ وہاں ''ہر روز'' روز عید اور ہر شب ''شب برأت'' کا قصہ تھا، ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبی'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔۔۔۔ الحمد للہ یہ اُمت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسوو کاکل سنوارتے ہیں، اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے، لیکن شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایسے لوگ کم ہیں جبکہ ہم میں سے اکثریت بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ فرض انہوں نے پورا ادا کر دیا، اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے، مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے، اور روز مرہ نہیں بلکہ ہر لحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی، وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

میلاد النبی کا پس منظر

میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبی'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی، ''محفل میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۲ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور

ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا، جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

۱- بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین، ۲- علماء وصلحاء کا اجتماع،

۳- اور ختم محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب، ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق وکذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل وثقہ، واللہ اعلم۔

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز وعدم جواز کی بحث چلی، علامہ فاکہانیؒ اور ان کے رفقاء نے ان خودساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے "بدعت سیئہ" قرار دیا، اور دیگر ـ ـ ـ علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی، اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز واستحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو صرف "علماء صلحاء کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی، آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

مروّجہ میلاد النبی کا شرعی جائزہ

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ وتابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ "اسلام کا شعار" کہلاتا ہے، اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقان رسول" کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نو ایجاد شعار اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو ـ ـ ـ دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا، اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا، جس سے چھ صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کردو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

برسی منانے کی رسم

دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیان مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر "عید میلاد النبی" منائی جاتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کردیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں، ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت سے "انسان سازی" کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"جگمگاتے درودیوار دل بے نور ہیں"

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجر طوبیٰ ہے، جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں "اکلھا دائم وظلھا" کہنا بجا ہے، اس کی دعوت اور اس کا پیغام اور کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

کس کس ہستی کا دن منایا جائے

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں، اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے، اسلام کے پاس کم وبیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے۔۔۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس اُمت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟......

یوم ولادت کا جشن بدعت و گمراہی

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ وتابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندان تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روندڈالا ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کمتری پیدا ہوا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ''یوم ولادت'' کا جشن منانے لگی یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اُمت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے امت نے اسے ''بدعت'' قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

تیسری عید-دین میں کھلی تحریف

اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے ''عید'' کا نام دیتا، مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون سا مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ''عید'' کے دو دن مقرر کئے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو عید قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی، خلفائے راشدینؓ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں، یا یہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔

وفات کے دن خوشی کیسی

ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸ ربیع الاول، اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔۔۔ گویا ہم نے "جشن عید" کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغ مفارقت دے گئے اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ "جشن عید" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہر حال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں، اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

ظلم پر ظلم

اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور وشغب ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں اور نا معلوم کیا کیا ہوتا ہے،

کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔۔۔ فیا غربۃ الاسلام! (ہائے اسلام کی بیچارگی!)

بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی شبیہ

اب میں اس "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے

جاتے ہیں، لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اور "بیت اللہ" کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔۔۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ فیا اسفاہ!

"جشن عید میلاد" کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

قباحت اول

اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے، ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد ان ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے، جو روٹی، کپڑا، مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لئے غرباء ومساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اُجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جاسکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو بجتی ہے جس کے بہت سے افراد وخاندان نان شبینہ سے محروم اور جان وتن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جارہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے، جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی۔۔۔۔۔ کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

"بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبیت"

قباحت دوم

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے، آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقعہ پر تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں، انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا، انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی، ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

قباحت سوم

تیسرے اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اسمیں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آ جاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس اور برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ کر دینا کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

قباحت چہارم

جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد ''بدعت'' کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضہ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔۔۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنادیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت وشناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کرسکوں، ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعاء و تضرع گریہ وزاری اور توبہ استغفار میں گزارتے۔۔۔اس رسم کا نام ''تعریف'' یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔۔۔بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہوجاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ واستغفار کی توفیق ہوجایا کرتی، مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

التعریف لیس بشیء.

یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں: ''چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے، جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔'' (ص ۷۶ا ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ''میری قبر کو عید نہ بنالینا'' اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا'' (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔اس لئے انبیاء اولیاء کے قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے، جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں'' (بحوالہ الحجۃ لاہل السنۃ ص ۷)

اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ اور معرج الدرایہ میں ہے کہ ''جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔'' (الحجۃ لاہل السنۃ ص ۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ ''جشن عید میلاد'' کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں۔اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے، یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں، میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہر حال میں اس کو نہ صرف ''بدعت'' بلکہ تحریف فی الدین'' تصور کرتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

پانچواں خطبہ

ہمارے اکابر اور ذکر ولادت

از تحریرات اکابر

حدیث ا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھو مغرب سے پہلے دو رکعت تین بار ارشاد فرمایا اور تیسری مرتبہ چاہے لفظ بھی فرمایا بوجہ ناپسند فرمانے اس بات کے کہ لوگ اس کو سنت سمجھ لیں (بخاری و مسلم) اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ جو چیز شرعاً ضروری نہ ہو اس کو ضروری قرار دے لینا بھی شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے اور اس پر محققین کا اتفاق ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی غیر ضروری چیز کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا جس سے ضروری ہونے کا شبہ ہوتا ہے یہ بھی اسی کے مشابہ ہے لہٰذا ایسا برتاؤ بھی ممنوع ہے اور اس ماہ اکثر لوگ ذکر میلاد کی عادت رکھتے ہیں۔ اس کا حکم بھی اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر اس میں کوئی قید اور تخصیص (دن اور ماہ وغیرہ کی) نہ ہو تو وہ مباح کے درجہ میں ہے اور اگر اس میں کچھ قیود اور تخصیصات بھی ملی ہوئی ہوں تو دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان قیود کو لازم سمجھتا ہو تب تو اس کے بدعت ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں اور اگر ان قیود کو ضروری اور ثواب نہ سمجھتا ہو (بلکہ مباح سمجھ کر کسی مصلحت سے کرتا ہو) تو بدعت کے مشابہ ضرور ہے۔ لہٰذا اپنے اپنے درجہ کے موافق دونوں کو منع کیا جاوے گا ۔ پس جس عالم نے ذکر میلاد والوں کے ساتھ یہ گمان رکھا کہ وہ اس کو ضروری اور قربت خیال کرتے ہیں۔ اس نے ان کو منع کیا اور جس عالم نے اس اعتقاد (فاسد) کی طرف دھیان نہیں کیا وہ جائز کہتا ہے اس سے اختلاف علماء کی وجہ معلوم ہو گئی اور جو شخص عوام کی حالت کو بغور دیکھے وہ ان قیود یا اس فعل غیر ضروری کے تارک پر ایسی بری طرح ملامت اور اعتراض کرتے ہیں کہ ایسی ملامت نماز روزہ ترک کرنے پر بھی نہیں کرتے وہ شخص منع کرنے والوں کے فتویٰ کو بلا شبہ ترجیح دے گا اور یہ اختلاف علماء کا ایسا ہے جیسا کہ سلف میں ہو چکا ہے کہ ان میں بعض نے تنہا جمعہ کا روزہ رکھنے کو منع قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو جائز رکھا ہے۔ اسی طرح بعض صحابہ نے محصب

میں ٹھہرنے کو (حج کرنے والے کے واسطے) سنت کہا ہے اور بعض صحابہ نے کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں اور اسی طرح بہت احکام ہیں (پس اس اختلاف علماء کو جو دربارہ ذکر مولد شریف ہو رہا ہے ہوا بنانا سخت نادانی ہے اور اگر ذکر میلاد میں کوئی بات کھلم کھلا خلاف شرع ہے تو پھر اس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں وہ سب کے نزدیک منع ہے اور اس تحقیق سے گیارھویں کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا جو ربیع الثانی میں (خصوصاً و نیز دیگر مہینوں میں عموماً) کی جاتی ہے)

آیت مبارکہ: اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ بلند کیا ہم نے آپ کے ذکر کو۔

معزز سامعین! آج جمعۃ المبارک کا پیارا موضوع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہ ولادت ربیع الاول سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ ربیع کے معنی ہیں بہار۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔

فضا ہر دو عالم میں یہ کہہ کر پکار آئی بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہر وقت کیا جائے اور ماہ ربیع الاول کا انتظار نہ کیا جائے کیونکہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے ہر وقت اس کا ذکر زبان پر رہتا ہے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کو صرف ماہ ربیع الاول کے لئے مخصوص کرنا خلاف عمل ہے

بعض مدعیان محبت حضرت حسینؓ نے ذکر حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور ایسا ہی بعض مدعیان محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر وقت، ہر انسان کے رگ و پے میں ساری ہو بلکہ دوسرے اذکار بھی اس ذکر کی طرف راجع ہو جایا کریں اور اس کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اسی کا ذکر نکال لیتا ہے اور ہر گفتگو کا خاتمہ اسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔ (النور ص ۳۔ ص ۴)

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ذکر میلاد نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں پھر کلمہ شریف پڑھ دیا اور فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کون پڑھتا۔ یہ لوگ حقیقت شناس

ہیں مگر لوگ بے سوچے سمجھے اعتراض کرتے ہیں۔اس نے پھر کہا کہ بلاواسطہ بھی تو ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیے فرمایا لو، وہ بھی ابھی کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھ دیا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین یعنی آئے رحمۃ للعالمین

مطلب یہ ہے کہ مولانا نے بلا قید رسوم (مٹھائی، جلسہ، چراغاں وغیرہ) آپ کا ذکر کرکے دکھلا دیا۔(الرحمت علی الامت ص۱۰، معارف الاکابر ص۴۲)

اکابر علماء دیوبند... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر وولادت سے منع نہیں کرتے

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مسلک علماء دیوبند'' میں فرماتے ہیں:''وہ آپ کے ذکر مبارک اور مدح ثناء کو عین عبادت سمجھتے ہیں لیکن اس میں عیسائیوں کے سے مبالغے جائز نہیں سمجھتے کہ حدود بشریت کو حدود الوہیت سے جا ملائیں۔'' (تفصیل کیلئے دیکھو کتاب مذکورہ ص۳۰)

(جملہ اکابر دیوبند کی مصدقہ کتاب ''عقائد علمائے دیوبند'' ص۱۹ میں ہے)

حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح وبدعت سیئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول وبراز اور نشست وبرخاست اور بیداری وخواب کا تذکرہ ہو۔

ولادت کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کا تذکرہ بھی کبھی کبھی کرنا چاہیے کیونکہ وفات درحقیقت ولادت ہوتی ہے عالم ملکوت میں اور جیسا وہاں کی ولادت اشرف ہے ایسا ہی اس کا ذکر بھی افضل ہوگا۔مگر اہل میلاد سے آپ نے ذکر ولادت کبھی نہ سنا ہوگا۔غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ناسوتیہ بھی ربیع الاول ہی میں ہے اور ولادت ملکوتیہ بھی، اس لئے یہ مہینہ سب کمالات کا مذکر ہو جاتا ہے۔

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِیْ الْاِسْلَامِ فَضْلٌ وَمَنْقَبَتُهٗ تَفُوْقُ عَلَی الشُّهُوْدِ

رَبِيْعٌ فِیْ رَبِيْعٍ فِیْ رَبِيْعٍ وَنُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

یعنی اسلام میں اس مہینہ کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی منقبت تمام مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ ربیع ہے، ربیع در ربیع ہے اور نور ہے، جو نور پر نور ہے۔ (الرحمت علی الامت ص ۲۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدو مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

تحریر فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کا فرض تو یہ ہے کہ کوئی دن آپؐ کے ذکر مبارک سے خالی نہ جائے البتہ یہ ضروری نہیں کہ ذکر فقط ولادت ہی کا ہو، کبھی آپؐ کی نماز کا، کبھی آپؐ کے روزے کا، اور کبھی آپ کے اخلاق اور اعمال کا جو کہ سب سے زیادہ اہم ہیں، کبھی ولادت باسعادت کا ذکر ہو جائے تو باعث برکت ہے۔'' تبلیغ احکام بھی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ذکر خیر ہے۔ (امداد المفتیین ص ۱۴۷ ج ۲)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ۲۳ سال تک تبلیغ احکام فرمائی ہے ان تئیس سال میں سے اگر وہ تین سال نکال بھی دیئے جائیں جن میں وحی مؤخر رہی تو تمام مدت تبلیغ بیس سال ہوتے ہیں۔ ان بیس سال میں تتبع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت شریفہ کا جتنے وقت میں ذکر فرمایا ہے اس کی مجموعی مدت غالباً ایک ہفتہ بھی نہیں ہوگا اور اگر ایک ہفتہ مان بھی لیا جائے تو ذکر ولادت اور ذکر احکام میں یہ نسبت ہوگی۔ کہ ایک ہفتہ کم بیس سال تک تو احکام کی تبلیغ فرمائی ہے اور صرف ایک ہفتہ ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا تو کیا اتباع سنت کے یہی معنیٰ ہیں۔ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس برس تک ذکر فرمایا ہے اس کو تو بیس منٹ بھی کبھی ذکر نہ کیا جائے اور جس کا ذکر تمام مدت تبلیغ میں چند مرتبہ فرمایا ہے اس کو عمر بھر ذکر کیا جائے۔ (النور ص ۹)

ربیع الاول

اس ماہ مبارک کی یہ فضیلت کافی ہے کہ یہ زمانہ ہے تولد شریف حضور پرنُور سید بنی آدم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور جس قدر زیادہ فضیلت کسی زمانہ کی ہوتی ہے اس زمانے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا عند اللہ والرسول اسی قدر زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے اور حدود اربعہ تجاوز کرنے کا معیار صرف علم ہے، ان حدود کا بواسطہ ادلہ اربعہ شرعیہ یعنی کتاب وسنت واجماع وقیاس مجتہد مقبول الاجتہاد وعند اکابر الامتہ کے اور ان ادلہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس ماہ مبارک میں جو بعض اعمال

بعض عمال میں رائج وشائع ہو گئے ہیں مثل اہتمام انعقاد مجلس مولود شریف بہ تخصیصات معروفہ و قیود معلومہ خصوص بانضمام دیگر منکرات و مثل اعتیاد عید میلاد یہ سب منجملہ افراد تجاوز عن الحدود الشرعیہ کے ہیں۔ پس لامحالہ غیر مرضی عند اللہ والرسول ہوئے البتہ حدود کے اندر رہ کر ذکر مبارک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منجملہ اعظم البرکات وافضل القربات ہے کہ کسی مومن کو خصوص ساعی فی اتباع السنّت کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ اگر ان مقدمات مذکورہ کے مفصل دلائل اور اس ذکر مبارک کے مشروع طریقہ کے اور خود معتد بہ حصہ سیر و سوانح نبویہ کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو رسائل ذیل ضرور ملاحظہ فرمایئے یہ کہ حق بالکل واضح اور التباس بالکل زائل ہو جاوے۔

نام رسائل: طریقہ مولد شریف۔ النور۔ الظہور۔ السرور۔ نشر الطیب اور بلا تحقیق کسی عمل پر یا کسی عمل کے متعلق بدلیل کسی حکم لگانے والے پر کوئی حکم لگانا مضر آخرت ہے۔

اضافہ

رسائل بالا کے ساتھ دو رسالے اور ملاحظہ کے قابل ہیں۔ الحبور۔ الشذور

ربیع الثانی

اس ماہ میں ایک عمل مروج گیارہویں کا ہے جس میں چند امور قابل تحقیق ہیں:

اول اس عمل کی حقیقت سو رواج حال کے موافق یہ عمل حضرت غوث اعظمؒ کے ایصال ثواب کے لئے موضوع ہوا ہے اور احقر نے چند ثقات سے سنا ہے کہ یہ عمل خود حضرت قدس سرہ کا تھا۔ جس سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب ایصال فرماتے تھے اور چونکہ کوئی روایت حضرت قدس سرہٗ کی وفات گیارہویں تاریخ میں واقع ہونے کی نہیں چنانچہ ایک قول ربیع الآخر کی نو تاریخ کا ہے اور ایک قول سترہ تاریخ کا ہے اور شیخ دہلوی نے ماثبت بالسنۃ میں اول کو راجح اور دوسرے کو بے اصل کہا ہے اور اہل اعراس کی عادت تاریخ کی رعایت کی ہوتی ہے سو اول تغیر تو اس عمل میں باوجود دعویٰ محبت واتباع کے لوگوں نے یہ کیا ہے۔

امر دوم: ''اس عمل میں عقیدت''

اس عمل کے اکثر ملتزمین کا یہ اعتقاد ہے کہ اس عمل سے حضرت قدس سرہٗ کی روح خوش ہو کر ہماری حاجات دنیویہ مالیہ وانفسیہ مثل ترقی معاش وحفظ النفس والاولاد من الآفات میں امداد

فرمادے گی۔ نیز بعض کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کے ناغہ کرنے سے حضرت کی روح مبارک ناخوش ہوگی اور اس سے کسی آفت میں مبتلا ہو جاوے گا اور ایسے اعتقادات کا بوجہ استلزام اعتقاد استقلال فی التصرف نقلاً وعقلاً منکر ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد ہے کہ تعین تاریخ کی شرط ہے خاص ثمرات مقصودہ کی اور غیر لازم کو لازم سمجھنا۔ ظاہر ہے کہ خود تجاوز ہے حدود شرعیہ سے اور بعض متکلفین جو ایسے تعیینات کی کچھ اصلیں بیان کیا کرتے ہیں سو تحمیل محض وتمحل محبت ہے۔ چنانچہ شیخ دہلوی نے بعض متاخرین مغاربہ سے اول کچھ نقل پھر شیخ متقی کے قول سے اس پر استدراک فرمادیا کہ **لم یکن فی زمن السلف شئی من ذلک۔**

امر سوم: ''اس عمل میں نیت''

ان عاملین میں کل یا اکثر کی نیت اغراض ومصالح دنیویہ کی درستی ہے حالانکہ طاعت مالیہ کے ایصال ثواب کا حاصل باعتبار ابتداء کے صدقہ ہے کہ کچھ مال کسی مسکین پر تصدق کیا اور باعتبار انتہاء کے ہدیہ ہے کہ اس تصدق کا ثواب کسی کی روح کو پہنچا دیا جیسا کہ خود وہ میت کچھ صدقہ دیتا اور اس کا ثواب اس کے پاس ذخیرہ رہ جاتا اور صدقہ وہدیہ دونوں نیت مذکورہ کے منافی ہیں۔ مثلاً اگر خود حضرت اقدس سرہٗ کسی کو کچھ صدقہ دیتے تو کیا آپ کا مقصود دنیا ہوتی یا محض ثواب ہوتا۔ آپ کی شان تو بہت ارفع ہے ادنیٰ درجہ کا اخلاص بھی کسی طرح ہوگا وہ اطاعت میں دنیا کو مقصود نہیں بنا سکتا یہ تو صدقہ کے پہلو میں نظر تھی، اب ہدیہ کے پہلو کو دیکھ لیا جاوے اگر حضرت قدس سرہٗ زندہ ہوتے اور آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کیا آپ سے دنیا کا کوئی کام نکالنے کی نیت سے ہوتا یا محض محبت اور حضرت کا دل خوش کرنے کے لئے ہوتا پھر اب اس نیت کو کیوں بدلا جاتا ہے اور اس نیت کے ہوتے ہوئے حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ محبت وخلوص کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

امر چہارم: ''اس عمل کی ہیئت''

بجائے مساکین کے اپنے گھر والوں کو یا اغنیا کو حصہ تقسیم کیا جاتا ہے جس سے صاف شبہ ہوتا ہے کہ ایصال ثواب مقصود ہی نہیں محض خاص ہیئات کو اغراض مخصوصہ میں دخیل ہونے میں کافی سمجھا جاتا ہے۔ خاص تعیینات مثل تخصیص اطعمہ وتخصیص مقدار فلوس یا روپیوں کو ضروری سمجھتے ہیں جن کا اولاً بے اصل ہونا اور ثانیاً مزاحم اصول شرعیہ ہونا ظاہر ہے۔ بعضے ان

اطعمہ کے احترام میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی چیز کا اس سے عشر بھی احترام نہیں کرتے کیا اس کو غلو نہ کہا جاوے گا۔ یہ تفریطات تو عوام کی تھیں۔

امر پنجم: ''اس امر میں بعض خواص کی ذلت''

بعض مشتغلین بالباطن اس عمل کے امتثال سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان حضرات کی ارواح ہم سے خوش ہو کر مقاصد سلوک میں امداد کریں گی اور فیوض باطنی پہنچا دیں گے سو اس میں بھی مثل امر دوم کے محذور اعتقاد استقلال فی التصرف کا لازم ہے اور اس میں جو تاویلیں محتمل ہیں اس کی تحقیق تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ صفحہ ۸ تا ۱۳ میں خوب کر دی گئی ہے جو قابل ملاحظہ ہے اس امر پنجم اور امر دوم میں بجز اس کے کہ وہاں مفاسد جسمی اور یہاں روحی ہیں اعتقادی حالت میں کچھ تفاوت نہیں جو اصل منشاء ہے احتیاط کا۔

رفع شبہ

اس سے اصل عمل پر انکار کا گمان نہ کیا جاوے۔ اگر کوئی مخلص عقیدہ بھی درست رکھے اور نہ عمل کو لازم سمجھے نہ اس کی کسی قید کو، نہ حضرت کو متصرف بلا تخلف قرار دے نہ تاریخ کو تعیین کرے نہ اطعمہ وغیرہ کی اور مقصود صرف حضرت کی محبت اور آپ کے دینی احسانوں کے صلہ میں آپ کو ثواب بخشنا ہوتا کہ آپ کو ترقی مدارج قرب کا نفع ہو پھر اس خدمت ثواب رسانی پر حق تعالیٰ جو چاہے نعمت دے دے جس میں حضرت کے علم و تصرف کو دخل بھی نہ ہو۔ ایسے شخص کو اس کی اجازت ہے اور اس کے ساتھ ہی مصلحت شرعیہ یہ ہے کہ ایسی بات سے احتیاط رکھے جس سے ظاہر بینوں کو شبہ اور سند ہو سکے۔ یعنی اول تو کسی پر اس کا اظہار نہ کرے اور نفل اطاعت ویسے بھی خفیہ افضل ہے۔ دوسرے اگر مخفی نہ رہ سکے تو اس کا مروج نام گیارہویں نہ رکھے۔ مناسب اور صحیح اور حقیقت پر دلالت کرنے کے لئے کافی عنوان ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (اللّٰھم آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چھٹا خطبہ

ذکراللہ اور دعا

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بیٹھتی کوئی جماعت جو اللہ کا ذکر کرتی ہو مگر گھیر لیتے ہیں ان کو فرشتے اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور نازل ہوتی ہے ان پر راحت اور تسلی اور خدائے تعالیٰ اپنے پاس والوں سے اُن کا ذکر کرتا ہے۔'' (مسلم)

فائدہ: یعنی ملائکہ مقربین سے ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو ذکر خداوندی میں مشغول ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ درو یکدو کس یکدو نفس بہرِ خدا بنشیند

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (یعنی ذاکر زندہ اور غافل مردہ ہے)۔'' (متفق علیہ)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔'' (ترمذی)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک دُعا سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک دعا نفع دیتی ہے اس (بلا اور مصیبت) سے جو نازل ہو چکی اور اس سے جو ابھی نازل نہیں ہوئی (یعنی دعا سے نازل شدہ بلا دور ہو جاتی ہے اور جو آئندہ آنے والی تھی وہ بھی ٹل جاتی ہے) پس اے بندگان خدا تمہارے ذمہ (ہر حال میں) دعا کرنا ضروری ہے (کیونکہ) اگر اس وقت کسی آفت میں مبتلا نہیں تو کیا خبر کہ آئندہ بھی کوئی آفت آنے والی نہیں ہے۔'' (ترمذی)

حدیث ششم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے دُعا نہیں مانگتا' خدا تعالیٰ اُس پر ناراض ہوتا ہے۔ (اللہ اللہ کیا ٹھکانہ ہے کرم کا)۔'' (ترمذی)

آیت مبارکہ

''حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کی یاد خوب کثرت سے کیا کرو اور صبح وشام (یعنی ہر وقت) اس کی تسبیح (اور پاکی) بیان کرو۔''

اضافہ: (الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم جنت کی کیاریوں میں گزرو تو (ان میں سے) خوب کھاؤ۔ صحابہؓ نے عرض کیا جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر کے حلقے۔'' (ترمذی)

(ب) ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''شیطان انسان کے دل پر بیٹھا ہوا ہے جب وہ خدا کو یاد کرتا ہے تو شیطان غائب ہو جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔'' (بخاری)

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دُعا مانگا کرو کہ قبول کا یقین رکھتے ہو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ قلب غافل سے دُعا قبول نہیں کرتا۔'' (ترمذی)

معزز حضرات! آج کا موضوع فضیلت ذکر اللہ و دعا ہے۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کی یاد کرنے سے

خطبہ میں جو آیت مبارکہ تلاوت کی گئی ہے اس کا ترجمہ ہے: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔''

اسلام میں صرف دو عبادات کا کثرت سے حکم دیا گیا ایک ذکر اللہ دوسرے دُرود شریف۔ چنانچہ ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''کثرت کرو مجھ پر دُرود بھیجنے کی بلاشبہ وہ پاکیزگی ہے تمہارے واسطے یعنی بہ سبب دُرود کے گناہوں سے پاکی اور ہر طرح کی ظاہری و باطنی، جانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔'' (زادالسعید) اس لیے ان عبادات میں کسی قسم کی پابندی اور شرط نہیں، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے کھڑے چلتے پھرتے وضو بلا وضو ہر وقت ادا کی جا سکتی ہیں۔

ورنہ ان دو عبادات کے علاوہ اسلام میں کثرت کے بجائے اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔ روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ میں رسیاں لٹکی ہوئی دیکھیں تو ان کے بارے میں دریافت کیا گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا یہ اُمہات المؤمنین کی رسیاں ہیں، رات کو نوافل پڑھ کر جب نیند ان پر غلبہ کرتی ہے تو وہ اپنی چوٹیاں اور بال ان رسیوں میں

ڈال کر لٹکتی ہیں تا کہ نیند جاتی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں اتنی سختی نہیں جب نیند کا ایسا غلبہ ہو تو تکیہ رکھو اور سو جاؤ۔ اسی بناء پر بعد نماز فجر سورج نکل کر بلند ہونے تک اور بعد عصر غروب آفتاب تک نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور تین اوقات میں ہر قسم کی نماز پڑھنا حرام قرار دیا گیا، طلوع آفتاب سے سورج کے بلند ہونے تک سورج کے عین سر پر ہونے سے ختم زوال تک اور غروب آفتاب کے وقت۔ اسی طرح پے در پے نفل روزہ رکھنا جس میں زیادہ ضعف ہو جائے منع کیا گیا اور ایسا نفلی حج جس میں فرض نماز قضا ہونے کا خوف ہو فقہاء نے منع فرمایا۔ پس ذکر اللہ کی کثرت کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: "اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی ہی خاصیت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ (اس طرح کہ اس سے حق تعالیٰ میں اور بندہ میں تعلق بڑھ جاتا ہے اور اطمینان کی جڑ یہی تعلق ہے۔) ولذکر اللہ اکبر ط (العنکبوت آیت نمبر ۴۵)

اور اللہ کی یاد بڑی چیز ہے (یعنی اس میں بڑی فضیلت ہے)

احادیث

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر شئی کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی کا اللہ کا ذکر ہے۔"

"حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص ذکر نہ کرتا ہو ان کی حالت زندہ اور مردہ کی سی حالت ہے یعنی پہلا شخص مثل زندہ کے ہے اور دوسرا مثل مردہ کے کیونکہ روح کی زندگی یہی اللہ کی یاد ہے یہ نہ ہو تو روح مردہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جگہ بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔" (ابوداؤد)

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ کوئی موقع اور کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

ذکر کی حقیقت

ذکر کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذکر صوری یعنی زبان سے یاد کرنا جس کو ذکر لسانی بھی کہتے ہیں۔

(۲) ذکر حقیقی یعنی پورے اعمال شرعیہ کو بجالانا یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا کر لینا کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں دل میں بس جانا کہتے ہیں۔ یہ ذکر کی حقیقت ہے۔

ذکر میں کسی قسم کی پابندی نہیں

۱- اللہ کا نام لینے میں القاب و آداب کی شرط نہیں۔ حکام دنیا کو دیکھئے اگر کبھی اجازت بات کرنے کی ہوتی ہے تو بڑے القاب و آداب کے ساتھ ہوتی ہے۔ حاکم کا نام کوئی نہیں لیتا بلکہ حاکم کا نام لینا سخت جرم ہے۔ بتلایئے اگر حق تعالیٰ بھی اپنے نام کے ساتھ القاب و آداب کی شرط لگاتے تو وہ القاب و آداب کہاں سے لاتے جو اس بارگاہ کے لائق ہوتے۔ (شرف المکالمہ ص ۲۷) مگر حق تعالیٰ کی شان کریمی ملاحظہ فرمایئے کہ نہ ان کا نام لینا جرم ہے نہ القاب و آداب کی شرط ہے بلکہ ان کے نام کا ورد کرنا عین ثواب ہے۔

۲- اللہ کا ذکر کرنے کے لیے طہارت کی بھی شرط نہیں۔ سلاطین دنیا سے اگر کوئی ان کے دربار میں حاضر ہو کر بات کرتا ہے تو حتی الوسع پاک صاف ستھرا ہو کر اچھا لباس پہن کر ہم کلام ہوتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ بھی اپنا نام لینے کے لیے پاک ہونے کی شرط فرماتے تو اگر لاکھوں سمندروں سے ہم غسل کر لیتے تو اس وقت بھی لائق اس کے نہ ہوتے کہ ان کا نام پاک لے سکیں۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(اگر ہزار مرتبہ بھی مشک و گلاب سے اپنا منہ دھولوں پھر بھی آپ کا نام لینا بے ادبی ہے)

مگر یہ رحمت فرمائی کہ جو طہارت قانونی ہے نام لینے اور ہم کلام ہونے میں اس کی بھی قید نہیں پاک ناپاک وضو بے وضو ہر حالت میں اجازت نام لینے کی دے دی۔ (شرف المکالمہ ص ۲۹)

۳- بیٹھ کر ذکر کرنے کی بھی شرط نہیں۔ حکام دنیا سے اگر کچھ عرض معروض کرنا ہوتا ہے تو ادب سے بیٹھ کر عرض کرتے ہیں۔ یہاں اس کی بھی قید نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: **"فاذکروا اللّٰہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم"** (یعنی کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کرو) (شرف المکالمہ ص ۳۰)

۴- اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں وقت کی بھی قید نہیں، حکام دنیا سے ملنے کا ایک خاص وقت مقرر ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں جس وقت چاہو اللہ کا ذکر کر لو۔

۵- اللہ کے ذکر کے لیے نہ کسی گنتی کی قید ہے نہ تسبیح رکھنے کی نہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی نہ کسی خاص جگہ کی نہ ایک جگہ بیٹھنے کی، ہر طرح سے آزادی اور اختیار ہے۔ (حیوٰۃ المسلمین ص ۲۰۸) اس کے

باوجود بھی اگر کوئی شخص اللہ کے ذکر سے محروم رہے تو اس کی بدقسمتی اور بے ہمتی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی کہ اگر تو کسی قابل ہوتا

ذکر کے ثمرات

ذکر کے دو ثمرات ہیں: (۱) رضا حق سبحانہ جو کہ اصل ثمرہ ہے اس کا ظہور تو آخرت میں ہوگا دوسرا ثمرہ جو دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قلب کو ایک خاص لگاؤ حق تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے جیسا کہ عاشق کے قلب کو معشوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو کہ جملہ دین کی روح ہے بقول اکبر الٰہ آبادی مرحوم

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

اور حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ ذکر کا سب سے بڑا ثمرہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں یاد کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: "فاذکرونی اذکرکم" اور وعدہ کا بھی تخلف نہیں ہوتا۔

ذکر کے تین درجے

ذکر کا ایک درجہ یہ ہے کہ صرف زبان کو حرکت دی جائے اور قلب متوجہ نہ ہو۔ یہ درجہ سب سے کم ہے دوسرا درجہ جس میں زبان کو حرکت نہ دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے' یہ پہلے درجے سے بڑھ کر ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب کو بھی متوجہ کیا جائے' یہ سب سے بڑھ کر اور افضل ہے۔ (الصلاح والاصلاح)

بعض مواقع میں ذکر قلبی افضل ہے

جس وقت نیند نہ آوے اس وقت تک تو نفلیں تسبیح اور ذکر وغیرہ سب کچھ کرو مگر جب نیند کا غلبہ ہو تو سو رہو چنانچہ حدیث میں ہے: "اذا غلب احدکم النعاس وھو یذکر اللہ فلیرقد" امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں ذکر بند کر دینا ضروری ہے آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں: "لعلہ یستغفر فیسب نفسہ" یعنی ممکن ہے کہ وہ قصد تو استغفار کا کرے اور بجائے استغفار کے اپنے آپ کو کوسنے لگے کیونکہ اس وقت مارے نیند کے ہوش نہیں رہتا لامحالہ کہے گا کچھ اور نکلے گا کچھ۔ تو شاید بجائے دعا کے بددعا نکلے۔ چنانچہ اس کی تفسیر میں علماء

نے مثال کے طور پر کہا ہے کہ کہنا چاہتا ہے: "اللّٰھم اغفرلی" یعنی اے اللہ! مجھے بخش دے تو ممکن ہے بجائے اس کے زبان سے نکلے "اللّٰھم اعفرلی" یعنی اے اللہ! مجھے برباد کردیجئے (نعوذ باللہ) صرف ایک نقطے کے گھٹنے سے معنی اس قدر بدل گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلبہ نیند کے وقت ذکر کی ممانعت ہے مگر دوسری حدیث میں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللّٰہ فی کل احیانہ" یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے اور ہر وقت نیند میں بھی داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس سنت پر ذکر لسانی کے طریق پر نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کریں گے کہ غلبہ نیند کے وقت ذکر لسانی کی ممانعت ہے خواہ محض ہو یا قلب کے ساتھ۔ ہاں محض ذکر قلبی کی اجازت ہے۔ (الصلاح والاصلاح ص ۱۲) غرض نیند کے غلبہ بول و براز و جماع اور مواقع قاذورات...... میں زبان سے ذکر کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ ذکر قلبی کی کسی حال میں ممانعت نہیں ہر وقت اجازت ہے یہ بے شک محیط کل اور ہر جہت سے غیر موقت ہے ایسے مواقع پر ذکر قلبی افضل ہے کیونکہ یہ کھانے اور سونے کے وقت بھی ہوسکتا ہے۔ گو انسان سونے کے بعد مکلف ہی نہیں (الصلاح والاصلاح ص ۹) اس لیے بزرگان ایسے وقت "پاس انفاس" پر عمل کرتے ہیں اس طرح ان کا کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔

ذکر میں خلوص

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو تو ذکر ریائی بھی نہیں کرتا تو کیا منہ لے کر کہتا ہے وہ تو ٹمٹماتا ہوا چراغ لے کر پل صراط سے پار ہوجائے گا اور تو تو اس سے بھی محروم ہے اس کی نسبت کہا ہے:

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن　　بازی اگرچہ پا نہ سکا تو سر کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

(اول الاعمال ص ۲۶)

ہمیشہ محققین ذکر کے متعلق یوں ہی فرماتے ہیں کہ خلوص قلب کا انتظار نہ کرنا چاہیے بلکہ جس طرح بھی ہو ذکر کرنا چاہیے۔ اس کی برکت سے شدہ شدہ خلوص بھی پیدا ہوجائے گا۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی۔ آخر مبدل بخلوص ہوجاتی ہے پھر وہ خلوص موجب قرب ہوجاتا ہے۔ غرض ریا پہلے ریا ہوتی ہے پھر عادت ہوجاتی ہے پھر عبادت بن جاتی ہے۔ (شکر النعمت بذکر رحمة

الرحمة ص ۵ ، فانّ الجنّة هی المأوی ص ۳۸ فروع الایمان ص ۸)

حقیقت دین کی ذکر ہے

حصن حصین میں منقول ہے کہ "کل مطیع للّٰہ فھو ذاکر" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا ہے۔ دراصل وہی سچا ذاکر اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہے۔ حتیٰ کہ اگر خدا تعالیٰ کے امتثال امر کے لیے کھانا بھی کھائے تو وہ بھی ذکر ہے بلکہ اگر قربت منکوحہ میں بھی پابندی دین مقصود ہو تو وہ بھی ذکر ہے۔ علیٰ ہذا اگر استنجا بھی اس نیت سے کرے کہ اس سے فارغ ہو کر عبادت میں مشغول ہوگا تو وہ بھی ذکر ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو کام مرضی الٰہی کے موافق ہو پس اسی کو ذکر نہیں کہتے کہ تسبیح لے کر بیٹھے۔ اگر کوئی پانچ وقت کی بھی نماز پڑھے، روزہ رکھے اور بصورت وجوب حج کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور ایک تسبیح بھی نہ پڑھے تو اگرچہ خاص برکات سے یہ محروم رہے گا لیکن نجات میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ ہاں! یہ شرط ہے کہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے تو گویا جو شخص صرف اوامر اور نواہی پر عمل کرے وہ خدا کا مقبول ہے اس کو نہ قبر میں تکلیف ہوگی نہ قیامت میں عذاب ہوگا تو حقیقت دین کی ذکر ہے اور اس کے لیے تسبیح کی ضرورت نہیں۔

کثرت ذکر سے نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے

ذکر کا حقیقی مقصود یہ ہے: "فاذکرونی اذکرکم" جس کا ظہور آخرت میں ہوگا اور عاجل مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر سے نسبت مع اللہ ہو جائے اور اس سے سہولت فی الطاعۃ ہو۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ص ۳۸) غرض دوام ذکر کی کوشش کرنا چاہیے کیونکہ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو واصل کر دیتا ہے اس لیے جتنا ہو سکے ذکر کرتے رہو اس کو بے کار نہ سمجھو۔ قاعدہ سے یا بے قاعدہ ناغہ سے یا بلا ناغہ کرتے رہو، ایک دن عنایت ہو جائے گی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:

گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم　　بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں

دیکھو! اگرچہ پیٹ آخری لقمہ سے بھرتا ہے لیکن پیٹ بھرنے میں پہلے لقمہ کو اتنا دخل ہے جتنا آخری لقمہ کو اسی طرح واصل اگرچہ آخر میں ایک دفعہ اللہ کا نام لینے سے ہوتا ہے لیکن اس میں پہلی مرتبہ اللہ کہنے اور ذکر و شغل کرنے کو بھی دخل ہے۔ (زکوۃ النفس ص ۱۸ اھم الاخرہ ص ۵۶ اللدنیا والاخرہ ص ۳۹)

خدا کے ذکر سے ہی قلوب کو چین مل سکتا ہے

ارشاد خداوندی ہے "الا بذکر اللّٰہ تطمئنّ القلوب ط" یعنی یاد رکھو کہ خدا کی یاد ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے قلوب کو چین مل سکتا ہے۔ دنیا بھر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو قلوب کو راحت پہنچا سکے۔ (راحت القلوب ص ۱۴) یہاں حق تعالیٰ نے حصر حقیقی کے ساتھ (لفظ الا) فرمایا ہے کہ صرف ذکر الٰہی ہی میں قلوب کا چین منحصر ہے۔ ذکر اللہ کے بغیر کسی اور ذریعہ سے قلوب کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اس کی مثال یوں ہے کہ مچھلی کو سکون پانی ہی میں مل سکتا ہے۔ پانی کے بغیر اسے تسکین ناممکن ہے۔ بعینہٖ حق سبحانہ وتعالیٰ نے قلب کو خاص اپنے واسطے بنایا ہے۔ اسی سکون و اقرار اسی وقت ہوگا جب اس کے اندر یاد الٰہی بسی ہوگی۔

ذکر اللہ کی چند مثالیں

کلمہ طیبہ کا ذکر افضل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں "افضل الذکر لاالٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ" تلاوت قرآن بھی ذکر ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "انا نحن نزلنا الذّکرو انّا له لحافظون" غرض جو دل چاہے ذکر کرے لیکن کسی وقت ذکر سے غافل نہ ہو۔ خواہ گنتی سے کرے یا بلا گنتی۔ تسبیح ہاتھ میں رکھے یا بغیر تسبیح۔ اسم ذات، نماز، تلاوت، نوافل، دُرود پاک، استغفار، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور ادعیہ ماثورہ مثل منزل مناجات مقبول سب ذکر میں شامل ہیں جسے چاہے کرتا رہے۔ "اللّٰھُمَّ وفقنا" (آمین)

ذکر اسم ذات کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے "واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا" یہاں اپنے رب کے نام اللہ کا ذکر کا حکم صاف واضح ہے۔

اسّی سال کی عبادت کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ دُرود شریف پڑھے۔

اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمّدن النّبی الاُمیّ وعلیٰ آله وسلّم تسلیماًo

"تو اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لیے لکھا جائے گا۔" (فضائل دُرود)

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو کثرت ذکر اللہ میں مشغول رہنے اور دُرود شریف کثرت سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللّٰھُمَّ آمین

آج کے خطبہ کا دوسرا موضوع فضیلت دعا ہے سوائے دعا کے جتنے اسباب ہیں ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں۔ چنانچہ اسباب طبعیہ کا (مثل تجارت، زراعت، طباعت اور ملازمت وغیرہ کے) اصلی مقصود فلاح دنیوی بنایا گیا۔ گو بواسطہ معین دین بھی ہو اور اسباب شرعیہ (مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو مگر صرف دعا ایک ایسی چیز ہے کہ فلاح دین و فلاح دنیا دونوں کے لیے بالمساوات ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے۔ جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقعت و عظمت ظاہر و باہر ہے اس لیے قرآن مجید و حدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت و تاکید جابجا وارد ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''دعا کرو مجھ سے میں قبول کروں گا'' اور ارشاد فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بڑی عبادت تو دعا ہے'' اور فرمایا ''جس شخص کو دعا کی توفیق ہوگئی اس کے لیے قبولیت کے دروازے کھل گئے'' اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازہ کھل گئے اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی گئی جو عافیت کے مانگنے سے زیادہ محبوب ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی حوائج مانگنے کا بھی حکم ہے اور ارشاد فرمایا کہ ''قضا کو صرف دعا ہٹا دیتی ہے'' اور ارشاد فرمایا کہ ''احتیاط و تدبیر سے تقدیر نہیں ٹلتی'' اور دُعا نازل شدہ بلا سے بھی نافع ہے اور اس بلا سے جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور کبھی بلا نازل ہوتی ہے اور اِدھر سے دُعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرتا رہے اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی قبولیت کی یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے۔ پس دعا کر کے خواہ قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو بدگمان نہ ہونا چاہیے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں۔ اور ارشاد فرمایا ''جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمالیا کریں اس کو چاہیے کہ خوش عیشی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بلا مصیبت کے دعا مانگنے کا اثر، مصیبت کے وقت مانگنے میں ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا۔ اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلا زدہ قوم پر گذر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے۔'' اور فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعا میں اُڑ جائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو خواہ سر دست اس کو دیدیں یا آئندہ

کے لیے جمع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول تو ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں، کبھی وہی چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لیے جمع ہو جاتا ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی اس کی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے۔ غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی و بے توجہی ہے۔ حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعا کے ہیں جیسے نماز پنجگانہ ان میں بھی بجز آموختہ سا پڑھ لینے کے اصلا الحاح یا دلچسپی کا اثر تک نہیں پایا جاتا اور یہ سمجھ کر دعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں پیش کر دینا اور بار بار درخواست گزارنا کامیابی کا ایک مؤثر اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ ہے۔ جس طرح اپنے بعض حوائج کے لیے دنیا کے امراء و حکام سے بار بار التجا کرنا اپنی مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تکرار عرض و معروض سے روزانہ امیدیں اور امنگیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں۔ اگر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب مجبوری کسی ایک آدھ کو شاذ و نادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ بھی دعا کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ عمل، عزیمت شروع کر دیا حالانکہ ایسے موقع پر دعا کی اشد ضرورت ہے۔ اپنی حاجات کے لیے بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع سے دعائیں مانگنا شروع کر دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور قبول فرما لیتے ہیں۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　مے دہد یزداں مرادِ عاجزی

بعض لوگ اپنے کو دعا مانگنے کا اہل نہیں سمجھتے حالانکہ دعا کے لیے اہلیت شرط نہیں صرف عجز و نیاز کافی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَامِنْ قَلْبٍ لَاہٍ" (یعنی بے شک اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں فرماتے)

درخواست دیتے وقت تو دنیوی حاکم کے سامنے بھی حاضر دماغی اور توجہ دلی سے کھڑے ہیں اس لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کے انتہائی حضور قلب کی ضرورت ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ" دعا عبادت کا مغز ہے جیسے بادام کی ایک گری ہے اور ایک چھلکا۔ اسی طرح دعا عبادت کا مغز ہے۔ جب عبادت کی قبولیت شرط ہے تو دعا میں تو اس کی اشد ضرورت ہے۔ دعا مانگنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورۃ الفاتحہ کی پہلی تین آیات پڑھے، اس کے بعد درود ابراہیمی یا کوئی اور درود شریف پڑھے پھر جتنی دیر چاہیں دعائیں خشوع و خضوع سے مانگتا رہے اور آخر میں صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیرے کیونکہ جس دعا کے اول و

آخر دُرود شریف پڑھا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ روزانہ دعاؤں کے معمول بتانے کے لیے مناجات مقبول میں قرآن وحدیث کی دعائیں جمع کردی ہیں جس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں۔ (کیونکہ ہماری خودساختہ دعاؤں میں) وہ برکت کہاں جو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دعاؤں میں ہے۔ غرض مقدمہ دعا میں چند کوتاہیاں واقع ہو رہی ہیں۔ اول بدون اڑے وقت کے دُعا کی طرف توجہ نہ ہونا۔ دوم ایسے وقت میں بھی اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دعائیں چھوڑ کر نئے نئے وظائف پڑھنا۔ سوم بدشوقی و بے رغبتی سے دعا کرنا اور جی نہ لگانا۔ چہارم قبولیت کا یقین اور امنگ نہ ہونا۔ پنجم جلدی اور تقاضا مچانا اور ذرا توقف ہوجائے تو تنگ ہوکر چھوڑ دینا۔ ان کوتاہیوں کے تدارک کرنے کے لیے بمقتضائے مصلحت وضرورت وقت مناسب معلوم ہوا کہ جو جامع دعائیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں ان کو جمع کردیا جائے کیونکہ ان کو دوسری دعاؤں پر بچند وجوہ ترجیح ہے۔ اول یہ کہ جب خود حاکم مضمون عرضی کا بتلا دیتا ہے تو اس کی منظوری میں پھر کوئی تردد نہیں رہتا۔ اسی طرح جو دعائیں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ وحی جلی یا خفی خود تعلیم فرمائیں تو بلاشک اقرب الی الاجابۃ ہیں۔ دوسرے ان میں جس قدر دینی ودنیوی ضرورتوں کی رعایت کی گئی ہے اگر ہم لوگ قیامت تک بھی سوچیں تو ممکن نہیں کہ ایسے جامع مضامین تجویز کرسکیں۔ تیسرے بعض اوقات مضمون دعا میں سوءادب ہوجاتا ہے جس سے وہ دعا الٹی وبال جان ہوجاتی ہے جس طرح کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر کی دعا کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے بلا کی درخواست کی یا ایک صحابیؓ نے دعا کی تھی کہ جتنا عذاب مجھ کو آخرت میں ہونا ہو وہ سب یہیں ہوجائے اور آپ نے تنبیہ فرمائی تھی یا کسی صحابیؓ زادہ نے جنت کے داہنے جانب کوشک سفید دُعا میں مانگا تھا اور ان کے والد نے اصلاح فرمائی تھی۔ غرض اپنی رائے اور قیاس سے مضمون معین کرنے سے اس قسم کا احتمال اس میں رہتا ہے اور جو دعائیں منصوص ہیں وہ ان خدشات سے منزہ ومبرا ہیں اور ہرچند کہ افضل واکمل طریقہ تو یہی ہے کہ وہ دعائیں بعینہٖ اُنہی الفاظ سے پڑھی جائیں جس طرح منقول ہیں۔

الحمدللہ مناجات مقبول میں ان دعاؤں کو سات حصوں (منزلوں) میں تقسیم کردیا گیا ہے جو ہفتہ سے شروع کرکے جمعہ تک ختم ہوجاتی ہیں جس میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا۔ کوشش و ہمت کرکے یہ معمول آج ہی سے شروع فرمالیں۔

"اللّٰھُمَّ وفقنا لما تحبُّ وترضٰی"

ربیع الاوّل کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	واقعات وحادثات	ربیع الاوّل	مطابق
۱	ولادت باسعادت حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	۹-اعام الفیل	۱۲اپریل ۵۷۱ء
۲	حضانت ورضاعت بذمہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ	۱۶-اعام الفیل	۲۷اپریل ۵۷۱ء
۳	آفتاب رسالت کا طلوع وبشارت وحی	۹-اعام الفیل	۹فروری ۶۱۰ء
۴	غار ثور سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی	یکم اھ	۱۳ستمبر ۶۲۲ء
۵	قباء میں آنحضرت کی تشریف آوری	۸ اھ	۲۰ستمبر ۶۲۲ء
۶	تاسیس مسجد قباء	۸ اھ	۲۰ستمبر ۶۲۲ء
۷	پہلی نماز جمعہ و پہلا خطبہ جمعۃ المبارک	۱۲ اھ	۲۴ستمبر ۶۲۲ء
۸	مدینہ منورہ میں حضور کا ورود مسعود	۱۲ اھ	۲۴ستمبر ۶۲۲ء
۹	مسجد نبوی کی تاسیس	۱۹ اھ	۲۴ستمبر ۶۲۲ء
۱۰	اذان کی باقاعدہ ابتداء	اھ	اکتوبر ۶۲۲ء
۱۱	غزوہ بنی نضیر	۴ھ	ستمبر ۶۲۵ء
۱۲	حرمت شراب کا قطعی حکم	۴ھ	ستمبر ۶۲۵ء
۱۳	تبلیغی مکاتیب نبوی کا آغاز	ربیع الاول ۷ھ	جولائی ۶۲۸ء
۱۴	حیات اقدس کے آخری لمحات	۱۲-۱۱ھ	۷جون ۶۳۲ء
۱۵	خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۲-۱۱ھ	۷جون ۶۳۲ء
۱۶	فتح دمشق	۱۴ھ	اپریل ۶۳۵ء
۱۷	وفات معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۸ھ	مارچ ۶۳۹ء

۱۸	وفات ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ	۲۰ھ	فروری ۶۴۰ء
۱۹	وفات حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ	۳۱ھ	اکتوبر ۶۵۱ء
۲۰	وفات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۳۶ھ	اگست ۶۵۶ء
۲۱	صلح حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما	۴۱ھ	جولائی ۶۶۱ء
۲۲	وفات حضرت حسن رضی اللہ ابن علی کرم اللہ وجہہ	۱-۴۹ھ	اپریل ۶۶۹ء
۲۳	وفات حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	ربیع الاول ۵۱ھ	مارچ ۶۷۱ء
۲۴	وفات یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ	۶۴ھ	اکتوبر ۶۸۳ء
۲۵	وفات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	۷۴ھ	جولائی ۶۹۳ء
۲۶	وفات قاضی شریح	۷۸ھ	مئی ۶۹۷ء
۲۷	شہر واسط کی تعمیر	۸۲ھ	اپریل ۷۰۱ء
۲۸	وفات قاضی مدینہ حضرت طلحہ زہری	۹۷ھ	نومبر ۷۱۵ء
۲۹	وفات حضرت عطاء بن یسار	۱۰۳ھ	اگست ۷۲۱ء
۳۰	جنگ موقان	۱۰۸ھ	جولائی ۷۲۶ء
۳۱	وفات حضرت عمرو بن شعیب السہمی	۱۱۸ھ	مارچ ۷۳۶ء
۳۲	جن نصیبین	۱۳۷ھ	اگست ۷۵۴ء
۳۳	وفات حضرت سلمہ بن دینارؒ	۱۴۰ھ	جولائی ۷۵۷ء
۳۴	تعمیر مسجد الحرام، مکہ معظمہ	۱۶۶ھ	اکتوبر ۷۸۲ء
۳۵	وفات حضرت امام ابوداؤد طیالسیؒ	۱۵-۲۰۴ھ	اگست ۸۱۹ء
۳۶	وفات حضرت امام احمد بن حنبلؒ	۱۲-۲۴۱ھ	جولائی ۸۵۵ء
۳۷	وفات امام حسن عسکریؒ	۲۶۰ھ	دسمبر ۸۷۳ء
۳۸	وفات امام قرطبیؒ	۴۲۹ھ	دسمبر ۱۰۳۷ء
۳۹	وفات خطیب بغدادی صاحب التاریخ	۴۶۳ھ	دسمبر ۱۰۷۰ء
۴۰	وفات حضرت شیخ علی ہجویریؒ	۱۲-۴۶۴ھ	نومبر ۱۰۷۱ء

۴۱	امام غزالی رحمہ اللہ نے مدرسہ نظامیہ سے استعفیٰ دیا	ربیع الاول ۴۸۸ھ	مارچ ۱۰۹۵ء
۴۲	وفات قطب بختیار کاکی رحمہ اللہ	۶۳۲ھ	اکتوبر ۱۲۳۴ء
۴۳	وفات حضرت علاؤالدین صابر کلیری رحمہ اللہ	۱۳، ۶۹۰ھ	مارچ ۱۲۹۱ء
۴۴	وفات حضرت نظام الدین اولیاء دہلی	۱۸، ۷۲۵ھ	فروری ۱۳۲۵ھ
۴۵	وفات شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ	۱۰۵۲ھ	مئی ۱۵۴۲ء
۴۶	وفات زیب النساء دختر عالمگیر رحمہ اللہ	۱۱۱۲ھ	اگست ۱۷۰۰ء
۴۷	وفات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ	۱۱۷۲ھ	ستمبر ۱۷۶۲ء
۴۸	وفات مؤمن دہلوی	۱۲۷۹ھ	دسمبر ۱۸۵۲ء
۴۹	وفات علامہ عبدالحی فرنگی محل رحمہ اللہ	۱۳۰۴ھ	نومبر ۱۸۸۶ء
۵۰	وفات قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ	۱۳۴۹ھ	جولائی ۱۹۳۰ء
۵۱	آزادی لبنان	۱۳۶۵ھ	فروری ۱۹۴۵ء
۵۲	وفات علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ	۱۴، ۱۳۷۳ھ	۲۲، نومبر ۱۹۵۳ء
۵۳	آزادی نائجیریا	۱۳۸۰ھ	اگست ۱۹۶۰ء
۵۴	وفات امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	۱۳۸۰ھ	اگست ۱۹۶۰ء
۵۵	وفات مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ	۱۴، ۱۳۸۲ھ	۱۶ اگست ۱۹۶۲ء

طلوع آفتاب رسالت

بعمر چالیس سال ۹/فروری ۶۱۰ء ۴۱ میلادی اور ۱ نبوی ۹/ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ بعثت و نبوت، وضو اور نماز فجر و ظہر کا حکم ہوا، بقول دیگر بعمر چالیس برس چھ ماہ ۱۷/ رمضان ۱۳/ اگست ۶۱۰ء کو غار حراء میں نبوت ملی۔

۱ نبوی ۶۱۰ء

آغاز نزول قرآن، اسلام حضرت خدیجہؓ وابوبکرؓ وعلیؓ وزید بن حارثہؓ ولادت حضرت فاطمہؓ۔

۳ نبوی ۶۱۲ء

علانیہ دعوت اسلام کوہ صفا کا مشہور خطبہ سفارت قریش و جواب ابو طالب مسلمانوں پر کفار کے مظالم۔

رجب ۵ھ نبوی اپریل ۶۱۴ء

حبشہ ہجرت اولیٰ ۶ھ نبوی قبول اسلام حضرت حمزہؓ و حضرت عمرؓ۔

محرم ۷ھ نبوی اکتوبر ۶۱۵ء

حبشہ ہجرت ثانیہ......محرم ۷ھ نبوی تا ۹ھ نبوی ۶۱۸ء تین برس شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کی محصوری۔

شوال ۱۰ھ نبوی اپریل ۶۱۹ء

وفات ابوطالب و حضرت خدیجہؓ، سفر طائف، ایام حج میں تبلیغ اسلام، حضرت سودہؓ و حضرت عائشہؓ سے نکاح۔

۲۷/ رجب ۱۱ھ نبوی ۹/ مارچ ۶۲۰ء

واقعہ معراج اور نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

ذوالحجہ ۱۱ھ نبوی جولائی ۶۲۰ء

عقبہ منیٰ میں مدینہ کے چھ آدمیوں کا قبول اسلام اور مدینہ میں اسلام کا آغاز

ذوالحجہ ۱۲ھ نبوی جون ۶۲۱ء

بیعت عقبہ اولیٰ، مدینہ کے بارہ اشخاص کی بیعت اسلام، مصعب بن عمیرؓ اور عبداللہ بن ام مکتومؓ کی تبلیغ و تعلیم اسلام کیلئے مدینہ روانگی۔

۱۳ ذوالحجہ ۱۳ھ نبوی ۲۸/ جون ۶۲۲ء

بیعت عقبہ ثانیہ، مدینہ کے تہتر مرد، دو عورتوں کی بیعت اسلام و معاہدہ حمایت۔

مدینہ ہجرت نبویؐ

شب جمعہ ۲۷/ صفر ۱۴ھ نبوی کو آنحضورؐ اور ابوبکرؓ مکہ سے نکلے، جمعہ، شنبہ، یکشنبہ، ۲۷/ ۲۸/ ۲۹ صفر ۱ھ ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ستمبر ۶۲۲ء تین روز غار ثور میں روپوش رہے۔ جو مکہ سے پانچ میل دور ہے۔

یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ غار ثور سے روانگی، دوشنبہ ۸/ ربیع الاول ۱ھ ۲۰/ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا میں داخلہ، مسجد قبا کی تعمیر، ۱۲/ ربیع الاول ۱ھ ۲۴ ستمبر جمعہ کو مدینہ میں داخلہ، ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام۔

۱ھ تعمیر مسجد نبوی، ظہر، عصر، وعشاء میں چار رکعت کی فرضیت، یہود مدینہ سے معاہد، مہاجرین وانصار میں مواخات، ولادت عبداللہ بن زبیر، اذان کی ابتداء، شوال میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی، سریہ حمزہؓ وعبیدہؓ وسعدؓ۔

۲ھ ۱۵/شعبان تحویل قبلہ، رمضان کے روزہ کی فرضیت، صدقہ فطر ونماز عید الفطر کی مشروعیت، قریش کے مدینہ پر حملہ کے منصوبے، جہاد کی اجازت، صفر، غزوہ ابواء، ربیع الاول، غزوہ بواط، جمادی الاولیٰ، غزوہ عشیرہ، غزوہ بدر اولیٰ، رجب، سریہ عبداللہ بن جحشؓ، ۱۷ رمضان، غزوہ بدر کبریٰ، مسلمان ۳۱۳، ۱۴ شہید، کفار ۱۰۰۰، ۷۰ مقتول، ۷۰ گرفتار۔ غزوہ بنی قینقاع، غزوہ سویق، وفات حضرت رقیہؓ، نکاح حضرت فاطمہؓ۔

۳ھ محرم، غزوہ غطفان، ربیع الثانی، غزوہ بحران، جمادی الاخریٰ، سریہ زید بن حارثہؓ، ۱۵/شوال، غزوہ احد، شہادت حضرت حمزہؓ، مسلمان ۶۵۰، ۷۰ شہید، ۴۰ زخمی، کفار ۳۰۰۰، ۴۰ مقتول، غزوہ حمراء الاسد، احکام وراثت، ممانعت نکاح مشرکہ، شوال، حرمت شراب کا حکم، رمضان، ولادت حضرت حسنؓ، حضرت حفصہؓ وحضرت زینب بنت خزیمہؓ سے آنحضورؐ کا نکاح، حضرت ام کلثومؓ سے حضرت عثمانؓ کا نکاح۔

۴ھ محرم، سریہ ابوسلمہؓ وسریہ عبداللہ بن انیسؓ، صفر، واقعہ رجیع وحادثہ بیر معونہ جس میں ۷۰ صحابہ کی شہادت، ربیع الاول، غزوہ بنی نضیر، جمادی الاولیٰ، غزوہ ذات الرقاع، شعبان، غزوہ بدر ثانیہ وولادت حضرت حسینؓ، شوال، حضرت ام سلمہؓ سے آنحضورؐ کا نکاح، ربیع الثانی، وفات حضرت زینب بنت خزیمہؓ۔

۵ھ ربیع الاول، غزوہ دومۃ الجندل، شعبان، غزوہ بنی المصطلق (مریسیع) قصہ افک، حد زنا، پردہ وتیمم کا حکم، شوال، غزوہ خندق، ذوالقعدہ، غزوہ بنو قریظہ اور یہود بنو قریظہ کا خاتمہ، آنحضورؐ کا حضرت جویریہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح۔

۶ھ محرم، سریہ محمد بن مسلمہؓ، ربیع الاول، غزوہ بنی لحیان وغزوہ ذی قرد وسریہ عکاشہؓ، ربیع الآخر، سریہ ذی القصہ وسریہ جموم، جمادی الاولیٰ، سریہ طرف وسریہ عیص، رجب، سریہ وادی القریٰ، شعبان، سریہ دومۃ الجندل وسریہ فدک، شوال، سریہ عبداللہ بن رواحہؓ وسریہ کرز بن جابرؓ، ذوالقعدہ، بیعت رضوان وصلح حدیبیہ، ذوالحجہ، سلاطین عالم، قیصر روم، کسریٰ پرویز، نجاشی، مقوقس وغیرہ کے نام دعوت اسلام کے خطوط۔

اسلامی ریاست کی ابتداء

۷ھ محرم، فتح خیبر، مسلمان ۱۴۰۰، ۱۵ شہید، یہودی ۱۰۰۰۰، ۹۳ مقتول، یہیں آنحضورؐ

کو زہر دیا گیا۔ فتح فدک، فتح وادی القریٰ، صفر، سریہ غالب لیثیؓ، جمادی الاخریٰ، سریہ زید بن حارثہؓ، سریہ صدیق اکبرؓ، سریہ فاروق اعظمؓ، رمضان سریہ اسامہؓ، شوال، سریہ مرہ و سریہ بشیر بن سعدؓ، سریہ عبداللہ بن ابی حدردؓ، سریہ عبداللہ بن حذافہ، درندے، پنجہ دار پرندے، گدھے اور خچر کی حرمت، حضرت صفیہؓ سے آنحضورؐ کا نکاح، ذوالقعدہ، عمرۃ القضاء، حکم رمل، حضرت میمونہؓ سے آنحضورؐ کا نکاح، حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ کا قبول اسلام۔

۸ھ ربیع الاول، سریہ ذات اطلاح و سریہ ذات عرق، جمادی الاولیٰ، جنگ موتہ، مسلمان ۳۰۰۰، ۱۲ شہید، دشمن ایک لاکھ اور بقول دیگر دو لاکھ، جمادی الاخریٰ، سریہ ذات السلاسل، رجب، سریہ سیف البحر، پنجشنبہ ۲۰/ رمضان، فتح مکہ اور کعبہ پر اذان بلالؓ، صنم کدہ عزیٰ، سواع اور منات کا انہدام، شوال، غزوہ حنین، غزوہ نخلہ و اوطاس، محاصرہ طائف اور پہلی بار منجنیق کا استعمال، آنحضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی وفات، ذوالحجہ، آنحضورؐ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی ولادت۔ ذوالقعدہ، عمرہ جعرانہ۔

۹ھ محرم، سریہ عیینہ بن حصن، صفر، سریہ قطبہ بن عامر، ربیع الاول، سریہ ضحاک بن سفیانؓ و سریہ علقمہ بن محرزؓ، ربیع الآخر، سریہ حضرت علیؓ، رجب، غزوہ تبوک، سریہ خالد بن ولیدؓ، مسجد ضرار کا انہدام، فرضیت حج، حج صدیق اکبرؓ، ۶/ شعبان، آنحضورؐ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کی وفات، ایلاء و تخییر، حکم لعان، حکم زکوٰۃ و جزیہ، حرمت سود۔

۹ھ ۱۰ھ عام الوفود، فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے وفود آکر داخل اسلام ہوئے، وفود کی تعداد ۳۵ ہے اور بقول دیگر ساٹھ سے زیادہ ہے۔

۱۰ھ ربیع الاول، وفات حضرت ابراہیم، رمضان، سریہ حضرت علیؓ سوئے یمن، جمعہ ۹/ ذوالحجہ ۹/ مارچ ۶۳۲ء حجۃ الوداع۔

۱۱ھ ۲۹/ صفر ۲۷ مئی ۶۳۲ء آنحضورؐ کے مرض کی ابتداء، جیش اسامہ کی تیاری، دوشنبہ ۱۲/ ربیع الاول ۲۸/ جون ۶۳۲ء وقت چاشت آنحضورؐ کی وفات حسرت آیات، تدفین شب چہار شنبہ ۳۴ گھنٹے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے کل ایام ۸۱۵۶۔ اور دنیوی زندگی کے کل ایام ۲۲۳۳۰، ۸ گھنٹے خلافت صدیق اکبرؓ، رومیوں کے خلاف حضرت اسامہؓ کی لشکر کشی، قبائل میں شورش، سجاح کا فرار، ۳/ رمضان وفات حضرت فاطمہؓ۔ (سیرت الرسول و مرقع عہد رسالت الجمعیۃ بکڈپو دہلی)

(ماخوذ دینی دستر خوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل و احکام و دیگر تاریخی کتب و رسائل)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

ربیع الثانی

پہلا خطبہ

کھانے پینے میں میانہ روی.........حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

دوسرا خطبہ

حقوق نکاح.........................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

تفکر وتدبر..........................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

موت اور مابعد الموت...........حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

نوافل...............................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چھٹا خطبہ

نماز تہجد...........................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع ربیع الثانی کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

کھانے پینے میں میانہ روی

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ

''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کھاؤ پیو اور اسراف مت کرو۔''

ف: اسراف اس کو کہتے ہیں کہ گناہ کے کاموں میں خرچ کیا جاوے اور اُسی میں وہ خرچ بھی داخل ہے جو بلاضرورت شدید طاقت سے زیادہ جائز کاموں میں خرچ کیا جاوے کیونکہ اس کا انجام بے صبری اور حرص و بدنیتی ہوتی ہے۔

حدیث اول

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زُہد (یعنی دنیا سے بے رغبتی) حلال کو حرام قرار دینا نہیں ہے اور نہ مال کو ضائع کرنا ہے ولیکن زُہد یہ ہے کہ جو تیرے پاس موجود ہے اُس سے بے رغبتی اُس سے زیادہ نہ ہو جو اللہ جل شانہ کے پاس ہے۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

ف: مطلب یہ ہے کہ جو سمجھے گا کہ خدا تعالیٰ سب کاموں کا بنانے والا ہے تو دنیا میں اُس کا قلب مشغول نہ ہوگا۔ اصل زُہد یہ ہے کہ اور جو لوگ حلال چیزوں کا استعمال ترک کر دیتے ہیں یا مال کو ویسے ہی اُڑا دیتے ہیں اُس کا نام زُہد نہیں ہے۔

حدیث دوم

''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روح امین (یعنی جبریلؑ) نے میرے دل میں یہ القا کیا کہ کوئی جاندار نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ خبردار! بس اللہ سے ڈرو اور طلب معاش میں میانہ روی اختیار کرو اور رزق میں دیر ہونا تم کو اس بات پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے کہ اُس کو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب کرنے لگو کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ حاصل نہیں کیا جاتا مگر اُس کی فرمانبرداری کے ذریعہ سے۔'' (شرح السنۃ و بیہقی)

ف: اور اگر نافرمانی کی حالت میں روزی ملے تو وہ نعمت نہیں بلکہ وہ دو جہاں میں وبال جان ہے یہاں تو اُس کی وجہ سے چین نہیں مل سکتا اور آخرت میں نافرمانی پر عذاب ہوگا۔

حدیث سوم

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! تحقیق جب گوشت کھاتا ہوں مجھے (نفسانی) اشتعال ہو جاتا ہے اور (اِسی لیے) میں نے گوشت کو (اپنے اُوپر) حرام کرلیا ہے۔ اِس پر آیت نازل ہوئی: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا الآیة** (یعنی اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ اُن پاک چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے اُوپر حلال کی ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو)۔'' (عین کمالین عن الترمذی)

فائدہ: اس میں اس کی ممانعت ہے کہ حلال چیز کے ساتھ اعتقاداً یا عملاً حرام کا برتاؤ کیا جاوے یعنی اُس کو حرام سمجھنے لگے۔ البتہ اگر کسی وجہ سے مثلاً بیماری یا ریاضت ومجاہدہ وغیرہ کے باعث حلال چیز کا استعمال ترک کردیا جائے اور اس ترک کو ثواب نہ سمجھے بلکہ نفس کا علاج سمجھے تو مضائقہ نہیں۔

حدیث چہارم

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شکر کرنے والا مثل روزہ دار صابر کے ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

آیت مبارکہ

''ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ نے کہ جن چیزوں کے بارے میں تمہارا جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت اپنی زبانوں کے جھوٹ بنانے سے یوں مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹ باندھ بیٹھو گے۔ بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔''

اضافہ: (الف) نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا الآیة** (یعنی اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں اُن میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے) اور ارشاد فرمایا: **وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ الآیة** (یعنی اور وہی اللہ ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی میں کھانے کی مختلف طور کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور

انار جوایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور (کبھی) نہیں بھی ہوتے۔اُن سب کا پھل کھاؤ جب وہ نکل آوے اوراس میں جوحق (شرع سے واجب ہے) وہ اس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن ادا کردیا کرواور حد سے مت گزرنا۔یقیناً حد سے گزرنے والوں کووہ یعنی اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔

(ب) اور سورہ فرقان میں ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا الآية (یعنی وہ اللہ کے خاص بندے جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ زیادتی کرتے ہیں نہ تنگی اور (بلکہ اُن کا خرچ) اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

(ج) ارشادفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بالیقین اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتا ہے اس بات پر کہ وہ لقمہ کھاتا ہے تواس پر شکر کرتا ہے اور (پانی) کا گھونٹ پیتا ہے تب اُس پر شکر کرتا ہے۔(مسلم)

محترم بزرگو اور دوستو! آج خطبہ جمعہ کا موضوع کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرنے کے بیان میں ہے۔کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرنا حفظان صحت کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ایک بہت بڑے ماہر طبیب سے سوال کیا گیا کہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جمیع علوم و معارف ہیں لیکن عوام کی ناقص عقل وفہم کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔سو علم طب سے متعلق کون سی آیت مبارکہ ہے۔انہوں نے جواب میں فرمایا کہ قرآن حکیم میں ایک آیت مبارکہ کا ایک حصہ ہے،جس میں فن طب کے جملہ اصول بیان کیے گئے ہیں وہ یہ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ o

''کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔''

اگر کوئی شخص اس اصول پر عمل کرے تو اسے کسی ڈاکٹر، حکیم یا طبیب کے پاس جانیکی ضرورت نہیں۔اکثر بیماریاں عموماً زیادہ کھانے سے ہوتی ہیں کم کھانے سے کوئی نہیں مرتا۔مشہور ضرب المثل ہے:'' رَاحَتُ الْجِسْمِ فِىْ تَقْلِيْلِ الطَّعَامِ'' (جسم کی راحت کم کھانے میں ہے)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک گاؤں میں عوام کی خدمت اور راحت رسانی کے لیے ایک حکیم بھیجا تا کہ وہ ضرورت مند بیماروں کا سرکاری خرچ پر علاج کرے۔اس نے وہاں ایک سال تک قیام کیا مگر اس عرصہ میں اس کے پاس کوئی مریض نہیں آیا۔اس نے امیر المؤمنینؓ سے درخواست کی کہ مجھے کسی اور مقام پر بھیجا جائے ورنہ وہ علم طب بھول جائے گا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور بسیار خوری سے

بچتے ہیں۔اسی بناء پر بہت کم بیمار ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ" "یعنی اے ایمان والو! جو شرع کی روح سے پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے جو چاہو کھاؤ۔"

اس میں طیبات کی دو تفسیریں ہیں۔ایک تفسیر تو حلال ہے یعنی حلال کھاؤ حرام نہ کھاؤ یعنی اگر کھاؤ تو اس میں حلال کی رعایت واجب ہے۔حلال کھانے کی برکت سے عبادت الٰہی کی توفیق ہوگی۔چنانچہ عارف رومی فرماتے ہیں:

ایں خورد گردد پلیدی زو جُدا   آں خورد پیدا شود نورِ خدا

چنانچہ دیوبند میں ایک مجذوب تھے گھاس کھود کر بازار میں فروخت کرتے تھے۔اپنی ضرورت کے علاوہ بقیہ رقم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کے پاس جمع کراتے تھے۔ جب چھ پیسے جمع ہو جاتے تو بزرگان دیوبند کی دعوت کرتے' گڑ کے میٹھے چاول پکواتے۔حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ یہ چاول کھانے کے بعد عبادت میں ذوق ونشاط بڑھ جاتا اور عبادت الٰہی کی توفیق میں اضافہ ہوتا اس لیے پورا ماہ اس دعوت کا اشتیاق وانتظار رہتا۔ اسی طرح حرام کی نحوست بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک آزاد عورت لڈو لائی' اس میں سے ایک لڈو اُٹھا کر کھا لیا' زنا تک کے وسوسے آتے تھے' اس کا اثر ایک ماہ تک رہا۔(نعوذ باللہ منہ)

طیبات کی دوسری تفسیر لذیذ اور پاکیزہ چیزیں ہیں یعنی حلال اشیاء میں سے لذیذ اور عمدہ عمدہ چیزیں کھاؤ۔غرض زُہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات' زہد کے لیے کافی ہے۔یعنی لذات میں انہماک نہ ہو' نفیس نفیس کھانوں' کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیے نفس کو خوب آرام میں رکھے لیکن اس سے کام بھی لے۔

کہ مزدورِ خوشدل کند کار بیش

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ ہے کہ مال کو اُڑا دیا جائے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے اور نیز زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آوے تو تم کو اس

کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ مصیبت باقی رہے۔ (ترمذی شریف)

خطبہ میں بھی یہی حدیث پڑھی کہ زہد کا مفہوم یہ نہیں کہ حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرلیا جائے چنانچہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ ایک مرتبہ یہ سوچا کہ یہودی مذہب میں اونٹ کا گوشت کھانا منع ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسی بیماری کے سبب اونٹ کھانے سے قسم کھالی تھی۔ یہی حرمت کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ اسلام میں اونٹ کا گوشت کھانا فرض اور لازم نہیں اور یہودی مذہب میں منع ہے تو میں اونٹ کا گوشت نہیں کھاؤں گا اور بیک وقت دونوں مذہبوں پر عمل ہوگا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔''

اسی طرح آیت مبارکہ: **يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُo**

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں۔ اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی رحمت والا ہے۔''

اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز کے استعمال سے قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام تحریم معین ہوا۔ تحریم کے لفظی معنی ہیں حرام کردینا۔ یہ سورۃ بھی مدنی ہے اور اس کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ سب سے مشہور روایت جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ بعد نماز عصر کھڑے کھڑے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا۔ پھر کئی روز یہ معمول رہا تو مجھ کو رشک آیا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ کیا آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک گوند کی قسم سے ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر کہا گیا کہ شاید کوئی شہد کی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے بڑی کراہت اور نفرت تھی۔ آپ نے بقسم فرمایا کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ رنجیدہ و دلگیر ہوں گی اس لیے حضرت حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا مگر حضرت حفصہ نے اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا' آپؐ نے حضرت حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا گیا تھا وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی اور بھی کئی روایات شان نزول کے سلسلہ میں روایت کی گئی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شے کو جس کو آپ کے لیے خدا نے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اس کو اپنے لیے کیوں حرام فرماتے ہیں اور وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ اب یا تو اس میں شہد والے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا اور کسی واقعہ کی طرف الحاصل ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ آپ ایسا نہ کیجئے کہ حلال شے کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا جائے اور یہاں حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال و مباح سمجھتے ہوئے آپ نے جو عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کروں گا۔ ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز تو ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لیے اس کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ اُمت کے حق میں تنگی کا موجب ہو اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے مگر اس حد تک ضروری نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اُٹھائیں۔

آگے واللہ غفور رحیم فرما کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ خلاف اولیٰ بات بھی آپ کی معاف کردی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ میں تو قسم کھا چکا ہوں پھر میں کیسے اس کام کو کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنی قسموں کو توڑنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اور وہ کفارہ کی ادائیگی ہے پس اس طریق سے اپنی قسم کو توڑ ڈالیں اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ اس مالک نے اپنے علم وحکمت سے اپنے بندوں کے لیے مناسب احکام و ہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی نامناسب بات پر قسم کھالے تو کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ قسم کے کفارہ کا ذکر ساتویں پارہ سورہ مائدہ میں ہے۔ اسی طرح حلال روزی کھانے کے برکات نمایاں ہے۔ چنانچہ

ایک عبرت آموز واقعہ سنئے

امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل کے دادا امیر دوست محمد خان کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی۔ اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی۔ دو تین دن کے بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے۔ اس سے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم شہزادے کی کمزوری کا اور قوم کی ملامت کا۔ تو وہ اسی غم کے اندر محو ہو کر گھر آیا اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا، بیگم نے کہا کہ یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے، وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہو سکتی تو بادشاہ گھر سے نکل آیا کہ یہ عورت ہے یہ مرغی کی ایک ٹانگ ہانکے گی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے، شہزادہ فتح پا کر واپس آ رہا ہے۔ بادشاہ خوشی خوشی گھر گیا اور بیگم سے کہا کہ واقعی تمہاری بات سچی رہی کہ شہزادہ کامیاب ہو کر آ رہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا تھا کہ وہ شکست نہیں کھا سکتا؟ کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلایا؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں صرف اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی۔ یہ میرا راز ہے میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی، آخر اصرار کرنے پر بتایا کہ جب یہ شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کر لیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے

اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو۔ اس لیے اس کے اخلاق رذیلہ اور برے نہیں ہو سکتے۔

شہید ہونا یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیرنا یہ اچھا خلق نہیں ہے تو شہزادہ شہید ہو سکتا ہے اور کٹ کٹ کر مر سکتا ہے مگر پشت پھیر کے فرار نہیں ہو سکتا اور پھر اس پر بس نہیں کیا بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی تا کہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی۔ اس لیے ان چیزوں سے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں اس لیے میں نے تمہاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلا دیا مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

خلاصہ تمام وعظ کا یہ ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال کی ضرورت ہے۔

لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اس کی فکر ہے کیا چیز پکنی چاہیے وہ چیز منگانا چاہیے۔ غرض یہ کہ نفیس نفیس کھانوں، کپڑوں کی فکر میں رہنا منافی زُہد کے ہیں ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیے۔ بہت کم کھانا بھی زُہد نہیں ہے نہ یہ ہے کہ اس کے کم کھانے سے خدا تعالیٰ کے خزانے میں کوئی توفیر نہ ہو جائے گی کہ بھائی بڑے خیر خواہ سرکار ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے لیکن اتنا بھی نہ کھائے کہ پیٹ میں درد ہو جائے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۹۵ معارف امدادیہ ص ۶۴)

کھانے پینے میں ایسا انہماک ناجائز ہے کہ جو ملے کھا جائے نہ حرام کی تمیز کرے حد سے زیادہ کھانے کی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کی یہ حالت تھی کہ آپ کسی چیز میں عیب نہیں نکالتے تھے اگر خواہش ہوئی تناول فرما لیا ورنہ چھوڑ دیا نہ یہ تھا کہ مرغوب اگر نہ ہوا تو برائی بیان شروع کر دی نہ یہ تھا کہ زبردستی اس کو کھائیں بلکہ اگر خواہش ہوتی تو تناول فرما لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ یہ اعتدال ہے اور اعتدال ہی بہت مشکل ہے اور اعتدال پر چلنا اور حالت معتدلہ پر قائم رہنا سخت کٹھن راستہ ہے کہ پل صراط کی طرح باریک ہے۔ اس میں کسی قسم کا حظ نفس نہیں اور نہ کوئی خاص امتیازی حالت ہے آج کل یا تو افراط کرتے ہیں کہ کھانا مرغوب نہ ہو تو اس میں عیب نکالتے ہیں یا تفریط

کرتے ہیں کہ باوجود رغبت کے بہت کم اس نیت سے کھاتے ہیں کہ کوئی اعتراض نہ کرے کہ بڑے نخرے باز ہیں بلکہ لوگوں میں خوب مدح کریں کہ بڑے بے نفس ہیں۔

نہ اتنا کھائے کہ نفس پریشان ہو جائے یا بالکل ترک طعام کر کے نفس کو پریشان کرے۔ مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں بلکہ مشقت کا خوگر بنانا اور راحت تنعم کی صورت سے نکالنا ہے محنت وہی مستحسن ہے جو اعتدال سے ہو۔

نہ چنداں بخور کر ذہانت بر آید ۔ نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(یعنی اتنا زیادہ کھائے کہ دانتوں سے باہر نکلے اور نہ اتنا کم کھائے کہ ضعف سے جان پر بن آئے۔) اب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کھانے پینے کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے کی توفیق بخشیں۔ (آمین)

دوسرا خطبہ

حقوق نکاح

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اور بیشک ہم نے آپ سے پیشتر رسول بھیجے ہیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد بنائی ہیں۔''

حدیث اول: ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جوانوں کے گروہ جو شخص تم میں سے نکاح کی طاقت رکھے پس اُسے چاہیے کہ نکاح کرلے کیونکہ وہ آنکھوں کو (بدنگاہی سے) زیادہ بند کرنے والا ہے اور شرم گاہ کو زیادہ بچانے والا ہے اور جو طاقت نہ رکھے (نان نفقہ پر قادر نہ ہونے وغیرہ کی وجہ سے) پس اُس پر (بکثرت) روزہ رکھنا لازم ہے۔ بیشک وہ اُس کے لیے ایک قسم کا خَصّی ہونا ہے۔'' (متفق علیہ)

ف: کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے ضعف بڑھ جاتا ہے اور شہوت نہیں رہتی اور خَصّی ہونے سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ شہوت نہ رہے بلکہ خصی ہونے میں یہ خرابی ہے کہ اگر پھر کسی وقت وسعت ہوجانے پر نکاح کرنا چاہے تو شہوت کا لوٹنا ممکن نہیں اِسی واسطے خصی ہونے کی ممانعت آئی ہے اور روزہ سے جو ضعف ہوجاتا ہے وہ بوقت ضرورت عمدہ غذا یا دوا کے استعمال سے دور ہوسکتا ہے۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑھ کر برکت کے اعتبار سے وہ نکاح ہے جس میں خرچ کم ہو۔ (بیہقی) یعنی مہر وغیرہ کم ہو۔'' افسوس ہے کہ آج لوگ زیادہ خرچ کرنے کو فخر سمجھتے ہیں اور کم خرچ کرنے والے نکاح کو معیوب خیال کرتے ہیں۔ (فالی اللہ المشتکی)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پیغام دے تمہیں وہ شخص جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اُس سے نکاح کردو، اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوجاوے گا۔'' (ترمذی)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے یہاں بچہ پیدا ہو، چاہیے کہ اُس کا نام اچھا رکھے اور اس کو خوب ادب سکھاوے۔ پس جب بالغ ہوجاوے

تو اس کی شادی کردے اور اگر بالغ ہوگیا اور اُس نے (بلاعذر) شادی نہ کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا' پس اس کا گناہ اس کے باپ کے ذمہ بھی ہوگا۔'' (بیہقی)

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ تم میں جو بے بیاہ ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور (ان کا بھی) جو تمہارے غلام اور لونڈیوں میں لائق ہوں۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے' خوب جاننے والا ہے۔''

اضافہ: (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے بعد مردوں کو نقصان پہنچانے والا کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ نہیں چھوڑا۔ (متفق علیہ) پس اس سے بچنے کا بہت اہتمام لازم ہے۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اُن کی مدد کرنا حق ہے (اُن میں سے ایک اُس کو بھی فرمایا) جو نکاح کرے عفت کے ارادے سے۔ (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

(ج) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدمی نے نکاح کرلیا تو اس نے نصف دین کی تو تکمیل کرلی' اب باقی نصف میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (بیہقی)

حضرات محترم! آج خطبہ جمعہ کا موضوع نکاح کرنا' نسل بڑھانا اور حقوق نکاح ادا کرنا ہے۔

نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

''یعنی نکاح میری سنت ہے پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ میں سے نہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے نکاح کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی فرمایا۔''

چنانچہ ارشاد فرمایا: ومن اٰیٰتِہٖ ان خلقلکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم موَدۃً ورحمۃo

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ تم میں سے تمہارا جوڑی جوڑا نکال دیا۔ مرد میں سے عورت نکال دی' عورت میں سے مرد نکال دیا ورنہ دونوں سلسلے الگ الگ ہیں۔ مرد میں سے اگر کوئی نکلتا تو مرد ہی نکلتا' عورت میں سے عورت نکلتی۔ یہ اس قدر عجیب قدرت کی صناعی ہے کہ مرد میں سے عورت نکال دی اور عورت میں سے مرد کو پیدا کیا۔

فرمایا کہ یہ ہماری قدرت کی نشانی ہے کہ تم میں سے تمہارا جوڑا نکالا۔ اگر عورت انسانوں کی جنس میں سے نہ ہوتی، فرشتوں میں سے یا جنات میں سے ہوتی کبھی محبت باہمی قائم نہ ہوتی۔ دوسری جنس کے ساتھ میلان ہی نہیں ہوتا۔ جانوروں میں ہر طبقے میں ہزاروں مادائیں ہیں، شیر ہے تو شیرنی بھی ہے، بھیڑیا ہے تو اس کی مادہ بھی ہے۔ انسانوں کا کبھی رجوع نہیں ہوتا اس لیے کہ غیر جنس ہے کبھی میلان نہیں، اپنی جنس کی طرف میلان ہوتا ہے۔

اس لیے فرمایا کہ ہماری قدرت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے میں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تمہاری جنس میں سے اور تمہارے اندر میں سے تاکہ تمہارا جب جُٹ بنے تو تمہارے میں محبت قائم ہو۔ اگر غیر جنس کا جوڑ املا دیتے جنی عورت بنا دیتے، تمہارا رابطہ کبھی نہ ہوتا، وہ مقصد اور موضوع ختم ہو جاتا۔

توان خلقلکم من انفسکم ۔تم میں سے، تمہارے نفسوں میں سے پیدا کیا۔ **ازواجاً**، تمہارے جوڑوں کو کیوں پیدا کیا؟ **لتسکنوا الیھا**، تاکہ تم اس سے سکون حاصل کرو۔ **وجعل بینکم مودة و رحمة**......اور تم خاوند بیوی میں محبت اور مودت پیدا ہو۔ تم ایک دوسرے کے خیر خواہ بنو، ایک دوسرے میں تم میں محبت پیدا ہو اس لیے ہم نے جوڑا بنایا اور فرمایا:

ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ......جو لوگ فکر رکھتے ہیں وہ اس چیز کی قدر کریں گے جو ہم کہہ رہے ہیں جو بے فکرے ہیں، عقل ہی نہیں رکھتے، اُنہیں کیا خبر ہوگی کہ اس میں کیا مصلحت ہے......؟ لیکن جب تم زندگی میں گزرو گے اور اس مقام پر آؤ گے تمہیں قدر آئے گی کہ ہم نے تم کو کتنی بڑی نعمت دی ہے جو تمہارا جوڑا تم میں سے پیدا کیا تاکہ تم میں سکون پیدا ہو۔

نکاح اللہ کی قدرت کی نشانی بھی ہے

نکاح کو آیت کہا گیا۔ آیت قدرت کی نشانی کو کہتے ہیں کہ خدا ہی کر سکے، اُسے دوسرا نہ کر سکے۔ اُسے آیت کہتے ہیں جیسے قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔ آیت الکرسی ہے، آیت استخلاف ہے، آیت الرحمٰن ہے آیت رحمت ہے۔ یہ اللہ کی آیتیں اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کوئی دوسرا ایسا کلام نہیں لا سکتا۔

اسی طرح سے اس کے افعال میں بھی کچھ آیتیں ہیں۔ فرمایا: "**وآیة لھم الارض المیتة احیینٰھا**" یہ ہماری آیتوں میں سے ہے کہ زمین ہم ہی بنا سکتے ہیں، کوئی دوسرا نہیں، زمین مردہ ہو جاتی ہے، بارش برسا کے ہم اُسے دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں۔ کہیں فرمایا:

"**ان الشمس والقمر اٰیتان من اٰیت اللہ لا ینخسفان من موتِ احدٍ ولا لحیاتہٖ**"

سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی آیتوں میں سے دو آیتیں ہیں جیسے قرآن کی آیت کا جواب نہیں ان آیتوں کا بھی کوئی جواب نہیں لاسکتا کہ اس جیسا کوئی سورج بنادے' چاند جیسا چاند بنادے' تو زمین' سورج اور چاند کو بھی آیت کہا اور فرمایا: **"وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ"** یہ جو رات ہے یہ ہماری قدرت کی نشانی اور آیت ہے۔ اسی کے اندر سے جب ہم کھینچتے ہیں تو دن نکل آتا ہے۔ اندھیریوں میں سے چاندنا نکل آتا ہے۔ ابھی دُنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا کہیں نور کا نشان نہیں تھا' انسانوں نے بیچاروں نے محنت کر کے مصنوعی انڈے' قمقمے لاکھوں جلائے' چاندنا تو ہوگیا مگر رات بدستور رہی' دن نہیں نکلا' ہماری قدرت دیکھو جب دن نکالنے چاہتے ہیں بس سورج کی آمد آمد ہوئی اور رات غائب ہوئی یا تو دنیا پر ظلمت چھائی ہوئی تھی یا ایک دم چاند نے کی حکومت قائم ہوگئی۔ ایک دم عالم میں نور پھیل گیا' یہ ہماری قدرت کی نشانی ہے۔

اسی طرح سے قدرت کی نشانی نکاح کو بھی کہا گیا۔ آپ کہیں گے نکاح میں نشانی ہونے کی کیا بات ہے؟ دو مرد عورت کا نکاح کر دیا' اس میں نشانی ہونے کی کیا بات ہے؟ کہ اللہ ہی بنا سکتا ہے اور کوئی نہیں...... تو نکاح میں آیت ہونے کی کیا شان ہے؟ خطیب نے خطبہ پڑھ دیا۔ حضرت مولانا انصاری صاحب نے بڑا عمدہ خطبہ پڑھا' ایجاب و قبول ہوگیا' اس میں قدرت کی نشانی کیا ہے؟

اس میں قدرت کی نشانی یہ ہے کہ دو بول پڑھے جانے سے پہلے مرد کو عورت سے کوئی تعلق نہیں تھا بالکل ایک اجنبیت تھی۔ اگر رشتہ داری بھی ہوگی تو رشتہ داریاں ہزاروں سے ہوتی ہیں لیکن یہ کہ اس مرد کا قلب کا لگاؤ اس عورت سے تھا۔ قطعاً نہیں یا اس عورت کا لگاؤ مرد سے تھا قطعاً نہیں وہ بالکل اجنبی' یہ بالکل اجنبی' اس کا دل اس سے بیگانہ' اس کا دل اُس سے لیکن جہاں چار حرف پڑھے گئے اور ایجاب و قبول ہوا ایک دم انقلاب پیدا ہوا۔ اب اس مرد کے دل کا تعلق اس عورت سے قائم ہوا۔ ایسے وقت اگر یہ خبر آئے کہ میری بیوی کو تکلیف ہے اُسے دُکھ پہنچے گا...... اگر اسے پہلے خبر پہنچتی تو کہتا ہزاروں عورتیں تکلیف میں ہوں گی لیکن چار حرف پڑھے گئے اور قلب کا رابطہ قائم ہوگیا۔ عورت کو اگر اطلاع ہو جائے کہ جس سے میرا نکاح ہوا ہے خدانخواستہ وہ کسی تکلیف میں ہے وہ پریشان ہو جائے گی لیکن نکاح پڑھے جانے سے پہلے پچاس خبریں آتیں' وہ کہتی ہزاروں مرد ہیں' عزیز بھی ہیں مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دو حروف پڑھنے کے بعد جو انقلاب عظیم برپا ہوا' یہ اللہ کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ ابھی اجنبیت تھی ابھی یگانگت پیدا ہوگئی' ابھی بے تکلفی تھی منٹ بھر کے بعد تعلق پیدا ہوگیا۔ اب مرد و

عورت ایک دم واسطہ پیدا ہوگیا۔ اگر کوئی خبر خاوند نے بیوی کی نسبت سنی تو خاوند کا دل بڑھ جائے گا اور منکوحہ کو خاوند کی کوئی خوشی کی خبر پہنچے تو وہ عورتوں میں سر اونچا کرے گی کہ جس سے میرا رشتہ ہوا ہے یہ کتنی عزت کا سامان ہے اسی بناء پر نکاح کو قدرت کی ایک نشانی فرمایا گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو زوجہ مطہرہ ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جب مصر فتح ہوا تو ان قیدیوں میں پکڑی ہوئی آئی تھیں' آ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو مصر سے سسرال کا رشتہ قائم ہوگیا' اس کی رعایت کرنا' پوری اُمت پر حق عائد کر دیا کہ مصر والوں کی رعایت کرو کیونکہ وہ میری سسرال بن گئی۔ یہ جو دامادی اور خسر کا رشتہ ہے' یہ گویا اتنا لگاؤ پیدا کر دیتا ہے کہ خاندان اُس سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ تو انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ عزیز نکاح کا تعلق ہے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "حبب الیّ من دنیاکم ثلاث"...... تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ ان میں سے ایک چیز فرمائی کہ وہ عورت ہے' عورت کو اس لیے پسند نہیں فرمائی کہ وہ معاذ اللہ شہوت رانی کا ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ وہ تعلق ومحبت کے قائم ہونے کا ذریعہ ہے۔ محبتیں عورت کے راستے سے قائم ہوتی ہیں۔ مرد تو اپنے کام کاج میں لگے رہتے ہیں' کوئی دُکان پر' کوئی دفتر میں' کوئی کھیتی باڑی میں' یہ جو رشتہ داریاں جڑتی ہیں اور حقوق ادا ہوتے ہیں' یہ زیادہ عورتوں کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ اگر عورت بدسلیقہ ہو' وہ توڑ پیدا کر دیتی ہے' اس کے اندر سلیقہ ہو خاندانوں کو ملا دیتی ہے' محل محبت فی الحقیقت عورت ہے اس لیے کہ اسی سے محبتوں کے اگلے سلسلے چلتے ہیں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حبب الیّ من دنیاکم ثلاث"...... تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ اس میں سے خوشبو کو پسند فرمایا۔ نماز کو پسند فرمایا اور عورت کو پسند فرمایا۔ اس واسطے کہ خوشبو لگے گی تو ملائکہ کا ہجوم ہو جائے گا۔ یہ بھی محبت باہمی کا ذریعہ بن جائے گی۔ عورت آئے گی یہ بھی خاندانوں کے جُڑ جانے کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس سے بھی محبت واتحاد قائم ہوا تو نکاح کی بڑی غرض وغایت وحدت باہمی اور سکون باہمی ہے۔

نکاح کی غرض وغایت

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جو نکاح کی غرض وغایت ذکر کی گئی وہ سکون باہمی ذکر کی

گئی ہے جو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اب فضائل و حقوق نکاح کے بارے میں چند احادیث مبارکہ سن لیجئے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لیے مال لاویں گی۔" (بزار)

ف: یہ بات اس وقت ہے جب میاں بی بی دونوں سمجھ دار ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں ایسی حالت میں مرد تو یہ سمجھ کر کہ میرے ذمے خرچ بڑھ گیا ہے کمانے کی زیادہ کوشش کرے گا اور عورت گھر کا ایسا انتظام کرے گی جو مرد نہیں کرسکتا اور اس حالت میں راحت اور بے فکری لازم ہے اور مال کا یہی فائدہ ہے یہ مطلب ہوا مال لانے کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسی ہو کہ جب شوہر اُس کو دیکھے (دل) خوش ہو جاوے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالاوے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات کرکے اس کے خلاف نہ کرے۔" (نسائی)

ف: خوشی اور فرمانبرداری اور موافقت کتنے بڑے فائدے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ "حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ اور سینے میں چکی پیسنے سے اور پانی ڈھونے سے نشان پڑ گئے اور جھاڑو کی گرد اور چولہے کے دھوئیں سے کپڑے میلے ہو گئے کہیں سے کچھ لونڈیاں آئی تھیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہؓ! اللہ سے ڈرو اور اپنے پروردگار کا فرض ادا کرتی رہو اور اپنے گھر والوں کا کام کرتی رہو!" (بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی)

ف: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑی کون ہوگی جو گھر کا کام نہ کرے؟ تو گھر کا انتظام رکھنا کتنا بڑا فائدہ ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جننے والی ہو (اگر وہ بیوہ ہے تو پہلے نکاح سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے اور اگر کنواری ہے تو اس کی تندرستی سے اور اس کے خاندان کی نکاح کی ہوئی عورتوں سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے) کیونکہ میں تمہاری کثرت سے اور اُمتوں پر فخر کروں گا (کہ میری اُمت اتنی زیادہ ہے)۔" (ابوداؤد و نسائی)

ف: اولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے۔ زندگی میں بھی کہ وہ سب سے بڑھ کر اپنی خدمت گزار و مددگار اور فرمانبردار اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ (کماھو مشاھد فی الاکثر) اور مرنے کے بعد اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔ (عین مشکوٰۃ باب العلم از مسلم) اور اگر آگے نیک نسل چلی تو اس کے دینی راستے پر چلنے والے مدتوں تک رہتے ہیں۔ (روح دوم ۵) اور قیامت میں بھی اس طرح کہ جو بچپن میں مر گئے وہ اس کو بخشوائیں گے۔ (کتاب الجنائز) اور جو بالغ ہو کر نیک ہوئے وہ بھی سفارش کریں گے۔ (روح سوم نمبر ۶ و نمبر ۷) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے جس سے دنیا میں بھی قوت بڑھتی ہے اور قیامت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر فخر فرمائیں گے' سو نکاح نہ کرنا اتنے فائدوں کو برباد کرنا ہے اور اگر کسی ملک میں شرع کے موافق باندی مل سکے' ان فائدوں کے حاصل کرنے میں وہ بھی بجائے بی بی کے ہے پس بدون معقول عذر کے حلال عورت سے خالی رہنے کی برائی آئی ہے۔ چنانچہ:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "حضرت عکاف بن بشیر تمیمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے عکاف! کیا تمہارے بی بی ہے؟ عرض کیا نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور باندی بھی نہیں؟ عرض کیا باندی بھی نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور خیر سے تم مالدار بھی ہو وہ بولے خیر سے میں مالدار بھی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو تم اس حالت میں شیطان کے بھائی ہو اگر تم نصاریٰ میں سے ہوتے تو ان کے راہبوں میں سے ہوتے' ہمارا (یعنی اہل اسلام کا طریقہ نکاح کرنا ہے) یا (شرعی باندی رکھنا) تم میں سب سے بدتر مجرد لوگ ہیں۔ شیطان کے پاس کوئی ہتھیار جو نیک لوگوں میں پورا اثر کرنے والا ہو' عورتوں سے بڑھ کر نہیں' مگر جو لوگ نکاح کیے ہوئے ہیں وہ گندی باتوں سے پاک وصاف ہیں۔" (احمد مختصراً)

ف: یہ اس حالت میں ہے جب نفس میں عورت کا تقاضا ہو' سو جب حلال نہ ہوگی حرام کا ڈر ظاہر ہے اور یہ سب فائدے دین و دنیا کے جو ذکر کیے گئے پورے طور سے اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب میاں بیوی میں محبت ہو اور محبت اس وقت ہوتی ہے جب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں پھر ان حقوق کا حکم بھی ہے اس لیے کچھ بڑے بڑے حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے' باقی حقوق اس سے سمجھ میں آ جاویں گے' بی بی کے حقوق یہ ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی فضیلت فرمائی جس کے پاس کوئی باندی تھی۔اس نے اس کو (دینی) ادب اور علم اچھی طرح سکھلایا......الخ'' (عین مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

ف: ظاہر ہے کہ بی بی کا حق باندی سے زیادہ ہی ہے تو اس کو علم دین سکھانے کی کیسی کچھ فضیلت ہوگی اور روح نمبر ۴ میں اس کا حکم قرآن سے مذکور ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے حق میں (تم کو) اچھے برتاؤ کی نصیحت (کرتا ہوں، تم اس کو) قبول کرو کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، سو اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے اور اگر اس کو اس کے حال پر رہنے دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، اس لیے ان کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو۔'' (بخاری و مسلم و ترمذی)

ف: سیدھا کرنے کا مطلب یہ کہ اُن سے کوئی بات بھی تمہاری طبیعت کے خلاف نہ ہو، سو اس کوشش میں کامیابی نہ ہوگی۔انجام کار طلاق کی نوبت آوے گی اس لیے معمولی باتوں میں درگزر کرنا چاہیے نیز زیادہ سختی یا بے پرواہی کرنے سے کبھی عورت کے دل میں شیطان دین کے خلاف باتیں پیدا کر دیتا ہے اس کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بی بی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ اس کو بھی کھلاؤ اور جب کپڑا پہنو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے منہ پر مت مارو! (یعنی قصور پر بھی منہ پر مت مارو! اور بے قصور مارنا تو سب جگہ برا ہے) اور نہ اُس کو برا کوسنا اور نہ اس سے ملنا جلنا چھوڑو مگر گھر کے اندر اندر رہ کر (یعنی روٹھ کر گھر سے باہر مت جاؤ)۔'' (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص اپنی بی بی کو غلام کی سی مار نہ دے، پھر شاید دن کے ختم ہونے پر اس سے ہم بستری کرنے لگے۔'' (بخاری و مسلم و ترمذی)

ف: یعنی پھر کیسے آنکھیں ملیں گی؟

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ''میں اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، اتنے میں حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نابینا) آئے اور یہ واقعہ ہم کو پردے کا حکم ہونے کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں ان سے پردے میں ہو جاؤ، ہم نے عرض کیا کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ ہم کو دیکھتے ہیں نہ ہم کو پہچانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں؟" (ترمذی، ابوداؤد)

ف: یہ بھی بی بی کا حق ہے اس کو نامحرم سے ایسا پردہ کرادے کہ نہ یہ اس کو دیکھے نہ وہ اس کو دیکھے اور اس میں بی بی کے دین کی بھی حفاظت ہے اس لیے کہ تجربہ ہے کہ کسی سے جس قدر زیادہ خصوصیت ہوتی ہے اسی قدر اس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور جتنی کوئی چیز عام ہوتی ہے اس سے کم تعلق ہوتا ہے اور پردے میں یہ خصوصیت ظاہر ہے اس لیے تعلق بھی زیادہ ہوگا اور جتنا تعلق بی بی سے زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا حق زیادہ ادا ہوگا تو پردے میں بی بی کا دنیا کا نفع بھی زیادہ ہوگا۔ آگے خاوند کا حق مذکور ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو بی بی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔" (ترمذی)

ف: اس سے کتنا بڑا حق شوہر کا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے گی۔" (ابن ماجہ)

ف: یعنی صرف نماز روزہ کر کے یوں نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیا وہ حق بھی پورا ادا نہیں ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت کی نماز اس کے سر سے آگے نہیں بڑھتی (قبول نہیں ہوتی) جو اپنے خاوند کی نافرمانی کرے اور جب تک وہ اس سے باز نہ آجائے۔" (اوسط وصغیر طبرانی)

یہاں تک نکاح کی تاکید اور حقوق کا مضمون ہو چکا، البتہ اگر نکاح سے روکنے والا کوئی عذر قوی ہو تو اس حالت میں نہ مرد کے لیے نکاح ضروری رہتا ہے نہ عورت کے لیے۔ اگلی حدیثوں میں بعضے عذروں کا بیان ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ’’ایک شخص اپنی بیٹی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے فرمایا (نکاح کے بارے میں) اپنے باپ کا کہنا مان لے۔ اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا دین دے کر بھیجا‘ میں نکاح نہ کروں گی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو یہ نہ بتلا دیں کہ خاوند کا حق بی بی کے ذمے کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس میں بعضے بڑے حقوق کا ذکر ہے) اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا دین دے کر بھیجا‘ میں کبھی نکاح نہ کروں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کا نکاح (جب وہ شرعاً با اختیار ہوں) بدون ان کی اجازت کے مت کرو۔‘‘ (بزار)

ف: اس کا یہ عذر تھا کہ اس کو امید نہ تھی کہ خاوند کا حق ادا کرسکوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مجبور نہیں فرمایا۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے رخسارے (محنت مشقت سے) بدرنگ ہوگئے ہوں‘ قیامت کے دن اس طرح ہوں گے جیسے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی۔ یعنی ایسی عورت جو اپنے خاوند سے بیوہ ہوگئی ہو اور شان وشوکت والی اور حسن و جمال والی ہے (جس کے طالب نکاح بہت سے ہوسکتے ہیں مگر) اس نے اپنے کو یتیموں (کی خدمت) کے لیے مقید کردیا۔ یہاں تک کہ (سیانے ہوکر) جدا ہوگئے یا مرگئے۔‘‘ (ابوداؤد)

ف: یہ اس صورت میں ہے جب عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا نکاح کرنے سے بچے برباد ہوجائیں گے۔ پہلی حدیث میں پہلے نکاح کا اور دوسری حدیث میں دوسرے نکاح کا عذر ہے یہ عذر عورت کے لیے تھے‘ آگے مردوں کے عذر کا ذکر ہے۔

حضرت یحییٰ بن واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک سو اسی ۱۸۰ھ ہو (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پونے دوسو برس کے قریب گزر جاویں جس میں فتنوں کی کثرت ہوگی اور بعضی روایات میں دوسو برس آئے ہیں) (کما فی تخریج العراقی علی الاحیاء عن ابی یعلی و الخطابی) سو ایسی کسر کو شمار نہ کرنے سے دونوں کا ایک ہی مطلب ہوا)۔ میں (اس وقت) اپنی اُمت کے لیے مجرد رہنے کی

اور تعلقات چھوڑ کر پہاڑیوں کی چوٹیوں میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔'' (رزین)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بی بی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی کہ یہ لوگ اس کو ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جس کو یہ اُٹھا نہیں سکے گا سو یہ ایسے کاموں میں گھس جاوے گا جس میں اس کا دین جاتا رہے گا' پھر یہ برباد ہو جائے گا۔ (عین تخریج مذکور از خطابی و بیہقی)

ف: حاصل اس عذر کا ظاہر ہے کہ جب دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو اور بعضے آدمی کم ہمتی سے نکاح نہیں کرتے اور پرائے ٹکڑوں پر پڑے رہتے ہیں ان کی نسبت یہ حدیث آئی ہے:

حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ آدمی دوزخی ہیں (ان میں سے) ایک وہ کم ہمت ہے جس کو (دین کی) عقل نہیں جو لوگ تم میں طفیلی بن کر رہتے ہیں نہ اہل و عیال رکھتے ہیں نہ مال رکھتے ہیں۔ (مسلم) اور بیبیوں کی طرح اولاد کے بھی حقوق ہیں جن کا حکم بھی ہے اور ان کے ادا کرنے سے یہ بھی زیادہ اُمید ہے کہ وہ زیادہ خدمت کریں گے اور ان کا دنیوی حق یہ ہے کہ جن چیزوں سے دنیا کا نفع اور آرام ملتا ہے وہ بھی سکھلاوے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیٹوں کو تیرنا اور تیر چلانا سکھاؤ اور عورت کو کاتنا سکھاؤ۔'' (عین مقاصد از بیہقی)

ف: ان تین کا نام مثال کے طور پر ہے۔ مراد سب ضرورت کی چیزیں ہیں۔

اب دُعا کرو حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو علم کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تیسرا خطبہ

تفکر و تدبر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیاتِ طیبات: تفکر اور فکر کے یہ معنی ہیں کہ انسان کو جو علمی یا عملی مفید باتیں معلوم ہیں ان میں غور کرتا رہے تاکہ اور نئی نئی باتیں حاصل ہوں اور علمی و عملی ترقی ہو اور جو ضرر رساں امور ہیں۔ ان میں بھی غور کرتا رہے تاکہ ان سے آئندہ بچا رہے اور اگر گزشتہ زمانہ میں کوئی خلاف شریعت کام سرزد ہو چکا ہے تو اس کا تدارک کرے، حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور سوچتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ نے کہ کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے عالم میں غور نہیں کیا اور فرمایا کہ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا اور تم کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا۔ اور تمہاری نیند کو آرام کی چیز بنایا اور رات کو پردہ کی چیز بنایا اور دن کو تمہارے لئے روزگار بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ایک چراغ (یعنی سورج) بنایا اور پانی بھرے بادلوں سے خوب پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعے سے اناج اور سبزہ اور گنجان باغ پیدا کریں۔ و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو (خدا کی مار) ہو وہ کیسا ناشکرا ہے (خدا نے) اس کو کس چیز سے بنایا ہے۔ اس کو ایک بوند سے بنایا ہے اور اس کو بنایا اور پھر اس (کے اعضاء) میں اندازہ رکھا۔ پھر اس کے واسطے راستہ آسان کر دیا (پھر اس کو موت دی) پھر قبر میں رکھوایا۔ پھر جب چاہے گا اس کو (قبر سے زندہ کر کے) اٹھاوے گا۔ ہرگز (شکرگزار) نہیں جو اس کو حکم کیا اس کو پورا نہ کیا بس انسان کو غور کرنا چاہیے اپنے کھانے میں کہ ہم نے پانی برسایا پھر زمین کو پھاڑا پھر اس میں غلہ اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گنجان باغ اور میوہ اور چارہ (یہ سب چیزیں پیدا کیں) تمہارے نفع کے لئے اور (بعض) تمہارے مویشی کے واسطے۔

حدیث ۱: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جب آیت: اِنَّ فِیْ خَلْقِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ نازل ہوئی کہ ہلاکت ہے اس شخص کے واسطے جس نے اس کو پڑھا اوران چیزوں میں غور نہیں کیا۔ (عین تخریج عراقی عن صحیح ابن حبان)

حدیث ۲: اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غور کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی مخلوق پر غور کرو اور ذات خداوندی میں غور نہ کرو کیوں کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ (عین تخریج عن الترغیب والترہیب)

اسی واسطے سعدی نے کہا ہے ؎

توان در بلاغت بسحبان رسید نہ درکنہ بیچون سبحان رسید

ونیز کہا ہے ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین کیں جا ہمیشہ پاد دست است دام را

آیت مبارکہ: اور ارشاد فرمایا ہے حق تعالیٰ نے کہ دیکھ تو رحمت خداوندی کی نشانیوں کی طرف مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کر دیتا ہے بلاشبہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر ہر چیز پر قادر ہے۔

اضافہ: (الف) ونیز ارشاد فرمایا ہے خدائے عزوجل نے کہ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے واسطے نشانیاں ہیں۔

(ب) ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ کیا وہ لوگ اپنے اندر غور نہیں کرتے۔

(ج) اور ارشاد فرمایا کہ کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔

(د) ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ سمجھدار لوگ نصیحت حاصل کریں۔

(ہ) اور ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں عبرت ہے اہل فہم کے لئے۔

(و) نیز ارشاد فرمایا ہے کہ ان (انبیاء و امم سابقین کے قصہ) میں سمجھ دار لوگوں کے واسطے بڑی عبرت ہے۔

(ز) ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو سمجھتی ہو۔

محترم بزرگو اور دوستو! آج خطبہ جمعہ کا موضوع تفکر یعنی فکر کرنا ہے۔ غور کیا جائے تو قوت فکریہ ہی سے انسان کو شرف اور فوقیت حاصل ہے ورنہ کھانا پینا، چلنا پھرنا، خواہشات نفسانی پوری کرنا، توالد و تناسل اور دوسری سب چیزوں میں انسان دیگر مخلوقات، حیوانات

وغیرہ کے مانند ہے۔اگر قوت فکریہ ہی سے انسان عاری ہوتو وہ بالکل مویشیوں کے مانند بلکہ ان سے بدتر ہے اس لئے کہ قوت فکریہ اس میں ہے مگر وہ اس سے کام نہیں لیتا۔

فکر

ارشادفرمایااللہ تعالیٰ نے:

۱-وتلک الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون. (الحشر آیت ۲۱)

''مضامین عجیبہ کوہم لوگوں کے (نفع کے) لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

۲-الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلىٰ جنوبهم ويتفكرون فى خلق السمٰوٰت والارض. (آل عمران آیت نمبر ۱۹)

''وہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور سوچتے ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے متعلق''

۳-اولم ينظروافى ملكوت السموات والارض. (آل عمران ص۱۸۵)

''کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے عالم میں غور نہیں کیا۔''

ارشادفرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

۱-فآثرو مايبقى على ما يفنى. (رواه احمد)

''پس اختیار کروباقی چیز کو فانی چیز پر''

۲-فى نزول ان فى خلق السموات والارض الاية ويل لمن قراها ولم يتفكر فيها. (صحيح ابن حبان)

ان فی خلق السمٰوٰت والارض نازل ہوئی کہ ہلاکت ہے اس شخص کے واسطے جس نے اس کو پڑھا اور ان چیزوں میں غور نہیں کیا۔

۳-وعن ابن عباسؓ ان قوم تفكروا فى الله عزوجل فقال النبى صلى الله عليه وسلم تفكروا فى خلق الله ولا تفكروا فى الله فانكم لم تقدروا اقدرهٗ (ترغيب و ترهيب)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غور کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ تم اللہ کی مخلوق میں غور کرواور ذات خداوندی

میں غور نہ کرو کیونکہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

توان در بلاغت بسحبان رسید　　نہ درکنہ بیچوں سبحان رسید

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں　　کیں جا ہمیشہ پاو دست است دام را

مفہوم: تفکر اور فکر کے یہ معنی ہیں کہ انسان کو جو علمی یا عملی مفید باتیں معلوم ہیں ان میں غور کرتا رہے تا کہ اور نئی نئی باتیں حاصل ہوں اور علمی و عملی ترقی ہو اور جو ضرر رساں امور ہیں ان میں بھی غور کرتا رہے تا کہ ان سے آئندہ بچتا رہے اور گزشتہ زمانہ میں کوئی خلاف شریعت کام سرزد ہو چکا ہے تو اس کا تدارک کرے۔ (خطبات الاحکام ص ۱۵۲)

فکر کی ضرورت

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ایسے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی (معتد بہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو (انکشف) صوفیاء کے طریق کا مدار اعظم ہی فکر ہے لہٰذا خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اکابر کو بھی فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہیے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہیے۔ سارا قرآن مجید فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ لعلکم تتفکرون فی الدنیا والاخرۃ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرمائے ہیں تا کہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو یعنی دنیا اور آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرو کہ ان میں اختیار کرنے کے قابل کون ہے اور کون قابل ترک ہے۔ اہل اللہ نے فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اس لئے دنیا سے ان کو نفرت ہے۔ (بصائر حکیم الامت ص ۱۲۰)

تفکر فی الدنیا کی دو لطیف تفسیریں

یہاں تفکر فی الدنیا کی تاکید ہے اس پر یہ اشکال ظاہر میں ہوتا ہے کہ دنیا میں تفکر کی کیا ضرورت ہے بلکہ اسے تو فکر کو ہٹانا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل دنیا کے لئے ہو اس کو مقصود بالذات سمجھ کر اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (حلال روزی کا طلب کرنا فرضوں کے بعد ایک فرض)

دوسری تفسیر اس سے لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں تفکر کرو موازنہ کے لئے ان میں کون قابل اختیار کرنے کے ہے اور کون قابل ترک ہے یعنی جو فکر ترک دنیا کے لئے ہو وہ مطلوب ہے اسی لئے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اس لئے انہیں دنیا سے سخت نفرت ہے۔

فکر فی الدنیا کی ایک عمدہ تفسیر

دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا ہو جائیں گی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر آخرت سے اس کا عکس ثابت ہوگا، اس مجموعہ سے سوچنے سے دنیا کی بے قدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی جب دونوں کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشی محض ہے اور اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی کیونکہ جب سوچے گا کہ دنیا میں بالفرض اگرچہ تکالیف ہیں مگر ایک روز یہ فنا ہو جائے گی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف نہ معلوم ہوں گی۔

طریق تحصیل

دو چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجائے مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ باقی ترجیح ہے۔ ان دونوں چیزوں کا حاضر فی الذہن کرنا یہی اس کی تحصیل کا طریق ہے۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۸)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

چوتھا خطبہ

موت اور مابعد الموت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث ۱۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لذتوں کو قطع کرنے والی یعنی موت کو بہت یاد رکھو۔ (ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ)

حدیث ۲۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مومن کی موت آتی ہے تو (کفن کے واسطے) رحمت کے فرشتے سفید ریشم کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور مومن کی روح کو کہتے ہیں کہ نکل اس حال میں کہ تو خدا سے خوش ہے اور خدا تجھ سے خوش ہے (چل) خدا کی (دی ہوئی) راحت (اور رحمت) کی طرف اور (عمدہ اور) فراخ روزی کی طرف اور ایسے رب کی طرف (جو تجھ سے) ناراض نہیں ہے پس وہ مشک کی بہترین خوشبو جیسی (مہکتی ہوئی) نکلتی ہے (اور اسی روایت میں آگے یہ بھی ہے کہ) اور جب کافر کی موت آتی ہے، تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ لے کر آتے ہیں (اور اس کی روح کو کہتے ہیں کہ) نکل خدائے عز و جل کے عذاب کی طرف اور اس حال میں کہ تو بھی ناخوش ہے اور خدا بھی تجھ سے ناراض ہے پس وہ نہایت بدبودار مردار کی طرح سڑی ہوئی نکلتی ہے الخ۔ (احمد، نسائی)

حدیث ۳۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (جب مومن کی روح) بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے تو میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے پھر وہ دونوں فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تم میں نبی بنا کر بھیجا گیا وہ جواب میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے (جس کے ذریعے سے تجھ کو دین معلوم ہوا) وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب (قرآن شریف) کو پڑھا اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سمجھا (افسوس) کہ آج بعض نام نہاد

مسلمان اس علم کو حاصل نہیں کرتے بلکہ دنیوی علم میں منہمک ہو کر اس کو بالکل چھوڑ بیٹھے ہیں یاد رکھو قبر میں جا کر ملانوں ہی کی شاگردی کام آوے گی) پھر (اس سوال کے جواب کے بعد) ایک پکارنے والا آسمان سے پکارے گا۔ میرے بندے نے سچ کہا ہے پس اس کے لئے جنت سے فرش بچھا دو۔ اور جنت ہی سے اس کو لباس پہنا دو اور اس کے واسطے جنت کی طرف دروازہ بھی کھول دو۔ اور وہ کھول دیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر دروازہ کھلتے ہی اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور اس کے لئے نگاہ پہنچنے تک قبر میں فراخی کر دی جاتی ہے اور کافر کا حال اس کے برعکس فرمایا ہے۔ (احمد و ابوداؤد)

حدیث ۴ - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ نے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے واسطے (جنت میں) ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا گزر ہوا (جیسا کہ آدمی سوچا کرتا ہے کہ یوں ہونا چاہیے، یوں ہونا چاہیے، یعنی اس خیالی پلاؤ میں بھی ان چیزوں کا خطرہ نہیں ہوا۔ (متفق علیہ)

حدیث ۵ - و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب اس شخص کا ہے جس کو آگ کی دو جوتیاں اور (ان کے) دو تسمے پہنائے جائیں گے کہ ان کی وجہ سے ان کا دماغ دیگ کی طرح کھولتا ہوگا اور اس کو یہ گمان بھی نہ ہوگا کہ کسی کو اس سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے اور درحقیقت وہ سب سے کم عذاب ہوگا۔ (متفق علیہ)

حدیث ۶ - و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک تم اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ (باوجود زیادہ ہجوم کے بھی) کوئی کسی کے لئے اس کے دیکھنے میں مزاحم نہیں ہوتا) بلکہ مختلف مقامات سے بھی سب کے سب اس کو بے تکلف دیکھ لیتے ہیں۔ پس دیدار خداوندی میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اتنے لوگوں کو کس طرح دیدار ہوگا۔ (متفق علیہ)

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے پھر تم ہماری طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔

اضافہ: (الف) و نیز ارشاد فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جہنم پر پل صراط

رکھی جاوے گی (اور اسی روایت میں ہے کہ بعض آدمی (یعنی کافر) تو ان میں سے اپنے عمل (بد) کے سبب بالکل ہی ہلاک ہو جاویں گے اور ان میں سے بعض آدمی (یعنی گنہگار مسلمان) کو عذاب ہوگا مگر وہ پھر نجات پاویں گے۔ (متفق علیہ)

(ب) ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ سب لوگ جہنم پر آویں گے (پھر نیک لوگ) اپنے اعمال (حسنہ) کی وجہ سے وہاں عبور کر جاویں گے (یعنی اس پر سے گزر جاویں گے) پس اول ان (گزرنے والوں) میں سے بجلی کی مانند گزر جاوے گا، پھر ہوا کی طرح پھر تیز گھوڑے کی طرح پھر اونٹ سوار کی طرح پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح پھر آدمی کے چلنے کی طرح۔ (ترمذی ودارمی)

محترم بزرگو اور دوستو! آج خطبہ کا موضوع ہے موت اور اس کے بعد کا ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی **اکثرو اذکرھاذم اللذات الموت** یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، موت لذات کو مٹانے والی ہے۔

ایک بادشاہ کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے سامنے چند گولیاں پڑی تھیں۔ ایک گولی اٹھا کر منہ میں ڈال لی جس کا اثر یہ ہوا کہ رات بھر ملکہ سے، ہمبستری کرتے رہے لیکن سیری نہ ہوئی۔ دل میں ان بزرگ سے بدگمانی پیدا ہوئی کہ یہ کس قسم کی گولیاں استعمال کرتے ہیں۔ دوسری مرتبہ جب ان کی خدمت میں حاضری ہوئی تو ان بزرگ کو کشف ہو گیا۔ دل میں آیا کہ ان کو حقیقت کا انکشاف کرایا جائے چنانچہ ان بزرگ نے بادشاہ کو دیکھ کر فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ کی زندگی کے صرف چالیس دن باقی رہ گئے ہیں۔ بادشاہ سن کر پریشان ہو گیا تھوڑی دیر بعد اجازت چاہی تو ان بزرگ نے فرمایا کہ اسّی گولیاں اٹھا لو ایک گولی صبح، ایک گولی شام کھا لیا کرو، ذرا ہمت رہے گی۔ بادشاہ واپس لوٹے، چارج بادشاہت کا وزیر اعظم کو دے دیا۔ اور دن رات عبادت وذکر، طاعت اور ریاضت وفکر آخرت میں مصروف ہو گئے۔ چالیس دن کے بعد خوشی خوشی ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا چلہ پورا ہو گیا اور موت نہ آئی۔ ان بزرگ نے پوچھا گولیاں استعمال کی تھی۔ عرض کیا باقاعدگی سے صبح اور شام استعمال کرتا رہا۔ فرمایا گولیوں کا کچھ خواہش نفسانی پر اثر ہوا، عرض کیا موت سامنے کھڑی تھی اس کا کیا اثر ہوتا۔ فرمایا کہ تمہارے پاس چالیس دن پورے تھے، مجھے تو پل کی خبر نہیں

ع شاید ہمیں نفس کہ نفس واپس شود

تو تم نے میرے بارے میں ایسا گمان کیوں کیا تھا تو واقعی موت لذات کو مٹانے والی ہے۔

موت سے نہ ڈریئے

موت سے کسی کو مفر نہیں، کیونکہ ارشاد ربانی ہے: کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ یعنی ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ نیز ارشاد ہے: کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ. وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَام (الرحمٰن آیت نمبر ۲۶،۲۷) جتنے روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔"

گویا جس کو زندگی عطا ہوئی اس کو موت بھی ضرور آنی ہے ۔

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے   یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے

اس لئے انسان خواہ جتنی بھی ترقی کی جائے لیکن موت سے بچ کر کہیں چھپ نہیں سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

اَیْنَ مَاتَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ. (النساء:۷۷)

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو آ جاوے گی اگر چہ تم قلعی چونہ کے قلعوں میں ہی ہو۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس آیت کا کیا خوب ترجمہ کیا ہے ۔

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانہ میں موت

بحر و بر میں، دشت میں، شہر میں، گلشن میں ویرانہ میں موت

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں   ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں

موت مومن کے لئے تحفہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ. (اخرجہ ابن المبارک وابن ابی الدرداءؓ والحاکم)

تحفہ......(دل پسند) مؤمن کا موت ہے۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے (بندہ کو حق تعالیٰ سے) ملا دیتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو ملک الموت ان کے پاس آئے تا کہ ان کی روح قبض کریں تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یَا کہ اے ملک الموت کیا تو نے کسی دوست کو دیکھا جو اپنے دوست کی روح کو قبض کرے۔ اس پر ملک الموت جناب باری میں حاضر ہوئے۔ کہ کیا تو نے کسی دوست کو دیکھا ہے کہ اپنے دوست سے ملنا ناپسند کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ بس تو

میری روح ابھی قبض کرے۔ (شرح الصدور)

نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "من احب لقآء الله احب الله لقآءہ ومن کرہ لقاء الله کرہ الله لقاءہ" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی لقاء سے کراہت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء سے کراہ فرماتے ہیں اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "کلنا یکرہ الموت" یعنی ہم میں ہر شخص موت کو مکروہ سمجھتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی لقاء تو موت کے بعد ہوگی اور موت سے طبعاً ہر شخص کراہت ہے تو "من احب لقاء اللہ" کا مصداق کون ہوگا۔ اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کون دے سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ محبت لقاء کراہت لقاء زمانہ حیات کی نہیں بلکہ عین قوت موت کی محبت و کراہت مراد ہے۔ سو مومن موت کے وقت لقاء اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے جبکہ اس کو فرشتے بشارتیں سناتے اور تسلی دیتے ہیں اور جنت کی نعمتیں اور راحتیں دکھلاتے ہیں۔ (خیر الحیات وخیر الممات)

اس سے معلوم ہوا کہ طبعاً زندگی ہر ایک کو عزیز ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ ہستی کی ہستی کے بیمار ہونے پر دعا کرتی تھی کہ میں مر جاؤں اور ہستی اچھی ہو جائے لیکن ایک دن اتفاق سے ایک گائے جس کا منہ ہانڈی میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کے گھر آئی تو اسے موت سمجھ کر کہنے لگی۔

گفت اے موت من نہ مہتیم پیر زال غریب محنتیم

اس نے کہا کہ اے موت میں مہتی نہیں ہوں، غریب، محنتی بڑھیا ہوں۔

موت کو یاد رکھنے کے فائدے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اَکْثِرُوْ اذِکْرَھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ. (ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

یعنی لذتوں کو قطع کرنے والی یعنی موت کو بہت یاد رکھو" اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی گہری بات فرمائی کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے یا دنیا کے مال و جاہ میں منہمک ہوتا ہے تو مقصود اور غایت سب کا تحصیل لذت ہے اور جب یہ یاد کرو کہ یہ سب ایک دن ختم ہو جائے گا اور اس کا تصور ہوگا تو مزہ ہی نہ آئے گا اور جب مزہ نہ آئے گا تو گناہ بھی چھوٹ جائے گا۔ کیونکہ گناہ بوجہ لذت کے نہیں چھوٹتے اور موت سے لذات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس لئے موت

کے ذکر، یاد اور تصور سے گناہ چھوٹ جائیں گے۔ (ذکر الموت ص۱۲)

اسی لئے دوسری حدیث پاک میں بروایت حضرت انسؓ مذکور ہے کہ

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اَکْثِرُوْ ذِکْرَ الْمَوتِ فَاِنَّهٗ یَمحَصُ الذُّنُوبَ وَیَزْهَدُ فِی الدُّنیَا.

(اخرجہ ابن ابی الدنیا، شرح الصدور)

یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ وہ گناہوں سے صاف کرتی ہے اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے۔ نیز بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو موت سے غافل دیکھتے تھے تو تشریف لاتے اور موت کی یاد دلاتے تھے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ غفلت کا اصل سبب موت کو بھلا دینا ہے اور اکثر امراض کا سبب غفلت ہے تو جب غفلت دور ہو جائے گی تو نافرمانی اور عصیاں بھی دور ہو جائیں گے جو کہ غفلت کا سبب ہیں۔ (شوق اللقاء ص۳)

موت کے ذکر میں کوئی مشقت نہیں

جب موت کو یاد کرنے سے اتنے منافع ہیں تو ضرور یاد کرنا چاہیے۔ نیز اس عمل میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ نہ آمدنی میں خلل پڑتا ہے نہ کام میں حرج ہوتا ہے۔ نہ بہت سے نوافل یا وظائف پڑھنے پڑتے ہیں۔ (ذکر الموت ص۳)

اس لئے موت کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ہاں اگر موت کے مراقبہ سے کسی کا جی گھبرائے تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو یاد کرے اور سوچا کرے کہ اس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے محبت نہیں تو اس کے پاس جانے سے کیا وحشت ہے۔ (متاع الدنیا ص۱۵)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امید پر گناہ کرے بلکہ اگر عذاب کی خبریں یاد آویں تو خیال کرے کہ اس سے بچنا تو مشکل ہے ایسے کاموں سے بچا رہوں جن پر عذاب ہوتا ہے تو عذاب کیوں ہوگا۔"

موت کی یاد کے لئے ایک ناصح کا قطعہ

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے کیا خوب تحریر فرمایا ہے ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — خوب ملک طوس ہے اور سرزمین روس ہے

گر میسر ہو تو عشرت سے کیجئے زندگی — اس طرف آواز طبل اُدھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام چلتا ہے مئے گلگوں کا دور — شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں مجھے چل دکھاؤں تو تو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

موت کی یاد کس وقت تک مستحسن ہے

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرۂ کا ارشاد ہے کہ جب ذکر اللہ سے دل گھبرائے اس وقت موت کا ذکر ضروری ہے اور اگر خود ذکر اللہ کی طرف دھیان ہو تو ذکر اللہ کو چھوڑ کر ذکر الموت نہیں کرنا چاہئے۔

موت پر بھی اختتام نہیں اس کے بعد قبر حشر، قیامت، جنت، دوزخ، عالم برزخ کے واقعات پر غور کرے جس کی کچھ تفصیل خطبہ کی دوسری حدیث اور اس کے ترجمہ میں گزری۔ لوگ دنیوی مصائب، بیماری اور مشکلات سے گھبرا کر چلا اٹھتے ہیں کہ اس سے تو بہتر ہے کہ موت آجائے مگر صحیح ہے۔

اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کہاں جائینگے

اور صحیح یہ ہے کہ موت پر زندگی کا اختتام نہیں۔

ع ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

مرنے کے بعد جنت میں پہنچ گئے تو دائمی عیش و عشرت ہے اگر خدانخواستہ دوزخ میں داخل ہوئے تو دائمی عذاب جو کفار و مشرکین پر ہوگا۔

پانچواں خطبہ

نوافل کی اہمیت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا بندہ میرا قرب نوافل کے ساتھ حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُس کو محبوب بنالیتا ہوں۔'' (بخاری)

ف: اس سے بڑھ کر کیا دولت ہوسکتی ہے۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے اوپر رات کے قیام (یعنی تہجد) کو لازم پکڑلو کیوں کہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ (چلا آتا) ہے اور تم کو تمہارے رب سے قریب کرنے والا ہے اور گناہوں کو مٹاتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے۔'' (ترمذی)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبداللہ! (یہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں) فلاں شخص جیسا نہ ہونا کہ وہ رات کو اُٹھتا تھا، پھر اُس کو ترک کردیا بلکہ ہمیشہ پابندی سے تہجد پڑھتے رہو۔'' (متفق علیہ)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین آسان ہے اور نہیں مبالغہ کرتا کوئی شخص دین میں مگر اس پر دین غالب آتا ہے (یعنی جو شخص مبالغہ کرتا ہے وہ تھک کر رہ جاتا ہے) پس تم میانہ روی اختیار کرو اور اعتدال پر رہو اور خوش رہو اور مدد چاہو صبح و شام اور کچھ اخیر رات کی اندھیری میں (یعنی ان تین اوقات میں نفل عبادت کرلیا کرو اس سے بہت زیادہ نفع ہوتا ہے۔)'' (بخاری)

ف: کس قدر سہولت فرمادی گئی ہے۔ پھر بھی کوئی ہمت نہ کرے تو اس کا کیا علاج۔

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے وظیفے سے سوتا رہ جاوے یا اُس میں سے کچھ رہ جاوے پھر اُس کو فجر اور ظہر کے درمیان کسی وقت پڑھ لے تو اس کے واسطے اتنا ہی ثواب لکھا جاتا ہے کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔'' (مسلم)

ف: ضعیف العمر پر کتنی رحمت ہے۔

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے ذکر کر اپنے رب کا (خواہ) اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور (خواہ) پکار سے کم (یعنی معتدل آواز کے ساتھ) صبح اور شام کے وقت اور غافلوں میں سے مت ہو۔''

ف: اس میں ذکر جہر مفرط (یعنی حد سے زیادہ) ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے اور ذکر جہر میں اس کی رعایت بھی ضروری ہے کہ کسی کو تکلیف وتشویش نہ ہو اور ایسے وقت اور ایسی جگہ کرے کہ کسی کا حرج نہ ہو۔

اضافہ: اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ (یہ قیامت کے حساب کا ذکر ہے اور قبر میں سب سے پیشتر پیشاب کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس سے بچاؤ کیا تھا یا نہیں) پس اگر وہ (یعنی نماز) ٹھیک رہی تو کامیاب اور بامراد ہو گیا اور اس میں کمی رہے گی تو وہ ناکام اور بے مراد رہے گا اور اگر اس کے فرضوں میں کچھ کمی رہ جائے گی تو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماوے گا کہ دیکھو! کیا میرے بندے کے واسطے کوئی نفل ہے۔ پس (اگر نفل ہوئے تو) ان کے ساتھ وہ کمی پوری کی جاوے گی جو فرضوں میں رہ گئی ہو پھر اسی طرح اُس کے سب اعمال کا حساب کیا جاوے گا (کہ نفل سے فرضوں کی کمی کوز کوٰۃ اور روزہ وغیرہ میں بھی پورا کیا جاوے گا۔) (ابوداؤد)

حضرات محترم! آج کا موضوع نوافل کے بیان میں ہے۔ سنن ونوافل کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوسکتا ہے:

''حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما؟ پھر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے نفع مند بنائے گا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی۔ پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ

فلاح یاب اور کامیاب ہوجائے گا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامرادرہ جائے گا پھر اگر اس کے فرائض میں کمی کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو! کیا میرے بندے کہ ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تا کہ ان سے اس کے فرائض کی کمی کسر پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔" (جامع ترمذی' سنن نسائی)

اس حدیث مبارکہ سے نوافل کی فضیلت کا اندازہ ہوا کہ بروز قیامت سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

روز محشر کہ جانگداز بود   اولیں پرسش نماز بود

تو اگر فرض نمازوں میں کمی نکلی تو ستر نفل کا ایک فرض شمار کر کے حساب پورا کیا جائے گا۔

بعض لوگ نفل اس لیے نہیں پڑھتے کہ سمجھتے ہیں کہ نفل کا مفہوم نفع ہے اگر پڑھیں تو ثواب ملے گا اور اگر نہ پڑھیں گے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ حالانکہ دنیوی مال و دولت جس قدر حاصل ہوجائے اسے کم ہی سمجھتے ہیں۔

حضرات محترم! مستحبات کی مثال چٹنی اور سلاد کی ہے۔ دستر خوان پر کتنے ہی انواع و اقسام کے سالن اور کھانے ہوں مگر سب کے ہاتھ خود بخود چٹنی اور سلاد کی طرف بڑھتے ہیں بلکہ اس کی بدولت کھانا پیٹ بھر کر کھایا جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے غالباً ایک حدیث تفسیر فتح العزیز میں نقل کی ہے:

من تهاون بالاداب حرم من السنّة ومن تهاون بلاسنة حرم من الواجبات ومن تهاون بالواجبات حرم من الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم من المعرفة

"جس نے آداب پر عمل میں سستی دکھلائی وہ سنت سے محروم ہوگیا جس نے سنت میں سستی دکھلائی وہ واجبات سے محروم ہوگا جس نے واجبات ادا کرنے میں سستی کی فرائض سے محروم ہوگا اور جس نے فرائض میں کوتاہی کی وہ اللہ کی پہچان سے محروم ہوگا۔"

تو جس شخص کی نظر میں نفل کی کوئی اہمیت نہیں تو وہ آج نفل قصداً چھوڑتا ہے تو چند روز کے بعد اس کے ذہن میں یہ آجائے کہ سنتیں پڑھنا کوئی فرض اور ضروری تو نہیں تو آہستہ آہستہ وہ سنتیں پڑھنا چھوڑ دے گا اور پھر رفتہ رفتہ اس کی نوبت فرائض و واجبات تک پہنچے گی۔

دراصل نوافل وسنن، واجبات وفرائض کی تکمیل کا ذریعہ ہیں کیونکہ اگر فرائض پر عمل کرے گا تو معرفت بڑھے گی۔اس واسطے سنتوں کو مکمل فرائض کہا گیا تو جس نے آج سنتیں چھوڑ دیں، صرف فرائض کو پڑھ لیا تو کل وہ بھی نہ پڑھے گا، رفتہ رفتہ محروم ہو جائے گا۔

اس لیے کسی نیکی کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہ چھوڑنا چاہیے نہ معلوم کون سی نیکی اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائے اور اسی پر ہماری نجات ہو جائے۔

واں تو ایک نالہ بھی بس کافی ہے گر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

اب نفل نمازوں کی کچھ تفصیل عرض کی جاتی ہے۔سب سے افضل نماز تہجد ہے اس کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

وآخردعوانا ان الحمدلله رب العالمين

چھٹا خطبہ

نمازِ تہجد و دیگر نوافل

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تہجد کے معنی

لفظ تہجد ہجود سے مشتق ہے اور یہ لفظ دو متضاد معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے کے بھی۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے نماز تہجد کی یہ تعریف منقول ہے۔ **"قال الحسن البصری هو ما كان بعد العشاء ويحمل على ما كان بعد النّوم"** (تفسیر ابن کثیر) یعنی حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے، جو عشاء کے بعد پڑھی جائے۔ البتہ تعامل (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ) سے اس کو کچھ نیند کے بعد محمول کیا جائے گا۔

غرض نماز تہجد کے لیے بعد النوم ہونا شرط نہیں کیونکہ قرآن عزیز میں ہے: **"وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ"** تفسیر مظہری میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رات کے کچھ حصے کو نماز کے لیے سونے کو ترک کردو خواہ سونے کے بعد جاگ کر خواہ شروع ہی میں نماز کے لیے نیند کو مؤخر کردو لیکن عموماً مفہوم تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخرات میں بیدار ہوکر نماز پڑھنے کا ہے اس لیے یہ صورت افضل ہوگی۔ (تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

تہد کی نماز ابتداء نبوت میں فرض تھی۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○

(سورہ مزمل آیت نمبر ۱ تا نمبر ۳)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ○ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل آیت ۷۶)

اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز

ہے۔امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں۔تہجد پہلے سب پر فرض تھا۔پھر اُمت سے فرضیت منسوخ ہوئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ پر فرض رہا تھا۔

یعنی خاصة النّبی صلی الله علیه وسلم امر بقیام اللیل و کتب علیه اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ پر بھی فرض نہ رہا تھا۔"اخرجه ابن جریر عن مجاهد" یہ سب روایتیں درمنثور میں ہیں۔قول اول پر نافلہ کے معنی لغوی ہوں گے یعنی "فریضة زائدة" اور تطبیق دونوں میں اس طرح ہوسکتی ہے کہ اول نسخ صرف اُمت کے لیے ہوا۔پھر آپ کے لیے بھی ہوگیا۔(تفسیر بیان القرآن ج ا ص ۵۷۸)

تہجد کی فضیلت احادیث طیبہ کی روشنی میں

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "اپنے اوپر رات کے قیام (یعنی تہجد) کو لازم پکڑو کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ (چلا آتا ہے) اور تم کو تمہارے رب سے قریب کرنے والا ہے اور گناہوں کو مٹاتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے۔" (ترمذی)

نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "یَاعَبْدَ اللّٰهِ لَاتَکُنْ مِثْلَ فَلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ" (متفق علیہ) اے عبداللہ! فلاں شخص جیسا نہ ہونا کہ وہ رات کو اٹھتا تھا پھر اس کو ترک کردیا۔(بخاری مسلم) یعنی ہمیشہ پابندی سے تہجد پڑھتے رہو۔اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا احادیث میں بیان کردہ فضیلت کے پیش نظر ہر مسلمان کو حرص کرنی چاہیے کہ وہ تہجد کا عادی بن جائے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی حکایت

نمازتہجد کا لطف بیان نہیں ہوسکتا

سنجر کے بادشاہ ملک نیمروز نے ایک مرتبہ سیدنا حضرت جیلانیؒ کو خط لکھا کہ میں ملک نیمروز کا ایک حصہ آپ کو خرچ خانقاہ کے لیے دینا چاہتا ہوں تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد — در دل ہوس اگر ملک سنجرم

زانکہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیمروز بیک جوئے خرم

(یعنی اگر میرے دل میں تیرے ملک کی ہوس ہو تو میرا بخت سیاہ رو ہو جائے' جیسا تیرا

چتر م ہے جب سے مجھے نیم شب (تہجد) کی بادشاہت ملی ہے میں اس وقت سے ملک نیمروز کے بدلے میں نہیں خریدنا چاہتا۔)

واقعی تہجد کی لذت بیان نہیں کی جاسکتی۔ ع...... ذوق ایں بادہ نباشی کہ تانہ جبشی

اسی لیے ارشاد ربانی ہے:

وَ كَانُوْا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَايَهْجعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يستغفرون٥

بعض عارفین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ نماز تہجد کی لذت سے استغفار کرتے تھے کہ شاید ہم اس لذت کے لیے تو تہجد نہیں پڑھتے کیونکہ تہجد تو صرف رضاالٰہی کے لیے پڑھنی چاہیے۔

نماز تہجد کی تعداد رکعات

تہجد کی رکعات بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ مع الوتر تیرہ (۱۰+۳) اور کم سے کم سات مع الوتر (۴+۳) ہیں۔ (خیر المصابیح فی عدد التراویح ص ۱۷)

بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول ۸ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا اس لیے زیادہ عادت آٹھ رکعت کی رکھنی چاہیے لیکن وقت کم ہو تو چار اور بالکل کم ہو تو دو رکعت پڑھ لے۔ شوق اور وقت زیادہ ہو تو زائد بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اول شب میں بعد عشاء چار یا آٹھ رکعت بہ نیت تہجد پڑھ لے اور آخر شب جاگ آجائے تو بھی نوافل بہ نیت تہجد پڑھ سکتا ہے کیونکہ ایک روایت سے فعلاً بارہ سے زیادہ مگر محدود اور قولاً غیر محدود رکعات تہجد ثابت ہیں یعنی رکعات تہجد کی کوئی ایسی حد نہیں جس کے بعد کی نماز کو تہجد نہ کہا جائے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے بوادر النوادر جلد ا ص ۱۰۳)

نماز تہجد کے اُٹھنے کیلئے ظاہری اسباب

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تہجد کے لیے بیدار ہونے کے لیے چار اسباب ظاہری بیان فرمائے ہیں۔ (۱) کھانا بہت نہ کھائے اس سے بہت پانی پیئے گا اور نیند بہت آئے گی۔ (۲) دن کو اپنے اوپر ایسے مشقت کے کام نہ ڈالے جس سے تھک کر چور ہو جائے۔ (۳) اور بیٹھے سست پڑ جائیں اس سے نیند بہت آتی ہے۔

(۴) دن میں گناہ بہت نہ کرے اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور گناہ سامان رحمت اور بندہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (احیاء العلوم الدین)

باطنی اسباب

احیاء العلوم میں حضرت غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تہجد کے اُٹھنے کے لیے بھی اسباب باطنی چار ہی بیان فرمائے ہیں۔(۱) اپنے دل کو بدعتوں اور فضول تر ددات دنیاوی سے پاک رکھنا۔(۲) جینے کی توقع کم رکھنا کیونکہ جب آخرت کی ہولنا کیوں اور دوزخ کے طبقات کو سوچے گا تو اس کی نیند اُڑ جائے گی۔(۳) نماز تہجد کی فضیلت میں جو آیات واخبار و آثار مذکور ہیں معلوم کر کے توقع اور شوق ثواب کو مستحکم کرنا۔(۴) حق تعالیٰ سے محبت سب تعلقات پر غالب رکھنا کیونکہ جب اس کے ساتھ محبت ہوگی تو اس کے خلوت کو بھی پسند کرے گا اور مناجات کو بھی (جو صرف تہجد میں میسر ہوتی ہے)۔

اغلاط العوام

یعنی ایسے مشہور مسائل جو دراصل مسائل نہیں۔

سر نہاں کہ عارف و زاہد بہ کس نہ گفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مسئلہ: بعض کا خیال ہے کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہیے ورنہ تہجد جاتا رہتا ہے۔سو اس کی کوئی اصل نہیں اور بہت آدمی تہجد سے اسی وجہ سے محروم ہیں کہ صبح تک جاگنا مشکل ہے اور سونے کو ممنوع سمجھتے ہیں سو جان لینا چاہیے کہ سو رہنا بعد تہجد کے درست ہے۔ (اغلاط العوام)

مسئلہ: بعض لوگ رات کو اتنا جاگتے ہیں کہ بعض دفعہ فجر کی جماعت سے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے اتنا نہ جاگنا چاہیے کہ فجر کی نماز نیند کے غلبہ سے رہ جائے۔سلیمان بن ابو حشم بھی ایک مرتبہ رات بھر جاگنے کے سبب بہ غلبہ نیند نماز فجر سے رہ گئے تھے۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی والدہ سے فرمایا تھا:

لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً ٥ (موطا امام محمد)

(یعنی میرے نزدیک صبح کی نماز باجماعت پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے بہتر ہے۔)

نماز تہجد کی کیفیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ تہجد کی پہلی دو رکعتیں ہلکی قرأت سے پڑھتے پھر قرأت، رکوع وسجود سب طویل ہوتا۔یہاں تک کہ بعض مرتبہ گمان ہوتا کہ روح مبارک شاید پرواز کر چکی ہو۔

یا اللہ ہم سب کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب نماز پڑھنے کی توفیق عطا

فرمائے۔اس نماز پر مداومت اور استقامت بخش۔آمین

الٰہی ہمیں کردے ان بندوں میں شامل کہ اشک سحر گاہ جن کا وضوء ہے

اب دیگر نوافل کی فضیلت عرض کرتا ہوں۔

مسئلہ: ان تمام نفلی نمازوں کو درج ذیل اوقات میں پڑھنا جائز نہیں۔

۱-صبح صادق کے بعد سے لے کر سورج نکلنے تک

۲-عصر کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک

۳-نصف النہار یعنی زوال کے وقت۔

تحیۃ الوضوء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان بھی اچھی طرح سے وضو کرے اور وضو کے بعد حضور قلب کے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔(مسلم شریف) مسئلہ: تحیۃ الوضوء اعضاء وضو کے خشک ہونے سے پہلے پہلے پڑھنی چاہیے یہی اس کا وقت ہے۔

تحیۃ المسجد

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔(بخاری شریف)

مسئلہ: اگر مسجد میں کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہو تو صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد کافی ہے۔

مسئلہ: اگر وضو مسجد میں جا کر کریں اور تحیۃ الوضوء پڑھیں تو پھر تحیۃ المسجد کے نفل پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں جاتے ہی سنتیں پڑھنے لگا یا جماعت میں شریک ہو گیا تو اس کی تحیۃ المسجد اسی کے ضمن میں ادا ہو گئی علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اشراق

اشراق کی نماز یہ ہوتی ہے کہ آدمی فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکر وغیرہ میں مصروف رہے دنیا کا کوئی کام نہ کرے پھر سورج نکلنے کے بیس یا پچیس منٹ بعد دو یا چار رکعتیں پڑھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہا حتیٰ کہ اس (سورج نکلنے کے بعد) ضحٰی واشراق کی دو رکعتیں پڑھیں اور اسی اثناء میں سوائے نیک بات کے کوئی بات زبان پر نہ لایا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

چاشت

چاشت کی نماز یہ ہوتی ہے کہ جب سورج اچھی طرح نکل آئے اور اس پر نگاہ نہ جم سکے تو اس وقت نوافل پڑھے جائیں جن کی کم از کم مقدار دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہے۔ چاشت کے نوافل زوال وقت ہونے تک پڑھے جاسکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے چاشت کی دو رکعتوں کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگر چہ وہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔'' (ترمذی ج ص ۱۰۸ مسلم شریف ج ص ۲۵۰)

اوّابین

مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد جو نوافل پڑھے جاتے ہیں انہیں اوّابین کہتے ہیں ان کی کم از کم تعداد ۶ اور زیادہ سے زیادہ بیس ۲۰ ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمارؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد ۶ رکعتیں پڑھتے ہیں اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔''

مسئلہ: مغرب کے فرضوں کے بعد دو رکعت سنت اور دو رکعت نفل پڑھ کر صرف ۲ رکعت نفل اور پڑھ لے تو اوّابین کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

تہجد

نصف شب کے بعد سو کے اُٹھ کر جو نماز پڑھی جاتی ہے اُسے تہجد کہتے ہیں۔ اس کی کم از کم ۲ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ رکعتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے۔ (یعنی تہجد)“

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ضرور پڑھا کرو تہجد کیونکہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے بُرے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔“

مسئلہ: تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے سونا شرط نہیں ہے اگر کوئی شخص ساری رات جاگتا رہے تو وہ بھی تہجد پڑھ سکتا ہے۔

صلوٰۃ التسبیح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب سے فرمایا:

”اے عباسؓ! اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں، کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ (جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادیں گے۔ اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور اعلانیہ بھی، وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے) اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورۃ پڑھیں۔ پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں **سبحان اللہ و الحمدللہ و لاالٰہ الا اللہ و اللہ اکبر** پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں پھر رکوع سے اُٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں بھی یہ کلمہ دس دفعہ کہیں پھر سجدے سے اُٹھ کر جلسے میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ ۷۵ دفعہ کہیں۔

(میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے روزانہ پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ ہی پڑھ لیں۔

یا اللہ! ہم سب کو نوافل پڑھنے کا ذوق وشوق عطا فرما اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرما اور اپنی رضا و قرب نصیب فرما۔ (آمین)

ربیع الثانی کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	واقعات وحادثات	ربیع الثانی	مطابق
۱	فرض نمازوں میں اضافہ	۱ھ	اکتوبر ۶۲۲ء
۲	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۱ھ	اکتوبر ۶۲۲ء
۳	حضرت ابوقیس صرمہ بن ابی انسؓ کا اسلام لانا	۱ھ	نومبر ۶۲۲ء
۴	مہاجرین وانصار میں مواخات	۱ھ	نومبر ۶۲۲ء
۵	غزوۃ الحمر ان	۳ھ	ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء
۶	وفات حضرت ام المؤمنین زینب بنت خزیمہؓ	۳، ۴ھ	ستمبر ۶۲۵ء
۷	غزوہ ذی قرد غزوی غابہ	۶ھ	اگست ۶۲۷ء
۸	سریہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	۶ھ	اگست ۶۲۷ء
۹	سریہ ذی قصہ	۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء
۱۰	سریہ بنوثعلبہ	۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء
۱۱	سریہ جموم	۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء
۱۲	سریہ بنوطئی	۹ھ	جولائی ۶۳۰ء
۱۳	وفد بنی الحارث کا قبول اسلام	۱۰ھ	اگست ۶۳۱ء
۱۴	سریہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ	۱۱ھ	جون ۶۳۲ء
۱۵	واقعہ یرموک	۱۵ھ	مئی ۶۳۶ء
۱۶	واقعہ نہاوند	۲۱ھ	مارچ ۶۴۱ء
۱۷	فتح طرابلس	۲۲ھ	فروری ۶۴۲ء
۱۸	وفات حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ	۳۲ھ	نومبر ۶۵۲ء

۱۹	وفات حضرت اشعر بن کندی رضی اللہ عنہ	۴۰ھ	اگست ۶۶۰ء
۲۰	فتح سوڈان	۴۳ھ	جولائی ۶۶۳ء
۲۱	وفات حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	۵۰ھ	اپریل ۶۷۰ء
۲۲	وفات عبداللہ بن زیاد	۶۷ھ	اکتوبر ۶۸۶ء
۲۳	وفات حضرت عاصم بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۷۰ھ	ستمبر ۶۸۹ء
۲۴	وفات حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ	۷۴ھ	اگست ۶۶۳ء
۲۵	وفات حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ	۸۰ھ	جون ۶۹۹ء
۲۶	فتح ارمینیا	۸۵ھ	اپریل ۷۰۴ء
۲۷	فتح صاغان	۸۶ھ	اپریل ۷۰۵ء
۲۸	فتح صغد	۸۸ھ	مارچ ۷۰۶ء
۲۹	وفات حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ	۱۰۰ھ	اکتوبر ۷۱۸ء
۳۰	جنگ بہرزان	۱۰۴ھ	ستمبر ۷۲۲ء
۳۱	وفات حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ	۱۰۵ھ	ستمبر ۷۲۳ء
۳۲	وفات حضرت حماد الکوفی رحمہ اللہ	۱۲۰ھ	مارچ ۷۳۷ء
۳۳	وفات حضرت امام مالک رحمہ اللہ امام مدینہ	۱۷۹ھ	جون ۷۹۵ء
۳۴	وفات حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ	۱۸۲ھ	مئی ۷۹۸ء
۳۵	وفات امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ	۲۳۵ھ	اکتوبر ۷۴۹ء
۳۶	وفات سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ	۴۲۱ھ	اپریل ۱۰۳۰ء
۳۷	وفات امام بیہقی رحمہ اللہ المحدث الکبیر	۴۵۸ھ	مارچ ۱۰۹۵ء
۳۸	وفات عبدالقاہر الجرجانی النحوی رحمہ اللہ	۴۷۱ھ	اکتوبر ۱۰۷۸ء
۳۹	وفات شیخ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی	۵۶۱/۱۷ھ	فروری ۱۱۶۵ء
۴۰	وفات ابن حاجب، صاحب کافیہ	۶۴۶ھ	جولائی ۱۲۴۸ء

۴۱	وفات حضرت عبید اللہ احرار نقشبند رحمہ اللہ	۸۹۶ھ	فروری ۱۴۹۱ء
۴۲	وفات حضرت ملا علی القاری حنفی	۱۰۱۴ھ	
۴۳	وفات مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی محدث سہارنپوریؒ	۱۳۴۶ھ	اکتوبر ۱۹۲۷ء
۴۴	وفات مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ	۱۲-۲-۱۳۷۲ھ	۲۱ اگست ۱۹۵۲ء

(ماخوذ دینی دستر خوان جلد ۲' اسلامی مہینوں کے فضائل و احکام و دیگر تاریخی کتب و رسائل)

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

جمادی الاولیٰ

پہلا خطبہ

کسب معاش..........................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

دوسرا خطبہ

کسب حرام سے بچاؤ..............حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

حقوق عامہ وخاصہ..................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

دھوکہ کھانے کی برائی............حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

مراقبہ ومحاسبہ.......................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع جمادی الاولی کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

کسب معاش

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسب حلال کا تلاش کرنا ایک فرض ہے بعد فرض کے۔'' (بیہقی)

ف: یعنی فریضہ نماز وغیرہ کے بعد اس کا درجہ ہے یہ نہیں کہ اس میں منہمک ہو کر نماز بھی بھول جاؤ اور جس کو غنائے ظاہری یا باطنی نصیب ہو وہ اس سے بالکل ہی مستثنیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے ہرگز کوئی کھانا اپنے ہاتھوں کی کمائی کھانے سے بہتر نہیں کھایا اور بیشک خدا کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' (بخاری)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سچ بولنے والا امانت دار تاجر انبیاء و صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی، دارمی، دار قطنی، ابن ماجہ)

حدیث چہارم: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طٰسم کی تلاوت کی یہاں تک کہ قصہ موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے تو فرمایا: بے شک موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ یا دس سال تک اجیر بنایا، اپنی شرمگاہ کو پاک رکھنے اور کھانے پینے کے عوض میں۔'' (احمد، ابن ماجہ)

حدیث پنجم: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ جا اور لکڑیاں جمع کر اور بیچ (پس وہ آدمی چلا گیا، لکڑیاں لاتا اور بیچتا رہا، پھر حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور دس درہم کما چکا تھا اور بعض کا کپڑا اور بعض کا کھانا خرید چکا تھا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن سوال کرنا تیرے چہرے میں زخم لاوے۔'' (ابوداؤد)

حدیث ششم: ''حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ان

میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور دوسرا کوئی پیشہ کیا کرتا تھا۔ پس اس کمانے والے نے اپنے بھائی کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ (یہ کچھ کھاتا نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تجھ کو اسی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔" (ترمذی)

آیت مبارکہ

"ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے پس جب (جمعہ کی) نماز پوری ہو چکے تو (اُس وقت تم کو اجازت ہے) کہ تم زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو (اس حالت میں بھی) تم اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ (اور نجات ہو)۔"

اضافہ: (الف) اور حضرت علی وسعد بن مالک وعبداللہ بن مسعود وعمر بن عبدالعزیز اور قاسم بن عروہ اور آل ابی بکر اور آل علی اور ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کھیتی کی ہے۔ (بخاری)

(ب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (زمین) کرایہ پر دینے کا امر فرمایا ہے۔ (مسلم)

(ج) ان روایات سے کسب حلال کی ضرورت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لیے اس میں سعی اور کوشش لازم ہے۔ البتہ جو شخص ایسا قوی القلب ہو جس کے لیے کسب کسی واجب میں خلل انداز نہ ہوتا ہو اس کو ترک کسب کی اجازت ہے جیسا کہ روایت ششم سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بعض حالتوں میں متوکلین کے لیے ترک کسب افضل ہے جس کی تفصیل التکشف وغیرہ کتب تصوف سے معلوم ہو سکتی ہے اور کسب حرام سے تو بہر حال میں بچنا ضروری ہے۔

اضافہ: (الف) اور ممانعت فرمائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے۔ (ابوداؤد) آج کل بیع کی بہت صورتیں جو اکثر کمپنیوں کی طرف سے رائج ہیں وہ اور جان کا بیمہ وغیرہ سب جوا ہے۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

(ج) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس کا قابل (استعمال) ہونا ظاہر نہ ہو جاوے۔ (متفق علیہ) آج کل یہ بلا بھی عام ہو رہی ہے کہ پھل آنے سے پیشتر بہار کی بیع ہوتی ہے۔ اس کو سعی بلیغ سے روکنا چاہیے کیونکہ ایسے پھلوں کا بہار کے خریدار سے بھی خریدنا جائز نہیں ہے۔

حضرات محترم! گزشتہ خطبہ جمعہ کا موضوع کسب حلال معاش تھا۔ آج کا موضوع کسب

حرام سے بچنے کی تائید میں ہے کیونکہ عبادات کی قبولیت کا دارومدار کسب حلال پر ہے۔ کسب حرام کی بناء عبادات اور دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتیں۔ حجاج بن یوسف کے دور میں اسی (۸۰) مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ اس نے سب کو بلا کر دعوت کردی اور حرام کھلا دیا اور کہنے لگا کہ حرام کھانے سے چالیس دن تک دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتیں۔ اب میں چالیس دن کے لیے ان کی بددعاؤں سے مامون ہوگیا۔

خطبہ میں کسب حرام کی مذمت میں آیت قرآنی اور چند احادیث مبارکہ سن چکے ہیں۔ اب مزید چند آیات واحادیث مع ترجمہ سن لیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.

(پ ۴، ر ۱۲، آیت ۱۰)

”بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ثم قال) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (ثم قال) وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ (قال قبله) وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ○ (پ ۳، ر ۶، آیت ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۷۵)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو (پھر فرمایا) پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے (اس سے پہلے فرمایا) اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

احادیث سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”بہت سے پراگندہ بدحال، غبار آلود، سفر میں گم کردہ منزل کہ ان کا کھانا حرام ہوگا، ان کا لباس حرام ہوگا، حرام غذا سے پلے ہوں گے، اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہیں گے اے پروردگار! اے پروردگار! تو ایسے لوگوں کی دعا کس طرح قبول کی جائے گی۔“ (مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

”بیت المقدس میں اللہ کا ایک فرشتہ متعین ہے جو ہر رات یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص

حرام کھائے گا اس کی نہ فرض عبادت قبول ہوگی اور نہ نفلی عبادت۔"

نیز فرمایا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"جو شخص دس درہم میں کپڑا خریدے اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک اس کپڑے کا کوئی حصہ اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔" (احمد)

اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"جو گوشت حرام غذا سے بنے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔" (ترمذی)

نیز فرمایا: "جو شخص یہ پرواہ نہ کرے کہ اس نے مال کہاں سے کمایا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ پرواہ نہیں کریں گے کہ کہاں سے اس کو دوزخ میں داخل کریں۔" (دیلمی، ابن عمرؓ)

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص گناہ کے ذریعے مال حاصل کرے پھر اس مال سے صلہ رحمی کرے یا صدقہ میں دے دے یا اللہ کی راہ میں خرچ کردے اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔"

ایک حدیث میں ارشاد مبارک ہے: "سود کا ایک درہم اللہ کے نزدیک حالت اسلام میں چھتیس بار کے زنا سے زیادہ سخت ہے۔"

ایک حدیث میں ہے: "جو شخص حرام مال کمائے اور اسے صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر چھوڑ کر مر جائے تو دوزخ کے سفر کا توشہ بنے گا۔" (احمد)

آثار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کا لایا ہوا دودھ نوش فرمالیا۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ تم یہ دودھ کہاں سے لائے تھے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ایک قوم میں کہانت کی تھی اس کے عوض میں انہوں نے یہ دودھ دیا ہے۔ آپ نے اسی وقت حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قے کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ غالباً آپ کا دم نکل جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں تیرے سامنے عذر کرتا ہوں اس دودھ کا جو رگوں میں پھیل گیا ہے اور آنتوں میں خلط ملط ہوگیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جب اس واقعہ کی خبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم نہیں جانتے کہ صدیق اپنے پیٹ میں پاک غذا کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا۔" (بخاری)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تھا، معلوم ہونے پر حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تم لوگ افضل ترین عبادت ورع سے غافل ہو جس کے معنی ہیں حرام سے بچنا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اتنی نمازیں پڑھو کہ کمان کی طرح تمہاری کمر جھک جائے اور اتنے روزے رکھو کہ تانت کی طرح باریک (کمزور) ہو جاؤ تو تمہاری یہ نمازیں اور روزے نہیں ہوں گے جب تک کہ تم حرام امور سے اجتناب نہ کرو۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم کا مقولہ ہے کہ اگر کسی نے کچھ حاصل کیا ہے تو اسی طرح حاصل کیا ہے کہ جو کچھ پیٹ میں ڈالا ہے سمجھ کر ڈالا۔ فضیل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص دیکھ بھال کر کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صدیقیت کا درجہ مرحمت فرمایا ہے اس لیے اے مسکین! افطار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا کرو کہ کہاں افطار کر رہے ہو؟ ابراہیم ابن ادہم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ تم زمزم کا پانی کیوں نہیں پیتے؟ فرمایا کہ اگر میرے پاس اپنا ڈول ہوتا تو ضرور پیتا۔ سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں حرام مال خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کپڑے پر لگی ہوئی نجاست کو پیشاب سے دھوئے جس طرح کپڑے کی طہارت کے لیے پاک پانی ضروری ہے اسی طرح گناہوں کے کفارہ کے حلال مال ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ''معدہ بندہ کا حوض ہے، جسم کی تمام رگوں کا رُخ اسی حوض کی طرف ہے، اگر معدہ صحیح ہوگا تو تمام رگیں صحیح حالت میں نکلیں گی اور اگر معدہ فاسد ہوگا تو تمام رگیں اس فساد سے متاثر ہوں گی' دین میں کھانے کو وہی حیثیت حاصل ہے جو تعمیر میں بنیاد کو ہے۔ اگر بنیاد مضبوط و مستحکم ہے تو عمارت بھی سیدھی اور بلند ہوگی اور اگر بنیاد کمزور اور ٹیڑھی ہوئی تو عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ٥ (پ ۱۱، ر ۲، آیت ۱۰۹)

''پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت یعنی مسجد کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی یعنی غار کے کنارے پر

جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی، پھر وہ عمارت اس بانی کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے۔''

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

''جس شخص نے حرام کا لقمہ کھا لیا اس کی چالیس دنوں کی عبادت قبول نہ ہوگی۔''

اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ حرام پیشے سودی کاروبار، رشوت، انعامی بانڈ، نمبر کے سودی لین دین، بیمہ، حرام ملازمت، حجامت جس میں ڈاڑھی مونڈھنا اور انگریزی بال بنانا پڑتے، لین دین یعنی خرید وفروخت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا، پھلوں کی خلاف شریعت بیع، شراب کی خرید وفروخت، جوئے کے مختلف اقسام کے کاروبار، غرض ہر حرام پیشہ جس میں ذرا بھی شبہ ہو ترک کردے، حلال روزی کو اپنا شعار بنائے۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

ایک روایت میں طلب علم کو ہر صاحب ایمان کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض علماء کی رائے میں اس علم سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔ ارشاد فرمایا:

''جو شخص اپنے اہل وعیال کے لیے حلال کمانے کی جدوجہد کرے وہ اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص پارسائی کے ساتھ دنیا طلب کرے وہ شہداء کے درجے میں ہے۔'' (طبرانی)

''جو شخص چالیس دن تک حلال کھانا کھائے اللہ اس کے دل کو نور سے بھر دیتے ہیں اور اس کے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔'' (ابونعیم)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرما دیجیے تاکہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں اور باری تعالیٰ میری کوئی دعا رد نہ فرمائیں۔ ارشاد فرمایا:

''حلال کھانا کھایا کرو، تمہاری دُعا قبول کی جائے گی۔'' (طبرانی)

خیر دینکم الورع ''تمہارا بہترین دین تقویٰ ہے۔''

''جو شخص ورع کی حالت میں اللہ سے ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ اسے تمام اسلام کا ثواب مرحمت فرمائیں گے۔''

آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (پ ۱۸، ر ۳، آیت ۵۱)

"نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔"

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝ (پ ۵ ر ۲ آیت ۲۹)

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔"

بعض لوگ بظاہر حلال پیشہ مثلاً دکانداری یا حلال ملازمت کرتے ہیں مگر اس میں ناپ تول میں کمی کرتے یا ملازمت کے اوقات میں خیانت کر کے اپنی روزی میں حرام شامل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے "ویل للمطففین" (ہلاکت ہے کم تولنے والوں کیلئے)۔ یہ سخت گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ پانچ خصلتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو (تو ان کے نتائج بد مذکورہ ذیل صورتوں میں بھگتنے پڑیں گے) اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو وہ یہ ہیں:

۱- جب کسی قوم میں فحش و بے حیائی پھیلتی ہے تو اس کی وجہ سے اس پر لعنت اور پھٹکار ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں طاعون اور ایسے ایسے درد (امراض) پھیل جاتے ہیں جن کو ان کے بڑوں نے کبھی دیکھا نہ سنا۔

۲- اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو ان کو قحط اور گرانی گھیر لیتی ہے خواہ بارش ہو یا نہ ہو نیز ان لوگوں کے مطالبے اور قرضے وغیرہ زیادہ ہو جاتے ہیں ان کے حکام ان پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔

۳- اور جب کوئی قوم زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کرنے لگتی ہے تو بارش وقت پر نہیں ہوتی اور اگر بہائم جانور نہ ہوتے تو ایسے لوگوں پر کبھی بارش نہ ہوتی۔

۴- اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسری قوموں کے دشمن مسلط کر دیتے ہیں جو ان کے اموال ناجائز طریق پر چھین لیتے ہیں۔

۵- اور جب مسلمان حکام قرآنی احکام و قانون جاری نہیں کرتے تو مسلمانوں کے آپس میں اختلافات اور جنگ چھڑ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ والبزار والبیہقی والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم زواجر ۱۹۹ ج ۱)

۶- تنبیہ اس حدیث کے الفاظ کو غور سے دیکھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے صدق کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو جائے۔ آج کل مسلمانوں میں عموماً یہ پانچوں خصلتیں پھیل گئی ہیں تو انکے نتائج بد جو حدیث مذکور میں وارد ہیں وہ بھی عام ہو گئے اور یہی وہ مصائب ہیں

جن سے مسلمانوں پر زمین تنگ ہو رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ حدیث کے ایسے کھلے ہوئے ارشادات کے باوجود ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور مصائب موجودہ کو دور کرنے کے لیے عقلاء زمانہ طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں لیکن ان کے جو اصلی اسباب حدیث میں بیان کیے گئے ہیں ان کے ازالہ کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی۔ (**فلا ملجاء و لا منجاً من اللّٰہ الا الیہ**) ان خصلتوں میں ایک وہ بھی ہے جس کے لیے یہ عنوان قائم کیا گیا یعنی ناپ تول کی کمی، اس میں یہ نہیں کہ دھوکہ دے کر کوئی خاص مقدار بچالی جائے بلکہ بالمقصد معمولی فرق ماشوں، تولوں یا گرہ آدھ گرہ کا بھی وہی حکم ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں ان لوگوں کو مطففین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی شتق طفیف (خفیف) کے لیے خیانت کرنے والے کیوں کہ ناپ تول میں سارے دن کوئی تاجر کمی کرتا رہے تو شاید دن بھر میں آدھ سیر، پاؤ سیر یا آدھ گز، پاؤ گز بچائے گا۔ یہ ہر مرتبہ ایک شدید کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوا اور گناہوں کے انبار عظیم کے بدلے میں پاؤ سیر غلہ یا پاؤ گز کپڑا املا تو کتنی دنائت وخست اور خسارہ وحیرت کی چیز ہے۔ اسی لیے بعض سلف نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ بربادی پھر بربادی ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو ایک دانہ کے لیے محنت کی نعمتوں کو قربان کریں اور جہنم کا وہ عذاب الیم خریدیں جس سے پہاڑ پگھل جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب بازار تشریف لے جاتے تو دُکانداروں کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے کہ ناپ تول میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ قیامت کے دن مطففین ایسے کھڑے کیے جائیں گے جہاں کی شدت کے سبب لوگوں کا پسینہ دریا کی طرح بہتا ہوا ان کے نصف کانوں تک پہنچ جائے گا۔

اور بعض سلف نے بیان کیا کہ میں ایک مریض جاں بلب کی عیادت کو گیا۔ اس کو کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ اس نے کہنا چاہا مگر زبان نہ اُٹھی۔ کچھ دیر کے بعد اس کو کچھ افاقہ ہوا تو میں نے پوچھا کہ جب میں نے کلمہ کی تلقین کی تم نے کیوں نہ پڑھا؟ اس نے کہا بھائی ترازو کا کانٹا میری زبان پر رکھا ہوا تھا جس کے سبب میں کلمہ نہ پڑھ سکتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم کم تولا کرتے تھے اس نے کہا بخدا ہرگز نہیں۔ ہاں یہ بات اکثر ہو جاتی تھی کہ میں زمانہ دراز تک اپنی ترازو میں باڑا نہیں کرتا تھا اس میں کچھ فرق پڑ جاتا ہو گا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو کسب حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

دوسرا خطبہ

کسب حرام سے بچاؤ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ **بیشک اللہ تعالیٰ نے** شراب اور مردار اور خنزیر بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔'' (متفق علیہ)

ف: آج کل تصویروں کی عام طور پر خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ یہ اس حدیث شریف کی رُو سے حرام ہے۔ (نیز عام طور پر گائے بھینس وغیرہ مر جائے تو چمار وغیرہ کو دیتے ہیں اور اُس کا عوض لیتے ہیں حالانکہ یہ بالکل حرام ہے، مردار کا کوئی عوض لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی مردار کی کھال اپنے طور پر مزدوری دے کر یا ویسے ہی رنگوالی جاوے تو رنگنے کے بعد اُس کی خرید و فروخت دُرست ہے)۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر لوگ قیامت کے دن (فجار یعنی نافرمان) ہونے کی حالت میں اُٹھائے جاویں گے مگر وہ شخص جس نے (خرید و فروخت) میں تقویٰ اختیار کیا اور سچی قسم کھائی اور سچ بولا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

حدیث سوم: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت کی ہے۔'' (مسلم) افسوس آج کل یہ سب کام بے دھڑک کیے جا رہے ہیں۔

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کسی نے کوئی عیب دار چیز بیچی اور اُس پر مطلع نہیں کیا وہ ہمیشہ خدا کی دشمنی اور غصہ میں رہتا ہے یا (یوں فرمایا) اُس پر ہمیشہ فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' (ابن ماجہ)

حدیث پنجم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لی ہو بے شک قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں ڈالی جائے گی ساتوں زمین سے۔'' (متفق علیہ) یعنی جتنی زمین دبائی ہے اتنی ہی زمین ساتوں زمین کی گہرائی تک گلے میں ڈالی جاوے گی بلکہ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ زمین خود اُسی ظالم سے کھدوائی جاوے گی جو لوگ دوسروں کو حق نہیں دیتے وہ ذرا خیال کریں کہ کس قدر وبال اپنے ذمہ لے رہے ہیں خاص کر

بعض ملکوں میں (مثلاً پنجاب وغیرہ میں) تو ہمشیرہ وغیرہ وارثان شرعیہ کو بالکل ہی محروم قرار دے رکھا ہے۔اس بارے میں رسالہ غصب میراث ضرور دیکھ لیا جاوے۔

حدیث ششم: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے اور دلوانے والے پر۔'' (احمد، بیہقی)

حدیث ہفتم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دھوکہ دینے کے لیے بولی نہ بڑھاؤ (جیسا کہ بعض لوگ نیلام والوں سے مل کر بولی بڑھاتے رہتے ہیں تا کہ دوسرا شخص دھوکہ میں آ کر زیادہ قیمت لگادے) اور اونٹنی اور بکری (ونیز دیگر مویشی) کا دودھ نہ روکو (جیسا کہ بعض لوگ خریدار کو دھوکہ دینے کے واسطے کیا کرتے ہیں)۔'' (متفق علیہ)

حدیث ہشتم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دھوکہ دے وہ مجھ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے۔'' (مسلم)

ف: معاملات کی صفائی اور کسب حرام سے پرہیز کے متعلق یہ چند روایتیں لکھی گئی ہیں جن سے حرام خوری کی مذمت اور اُس کی اکثر ضروری صورتیں معلوم ہو گئی ہیں۔زیادہ تفصیل کے لیے بہشتی زیور اور صفائی معاملات کا مطالعہ ضروری ہے۔

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریق پر مت کھاؤ لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو (تو مضائقہ نہیں) اور تم ایک دوسرے کو قتل مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہیں۔''

معزز سامعین حضرات! آج کا موضوع کسب حلال سے متعلق ہے۔حلال روزی کمانے کو حدیث مبارکہ میں فرضوں کے بعد ایک فرض ہے یعنی جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض ہیں اسی طرح حلال روزی کمانا بھی ایک فرض اور عبادت ہے۔اسی بناء پر دوسری حدیث مبارکہ میں "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" (یعنی حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے)۔ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے محنت اور مشقت سے روزی کمائے گا اس کی نظر دوسروں کی جیبوں پر نہیں ہوگی بلکہ اس کے اندر خود اعتمادی اور قناعت پیدا ہوگی۔وہ دوسروں کا محتاج نہ ہوگا بلکہ محتاجوں کی مدد کرنے والا بنے گا۔اسی بناء پر دنیا کمانے سے منع نہیں کیا گیا ہاں حب دنیا سے منع کیا گیا۔چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

"دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

گویا کسب دنیا مذموم نہیں حب دنیا مذموم ہے۔ ضروریات زندگی کی خاطر دنیا ہاتھ میں ہو تو کوئی حرج لیکن دل میں دنیا بسی نہ ہو بلکہ دل میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت موجزن ہو۔ عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب قدس سرہ نے اس مضمون کو خوب ادا فرمایا ہے۔

کسب دنیا تو کر ہوس کم رکھ اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے دھواں یہ چراغ اِک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ

چنانچہ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یعنی کسی شخص نے اپنے ہاتھ کے کمائے ہوئے کھانے سے بہتر کھانا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔" حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت اور سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔

ع یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اس کے باوجود وہ روزی اپنے ہاتھ سے خود کما کر کھاتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط

"اور ہم نے اس کے واسطے لوہے کو (مثل موم) نرم کر دیا (اور یہ حکم دیا) کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو۔"

غرض حضرت داؤد علیہ السلام بڑے بڑے گارڈر اور زرہیں بغیر کسی ہتھیار کے اپنے ہاتھ سے ضرورت کے مطابق توڑ مروڑ لیتے تھے۔ باوجود سلطنت کے لوہاروں والا اعلیٰ قسم کا پیشہ تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے، درزیوں والا پیشہ اختیار کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ زراعت تھا، کاشتکاری کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی زیر نگرانی میں کشتی تیار کرائی تھی۔

غرض کسی قسم کا پیشہ اختیار کرنا کوئی معیوب نہیں۔ سلطان ناصر الدین اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بن کر فروخت کر کے اپنا گزارہ کرتا تھا۔ حضرت اورنگزیب عالمگیر قرآن حکیم کی کتابت کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے تاجر تھے۔ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ غرض حلال مال کے حاصل کرنے کے لیے جائز پیشہ اختیار کرنے کی احادیث میں بہت فضائل مذکور ہیں۔ چنانچہ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا' امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی ودارمی ودار قطنی)

ف: اس میں حلال تجارت کی فضیلت ہے۔

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔'' (بخاری) اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے۔ جیسا قرآن مجید میں آیا ہے اور اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوئی۔ البتہ حرام دستکاری گناہ کی چیز ہے جیسے جاندار کا فوٹو لینا یا تصویر بنانا' باجے بنانا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔'' (بخاری)

ف: قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے اور دینار ہمارے سکے سے قریب پونے تین روپے کا ہوتا ہے تو قیراط دو پائی کم دو آنے کا ہوا۔ غالباً ہر بکری کی چرائی اتنی ٹھہر جاتی ہوگی اور اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں کئی شخصوں کا کام کیا جائے۔ (بشرطیکہ دین کی ذلت نہ ہو جیسے مسلمان کسی کافر کی بہت ذلیل خدمت کرے)

حضرت عتبہ بن الندر رضی اللہ تعالیٰ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لیے نوکر رکھ دیا تھا۔ (حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے پر)'' (احمد وابن ماجہ)

ف: یہ قصہ قرآن مجید میں بھی ہے اسی لیے ایسی نوکری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں ایک ہی شخص کا کام کیا جائے۔

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا کہ اس کا کچھ حرج نہیں۔'' (مسلم)

ف: اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگادے یا کچھ کھیتی کرے، پھر اس سے پھر آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مویشی کھاوے مگر اس شخص کے لیے وہ (بجائے) خیرات ہوتا ہے۔(یعنی خیرات کا ثواب ملتا ہے)'' (بخاری ومسلم)

ف: اس سے کھیتی کرنے کی اور اسی طرح درخت یا باغ لگانے کی کیسی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی آمدنی کا ایک پسندیدہ ذریعہ ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (ایک لمبی حدیث میں) کہ ''ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور ایک کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔ پھر فرمایا: یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام (قیامت کے دن)'تمہارے چہرے پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو۔'' (ابوداؤد وابن ماجہ)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو'اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے۔اگرچہ شان ہی بنا کر مانگا جائے جیسے بہت لوگوں نے چندہ مانگنے کا پیشہ کرلیا ہے۔جس سے اپنی ذات اور دوسرے پر گرانی ہوتی ہے۔

اسی طرح اکثر لوگوں نے محض کاہلی اور سستی کی بناء پر گداگری کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے کہ اس میں محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور تھوڑے سے وقت میں معقول رقم ہاتھ آجاتی ہے۔اسی بناء پر ہٹے کٹے ضخیم شحیم گداگر مساجد کے دروازوں میں کھڑے ہو کر بھیک مانگتے ہیں۔یہاں تک کہ مساجد میں گھس کر بعد جماعت نمازیوں سے اپیل کرتے ہیں۔ایسے غیر مستحق گداگروں کو بھیک دینا بھی منع ہے تاکہ کام چوری اور حرام خوری کی عادت ان لوگوں کو نہ پڑے اور یہ لوگ قیامت کی ذلت و رسوائی سے بچ سکیں۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے فاقہ میں مبتلا ہوئے بغیر یا ناقابل برداشت عیال داری کے بغیر اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھول لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر وفاقہ اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس فقر وتنگ دستی کے حالات کچھ اس طرح بنتے ہیں کہ اس شخص کو کچھ اندازہ اور وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے اور

اسے (اچانک) نہ فاقہ پیش آیا اور نہ ایسا عیالدار ہے کہ اپنے بال بچوں کا سنبھالنا اس کے بس سے باہر ہو تو یہ شخص قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔

اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بھیک مانگنے والے آدمی کو بھیک کی بری عادت لگی رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

اس لیے گداگری کی بجائے حلال پیشہ اختیار کیا جائے اور محنت و مشقت کی عادت ڈالی جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''جو شخص حلال رزق کمانے میں تھک کر شام کرے وہ اس حال میں رات گزارے گا کہ اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس حال میں صبح کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے۔''

معلوم ہوا کہ محنت مزدوری کرنا حلال رزق کی خاطر کوئی معیوب نہیں بلکہ رزق حلال کی خاطر کسی قسم کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں یا جائز ملازمت اختیار کر کے روزی کمانا بھی عبادت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

تیسرا خطبہ

حقوق عامہ وخاصہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات

''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اور نہ کرو قتل تم اولاد کو تنگ دستی سے ڈر کر (جیسا کہ کفار کرتے تھے) ونیز ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے لیے بھی حقوق ہیں جیسا کہ ان پر مردوں کے حقوق ہیں ونیز ارشاد فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور (دوسرے) اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غربا کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہگیر کے ساتھ بھی اور ان (غلام لونڈیوں) کے ساتھ بھی (جو شرعاً) تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔''

حدیث ا۔''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کے لیے مؤمن کے ذمہ چھ حق ہیں جب وہ مریض ہو تو اس کی عیادت (بیمار پرسی) کرے اور جب انتقال ہو جاوے تو اس کے (جنازہ) پر حاضر ہووے اور جب دعوت کرے تو قبول کر لے۔(بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر عذر ہو تو قبول نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی شرعی عذر ہو تو قبول کرنا جائز بھی نہیں ہے اور قبول دعوت کا حکم عام ہے' خواہ کھانے کے لیے دعوت ہو یا کسی اور ضرورت کے لیے ہر دعوت کو قبول کرنا حق مسلم ہے) اور جب وہ ملے تو سلام کرے اور جب چھینکے (اور الحمد للہ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے اور وہ غائب ہو یا حاضر ہو (ہر حال میں) اس کی خیر خواہی کرے۔'' (نسائی)

حدیث ۲۔''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔'' (متفق علیہ)

حدیث ۳۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب مؤمن ایک آدمی کی مانند ہیں کہ اگر آدمی کی آنکھ میں تکلیف ہو تو کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے اور اگر سر میں تکلیف

ہوتو تب بھی کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے۔'' (مسلم) اسی طرح اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہوتو سب مسلمانوں کو تکلیف ہونا چاہیے۔

حدیث ۴-''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب باتوں سے زیادہ جھوٹی ہے (یعنی بدگمانی کی بات اکثر جھوٹی نکلتی ہے) اور نہ خود عیب تلاش کرو نہ کسی سے کسی کے عیب کی جستجو کیا کرو (لیکن اگر حاکم وغیرہ قوی قرینہ کی بناء پر تحقیق واقعہ کریں تو تجسس ممنوع نہیں ہے) اور دھوکہ دینے کو (نیلام میں) قیمت نہ بڑھاؤ اور آپس میں حسد نہ کرو اور نہ آپس میں کینہ رکھو اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور اللہ کے بندے سے بھائی (ہوکر) رہو۔'' (متفق علیہ)

آیت مبارکہ:''فرمایا حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔بے شک آپ خلق عظیم پر ہیں۔''

اضافہ:''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا تعجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام برا بھی لگتا ہے اور جو (ان حرکتوں سے باز نہ آویں گے تو) وہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کے عیب کا سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔''

بزرگان محترم! آج خطبہ میں جو آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ پڑھی ہیں اور ان کا ترجمہ پیش کیا ہے اس کا موضوع حقوق عامہ و خاصہ ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند اور احادیث مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم سن لیجئے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری و مسلم)

☆ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمہ رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو، ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے

اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا (کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے)۔(بخاری)

☆ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔(بخاری ومسلم)

☆ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل آتا یا صاحب حاجت آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صحابہؓ سے) فرماتے کہ تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دے دے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہو گا مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو۔جیسا یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا۔(بخاری ومسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کر' خواہ وہ ظالم ہو خواہ وہ مظلوم ہو۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کر دوں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے' یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔(بخاری ومسلم)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔(بخاری ومسلم)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا: آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں) مسلمان کی ساری

چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز اور نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا' مثلاً اس کا عیب کھولنا' اس کی غیبت کرنا وغیرہ)۔(مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(بخاری و مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے)۔(مسلم)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور بُرے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے' مگر نرمی اور تہذیب سے)۔(ترمذی)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ وہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔(شرح السنہ)

☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے' پھر اس کو چھپالے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے) وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ در گور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔(احمد و ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔پس اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی

بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ دھبہ چہرے کا اس طرح صاف کردیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کردیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔اسی طرح اس شخص کو چاہیے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت نہ کرے)۔(ترمذی)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو اُن کے مرتبے پر رکھو۔(یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو' سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو)۔(ابوداوٗد)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' فرماتے تھے وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھرلے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔(بیہقی)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن الفت (اور لگاؤ) کا محل اور خانہ ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود اُلفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے۔(یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے' کسی سے میل ہی نہ ہو باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلق نہ رکھنا یا کم رکھنا وہ اس سے مستثنیٰ ہے)۔(احمد وبیہقی)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اُمت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔(بیہقی)

☆ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال کی امداد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر ۷۳ مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے کافی ہے اور بہتر ۷۲ مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات ہوجاویں گے۔(بیہقی)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے اور تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے تو نے جنت میں اپنا مقام بنالیا ہے۔(ترمذی)

☆ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کردے' اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ اِدھر کو منہ پھیر لے اور وہ اُدھر کو منہ پھیر لے اور اِن دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے۔ (بخاری ومسلم)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی مخفی حالت کی کرید مت کرو' نہ اچھی حالت کی نہ بری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی ہو کر رہو اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری ومسلم)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں (اس وقت ان ہی چھ کے ذکر کا موقع تھا)

عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- جب اس سے ملنا ہو اس کو سلام کر

۲- اور جب وہ تجھ کو بلاوے تو قبول کر

۳- اور جب وہ تجھ سے خیرخواہی چاہے اس کی خیرخواہی کر

۴- اور جب چھینک لے اور الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہہ

۵- اور جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کر

۶- اور جب مر جاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جا (مسلم)

☆ حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی دنیوی یا دینی بری) حالت پر خوشی مت ظاہر کر' کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادے اور تجھ کو مبتلا کردے۔ (ترمذی)

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندگانِ خدا میں سے سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں۔ الخ (احمد وبیہقی)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خواہ مخواہ) بحث کیا کر! اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو نہ پورا کرے۔ (ترمذی)

ف: البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے۔ چنانچہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت وعدہ پورا کرنے کی نیت تھی مگر وعدہ پورا نہیں کر سکا اور اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آسکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہو گیا) تو اس پر گناہ نہ ہوگا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

☆ عیاض مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

☆ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

کرو مہربانی تم اہل زمین پر   خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

☆ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے اس کے ساتھ فریب کرے۔ (ترمذی) (یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

یہ تو عام مسلمانوں کے کثیر الوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں۔ سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ (آمین)

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو ادائیگی حقوق العباد کا خصوصی اہتمام رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

چوتھا خطبہ

دھوکہ کھانے کی برائی

حکیم الامت مجددالملت تھانوی رحمہ اللہ

غرور کے معنی ہیں دھوکہ کھانے کے یعنی خواہش نفسانی کے موافق جو بات ہوتی ہے انسان اس کوخواہ مخواہ کسی بے بنیاددلیل کی وجہ سے یا محض شیطانی فریب سے صحیح سمجھ بیٹھتا ہےاوراس قسم کی غلطی بعض مرتبہ کفرتک پہنچادیتی ہے بعض مرتبہ بدعت تک کبھی علماً ہوتی ہے کبھی عملاً کبھی ظاہری ہوتی ہے کبھی باطنی کبھی مالی کبھی بدنی۔خداتعالیٰ سب کے اپنی حفاظت میں رکھے۔

آیات طیبات: حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشادفرمایا کہ دھوکے میں نہ ڈالے تم کودنیوی زندگی اور نہ دھوکے باز (یعنی شیطان) تم کواللہ سے دھوکے میں ڈالے، ونیز ارشادفرمایا ہے کہ لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسار کھا تھااورتم منتظر رہا کرتے تھےاور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک رکھتے تھے اورتم کوتمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔یہاں تک کہ تم پرخدا کاحکم آپہنچااورتم کودھوکہ دیا غرور نے (یعنی شیطان نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا) ونیز ارشادفرمایا ہے کہ ان (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ (بھی) جوکتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلاسند) دل خوش کن باتیں (بہت یادہیں) اوروہ لوگ اور کچھ نہیں۔(ویسے ہی بے بنیاد) خیالات پکالیتے ہیں۔

حدیث ۱: اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ عقلمند وہ شخص ہے جواپنے نفس کومطیع کرےاورآخرت کے لئے عمل کرےاورنادان وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کوخواہش نفسانی کے پیچھے لگایا۔اور (پھربھی) اللہ سے (بدون توبہ کے) امید مغفرت کرتا رہا۔(ترمذی،ابن ماجہ)

حدیث ۲: ونیز ارشادفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اس کی خواہش اس (دین) کی تابعدار نہ ہوجائے جومیں لایا ہوں۔(شرح السنہ)

حدیث ۳: نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے بےشک میری امت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں خواہش اس طرح سرایت کردی جاویں گی جس طرح کہ باؤلے

کتے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا جس میں وہ داخل نہ ہوئی ہو۔ (احمد ابوداؤد)

حدیث ۴: و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کہا (یعنی محض اپنی رائے سے تفسیر کی) پس چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (ترمذی)

حدیث ۵: نیز ارشاد فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب کاموں سے برا کام بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم)

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے، سو (ایسا نہیں ہے کیونکہ کہ ہر تمنا) خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ آخرت (کی بھی) اور دنیا (کی بھی)۔

اضافہ: و نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اخیر زمانہ میں ایسے آدمی ہوں گے جو دین کے ذریعہ دھوکہ دے کر دنیا حاصل کریں گے (لوگوں کو دکھانے) کے واسطے بھیڑ کی کھال پہنیں گے، نرمی (تواضع) ظاہر کرنے کی غرض سے ان کی زبان شکر سے زیادہ میٹھی ہوگی۔ حالانکہ کہ ان کے دل بھیڑیوں کے دل جیسے (سخت) ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا وہ لوگ میری وجہ سے (یعنی میرے ڈھیل دینے کی وجہ سے) دھوکہ کھا رہے ہیں۔ یا مجھ پر دلیری کرتے ہیں پس اپنی قسم کھائی ہے کہ ضرور ان پر انہیں میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا جو بڑے عقل مند آدمی کو بھی حیران کر دے (کہ باوجود عقل کے کوئی تدبیر نہ ہو سکے) (ترمذی)

بزرگو، دوستو، عزیزو، بھائیو! آج خطبہ جمعہ کا عنوان ہے "غرور کی مذمت" خطبہ اور اس کے ترجمہ میں جو آیت مبارکہ اور اس کا ترجمہ آپ نے سنا اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم کو دنیوی زندگی دھوکہ میں ڈال نہ دے یعنی دنیا کی زیب و زینت، دلکشی، رعنائی اور زیبائی انسان کو دھوکہ میں ڈال دیتی ہے اور انسان آخرت کو بھول جاتا ہے اسی طرح شیطان انسان کو دھوکہ میں ڈال کر گمراہ کر دیتا ہے اور یہی باور کراتا ہے کہ جو کچھ ہے سب دنیا ہے اور اسی میں محو ہو کر انسان آخرت کو بھول جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی زندگی عارضی اور فانی ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور آخر کار بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر پوری زندگی کا جن وانس نے حساب و کتاب دینا ہے۔

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور　　جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
عمر یہ اک دن گزرنی ہے ضرور　　لحد میں میت گزرنی ہے ضرور
اک دن مرنا ہے آخر موت ہے　　کرلے جو کرنا ہے آخرت موت ہے

ارشاد خداوندی ہے: **اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون.**

حق تعالیٰ شکایت فرماتے ہیں۔ ان کا حساب کا قریب آنے لگا اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے حساب سر پر، انہیں پتہ نہیں، وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔

کسی اخبار کو صبح اپنے ہاتھ میں لو، اور اس پر ایک نظر دوڑاؤ تو پتہ چل جاتا ہے کہ کتنوں کا حساب آج آ گیا ہے...... جو مر گیا اس کا حساب آ گیا۔ تو موت کوئی دور کی چیز تو رہی نہیں۔

ایک دن میں لاکھوں، ایک اخبار میں سینکڑوں، کئی لاشیں روز نظر آتی ہیں۔ جن کا حساب روز بروز آ جاتا ہے۔ کسی صاحب نے فرمایا:

عمر عزیز لائق سوز و گداز نیست　　ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عمر عزیز جلانے کے، ضائع کرنے کے لائق نہیں ہے اس زندگی رشتہ کو رشتہ تاگے کو کہتے ہیں...... زندگی کے اس تاگے کو جلاؤ نہیں اس لئے کہ زیادہ لمبا نہیں جلدی جل جائے گا۔ پھر ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! خدا کے عذاب سے ڈرتے رہو اس دن سے پہلے جس دن نہ کوئی والد اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے والد کے کام آئے گا، کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوگا...... ہر شخص اپنا ہی حال لے کر کھڑا ہوگا کہ...... لاؤ کیا لائے ہو؟ بس وہی کچھ ہوگا اور کچھ نہیں، نہ باپ نہ بیٹا، کچھ نہیں نہ بیوی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اے لوگو! تم خود نفس سے حساب لے لو بیشتر اس کے اس کا حساب لے لیا جائے۔ اور تیاری کرلو خدا کے سامنے بڑی پیشی کے دن کی، خدا کے سامنے ایک بڑی پیشی کا دن آئے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو! اس کی تیاری کرلو، اور وہ دن کونسا ہوگا؟ جب کسی کی کوئی بات چھپ نہ سکے گی، سب ظاہر ہوگی۔ جب ساری برائیاں ظاہر ہوں گی اور ذلت کے سامان سامنے نظر آئیں گے۔ تو اے عزت والو! اس وقت کی عزت کا بھی خیال کرلو۔ کیا ہوگا؟

کسی صاحب نے کہا:

کل پاؤں اک کاسہ سر پر جو جا پڑا ہر چند وہ استخوان شکستہ سے چور تھا

ایک سر تھا، ٹوٹا، پاؤں اس پر آ گیا، یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا۔ اس کی ہڈیاں ٹوٹ رہی تھیں جب اس کے پاؤں کو دیکھا تو بولا کہنے لگا۔

دیکھ کے چل راہ اے بے خبر کبھی میں بھی کسی کا سر پر غرور تھا

اے احمق! ذرا سوچ کر تو چل، یہ غرور جو آج تیرے سر میں سمایا ہوا ہے، یہ اس سر میں بھی تھا، اب وہ جاتا رہا، اور یہ غرور جو میرا جاتا رہا اے پاؤں ڈالنے والے یہ غرور تمہارا بھی جاتا رہے گا۔ تو خوب سمجھ لو! اس دھوکے کی دنیا سے کیا فائدہ کیا......

کسی اور شخص نے کہا: کل ہوس اس طرح ترغیب دیتی تھی مجھے

کل ہوس۔ نفسانی خواہش...... اس طرح مجھے مزے کی ترغیبیں دیتی تھی۔ کیا؟

کیا خوب ملک روس ہے اور قلمروئے طوس ہے گر میسر ہو گیا عشرت سے کیجئے زندگی

اگر ہو سکے تو لے لو مزے گر میسر ہو گیا عشرت سے کیجئے زندگی

ہو سکے تو لوٹ لو مزے۔ اس طرح آواز طبل ادھر عہدائے کوس ہے۔

ادھر ڈھول بج رہا ہے ادھر کوس بج رہا ہے، مزے کی آوازیں ہوتی ہیں۔ لوٹ لو لذتیں، بڑے مزلے کی لذتیں ہیں، ان کو لوٹ لو۔

صبح تا شام چلتا ہے مئے گلگوں کا دور

بڑی نفیس شراب کا دور صبح سے شام تک چلتا ہے اپنے پیالے بھرے ہوئے ہیں جام آتے ہیں، پیتے ہیں، لوگ مزے لوٹتے ہیں، تو نفس کہتا ہے...... ذرا کے بندے تو بھی لوٹ لے۔

اور شب ہوئی تو مساؤوں سے کنار و بوس ہے

اور جب رات آئی تو چاند جیسی سوہنیوں سے بغلگیر ہونا ہے اور ان کے بوسے لینے ہیں، کیسے مزے ہیں، لوٹ لو، سنتے ہی غیرت یہ بولی ایک تماشہ میں تجھے عبرت یہ جو سنا تو کہنے لگی کہ سب بات ٹھیک ہے مگر باری میری سن جاؤ۔

چل دکاؤں تو جو قید آزا کا محبوس ہے

تو بڑی بڑی امیدیں رکھے ہوئے ہے، ذرا آ تو سہی، میں بھی تجھے اک خیر دکھاؤں۔

لے گئی یکبارگی گر غریباں کی طرف جس جگہ سو طرح مایوس ہے

عبرت کی طرف لے گئی جس طرف جان تمنا کیسی؟ شہر خموشاں، گزر جاؤ سارے قبرستان

میں سے کوئی چڑیا بولی لے تو بول لے، وہ آدمی جو چڑیا کو ذبح کردیا کرتا تھا۔ آج نہیں آسکتا۔

مرقدیں دو چار دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

دو چار قبریں مجھ کو دکھلا کر کہنے لگی دیکھوں یہ سکندر کی قبر ہے۔ یہ دارا کی قبر ہے۔ یہ بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں......... یہ کیکاؤس ہے یہ کیکاؤس کی قبر ہے۔

پوچھ تو ان سے کہ جاہ حشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

ذرا پوچھو تو سہی کہ دنیا کی جاہ حشمت، جس کو لیے پھرتے تھے۔ اس میں سے سوائے حسرت اور یاس کے اور بھی کوئی چیز آج ان کے پاس نہیں ہے؟ ذرا پوچھ تو لے۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

تو نے منصب بھی اگر پایا تو کیا
کوئی بڑا رتبہ پا لیا تو کیا کیا

گنج سیم ذرا بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصر عالیشان بھی بنوایا تو کیا

بھاری محل بنوالیا

دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا
اک دن مرنا ہے آخرت موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخرت موت ہے
جھ کو غافل، فکر عقبیٰ کچھ نہیں

کھا نہ دھوکہ، عیش دنیا کچھ بھی نہیں
زندگی یہ چند روزہ کچھ نہیں

کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں
ہے یہاں سے تجھ کو جانا، ایک دن

اب ذرا غور کریں، ہم بیٹھے باتیں بنارہے ہیں، کتنے حسین چہرے ہمارے سامنے سے گزرے، ان کی آنکھیں کیسی حسین تھیں، ان کے بال کیسے حسین تھے، ان کے چہرے، ان کے دانت کیسے حسین تھے ایک نظر سے آدمی تڑپتا تھا، آج ان کا جہاں میں کوئی نشان نہیں، آج کوئی اس کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہوگا ٹھکانہ ایک دن

اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور
جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

کرلو فکر! جیسے کرو گے وہ مل جائے گا
ضرور ملے گا، اللہ کا وعدہ ہے، ضرور ملے گا

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
زندگی اک دن گزرنی ہے ضرور

قبر میں میت اترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخرت موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخرموت ہے

سولوگو! اوروں سے مناظرہ اور لڑائیوں کا کیا فائدہ؟ غیر لوگوں سے لڑائیاں جھگڑے اور فساد کرنے کا کیا فائدہ؟ خود ہی اپنے آپ پر سوال کرو کہ یہ جھگڑا کام آئے گا؟ کچھ نہ آئے گا۔

اپنے پہلو کے اندر بیٹھا ہوا ایک دشمن اس کو نفس کہہ لیجئے دوسرا شیطان کہہ لیجئے، یہ انسان کے اندر بیٹھا ہوا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کے چہروں سے مکھیاں اڑاتے پھرتے ہیں، لیکن ان مہلک سانپوں کو جو اس نفس کے اندر بھرے ہوئے ہیں کوئی خبر نہیں لیتا۔

قیامت کے دن سوال تو بھائی! یہی ہوگا کہ بتاؤ تم لائے کیا ہو؟ یہ ہرگز سوال نہیں ہوگا کہ کتنا بڑے تھے کتنوں کو مارا تھا۔ کتنوں کو تم نے گالیاں دی تھیں۔

خدا کے بندو! اپنے اپنے رستہ پر چلو، رستے کو کیوں ضائع کرتے ہو۔

لڑائیوں سے بھی کبھی رستے طے ہوتے ہیں، یہ رستے لڑائیوں سے طے نہیں ہوتے اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان ایک سچی چیز کو دیکھ لے، (پھر) اگر اس کی غلطی بھی ہوگی تو اللہ معاف کر دے گا۔ اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے۔

پھر رستہ پہ چلا جائے۔ اور پھر اس کی منزل سیدھے رستے کے سامنے ہے، جلدی نہیں، دیر سے سہی، منزل مقصود اس کو مل جائے گی، ورنہ نتیجہ کیا ہوگا؟ لڑتے رہو تو کیا رستہ طے ہو جائے گا؟

یہ کہتا ہے کہ یہ بریلوی ہے وہ کہتا ہے کہ یہ دیوبندی ہے، خدا کے بندے! اپنے اپنے کام پر لگے رہو، تمہیں کیا پتہ کسی کے دل کا حال کیا ہے؟ کون جانتا ہے؟ کون عالم الغیب ہے؟ کس کو پتہ ہے کہ کسی کے دل کا کیا حال ہے! خدا جانے اس کے دل کا کیا حال ہے۔ جس کو تم دوزخی اور جہنمی سمجھ رہے ہو اور برا کہہ رہے ہو۔ چھوڑو اس قصہ کو۔

یہ سوال تو تم سے ہوگا نہیں، سوال تو یہ ہوگا کہ تم کیا لائے ہو؟ تم نے رستہ قطع کیا کہ نہیں؟ تم اپنے رستے پر چلتے جاؤ، چاروں طرف سے تمہیں گالیاں پڑیں لڑائیاں ہو، جھگڑے ہوں، آنکھیں بند کرلو، اپنے رستے کے اوپر چلے جاؤ۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا (شنیدم میں نے سنا کہ مردان خدا)

دل دشمناں ہم نکردند تنگ (خدا کے آدمیوں نے دشمنوں کے دل کو بھی تنگ نہ کیا)

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

تمہیں یہ کیسے موقع ملے گا۔ کیسے مقام ملے گا کہ تم تو دوستوں سے لڑتے رہو، تو دوستوں سے لڑتا ہے، تو اپنی خبر کیوں نہیں لیتا۔

بھوک تو تمہیں لگ رہی ہے، کھانا تمہیں چاہئے، دوسروں کو کھیاں کیوں لڑاتے ہو؟ کوئی فائدہ نہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عابد جنگ خو

بہلول اچھی طبیعت والے نے کیسی سوہنی بات کہی جب کہ ایک عابد، عبادت کرنے والے لڑنے والے کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس نے کہا؟ وہ لڑ رہا تھا۔

گر ایں مدعی دوست بہ شناختے بہ پیکار دشمن نہ پر داختے

اگر یہ شخص اپنے حقیقی دوست اللہ کو پہنچانتا تو دشمن کے درپے نہ ہوتا اس سے لڑنے سے وقت تو ضائع ہو گیا، راستہ قطع کیسے ہو گا؟ اسے تو چاہئے تھا کہ وہ چلتا جائے۔

اسلام کے معنیٰ ہیں گردن نہادن بطاعت، طاعت میں گردن کو جھکا دینا۔ اور اس کے لغوی معنیٰ ہیں۔ ''سپردن'' اپنے آپ کو اسی کے یعنی اللہ کے سپرد کر دینا اور اپنے سر کو، گردن کو، ڈال دینا، یہ اس کے معنی ہیں، تو بھائی جو اسلام کہتا ہے وہ کر لو تمہارا حرج کیا ہے آخر تمہارا نقصان کیا ہوتا ہے۔ اور لڑنے سے تمہیں ملتا ہے کیا؟ یہ تو بتا دو! جب ملتا کچھ نہیں تو پھر تے لڑتے کیوں ہو؟ کیوں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہو؟ حقیقی محبوب کی طرف تم کیوں نہیں آتے۔

لا رامے داری دل در و بند (جو تو معشوق رکھتا ہے دل کو اس میں باندھ لے)

دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند (پھر اپنی آنکھیں تمام دنیا سے بند کر دے)

اب کیا ہوتا ہے، دوڑے پھرتے ہیں، کوئی کسی کی طرف کوئی کسی کی طرف خدا کے بندو! کسی کو اپنا رفیق بناؤ، اور رفیق سچا مل سکتا ہے، جھوٹے آدمی کے پاس بیٹھنے سے چند دن میں پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹا ہے۔ جس کٹورے میں گندہ پانی ہو وہی اس کے اندر سے نکلے گا، چند دنوں میں پتہ لگ جاتا ہے۔ دنیا کے لئے کیسی نعمتیں ہوتی ہیں، تو دین کے لئے چند آدمیوں کے پاس بیٹھ کر تم دیکھ تو لو۔ پھر کسی کو سچا جب تم سمجھ لو پھر اس کا دامن پکڑ لو، اور پھر ادھر ادھر دوڑو نہیں۔

تو غضب کی بات یہ ہے کہ ہمیں اتنا بھی تعلق حق تعالیٰ سے نہ ہو جتنا کہ مجنوں کو لیلیٰ سے تھا۔ مجنوں نے اپنے آپ کو فنا کر کے دکھا دیا۔

کسی نے مجنوں سے پوچھا، تمہارا نام نہیں لیلیٰ کے پاس۔ کہا نام! جہاں میرا محبوب ہو اور پھر وہاں میرا نام رہ جائے .... ایک کتے کے پاؤں چوم لئے پوچھا کیوں؟ کتے کے پاؤں کیسے چومے؟ کہا میں نے اس کو لیلیٰ کے دیار میں دیکھا تھا، اس کے پاس دیکھا تھا۔ اس کے پاس دیکھنا چھوٹی چیز ہے؟ اس کے پاؤں کو میں نے اس لئے چوما ہے۔

تو بات اصل میں یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں یہ کام مشکل ہے، وجہ اس کی اور کچھ نہیں۔ صرف یہ ہے کہ محبت نہیں محبت ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے، محبت نہ ہو تو ہر کام مشکل ہو جاتا ہے۔

ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ دوزخ کو دیکھا نہیں، ورنہ اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر پتہ پھٹ جاتا اور تم کوششیں کرتے اس کے عذاب سے بچنے کے لئے۔ اور جنت کو کسی نے دیکھا نہیں اگر دیکھ لیا ہوتا تو تم اس کی نعمتوں کی تمنائیں کرتے، کوشش کرتے کہ وہ چیزیں تم کو ملیں۔

ایک ایک پیسے کیلئے رالیں ٹپکاؤ اور جنت کی نعمتوں کیلئے کچھ نہ کرو یہ بھی آخر کوئی بات ہے؟

تو خوب سمجھ لو کل نفسٍ ذائقة الموت۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ثم الینا ترجعون۔ پھر تم سب نے ہماری طرف کو لوٹنا ہے۔

جب لوٹے، آ گئے ہمارے پاس، اب دو حساب پہلے تھے دار العمل میں، جو چاہتے کرتے، ذخیرے جمع کرتے، سکے جمع کرتے، اب وہ دار العمل ختم ہو گیا، اب اللہ تعالیٰ کے سامنے دار الحساب ہے۔ یہاں کوئی عمل نہیں کوئی نماز نہیں کوئی کچھ کہے جی! نماز پڑھ لینے دو میری بخشش ہو جائے گی روزے رکھ لینے دو کچھ نہیں اب دار الحساب ہے دار العمل گیا۔ اس کی فکر کرو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کا خیال کرو۔ موت کے برابر کوئی واعظ نہیں۔ اگر جانوروں کو موت کا اتنا پتہ ہوتا جتنا کہ انسان کو ہے تو کوئی فربہ جانور کھانے کو نہ ملتا۔

اور موت! یاد رکھو یہ بڑی خطرناک چیز ہے؟ نعمت بھی ہے اس لئے اگر نیک ہے پھر اللہ اور رسول سے ملنا ہے۔ آہا ہا اس سے بڑی نعمت کیا ہے؟

اور اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عذاب کے فرشتے ہیں وہ پوچھیں گے قبر کا عذاب ہے، یوم حساب ہے، یہ ساری چیزیں پیش آنے والی ہیں ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا۔ نعمتوں کی پوچھ ہوگی، کتنی نعمتیں کھائیں؟ کیا کچھ پیا تھا، کیا تم نے کیا؟ یہ سب کچھ پوچھا جائے گا۔

یاد رکھو! جب یہ پوچھا جاتا ہے تو اس کے جواب کی تیاری کرو۔

یہ بڑا خطرناک خوف ہے، موت کے بعد آنے والے حالات اور زیادہ خطرناک ہیں۔ حساب و کتاب، عذاب اور سوال خدا نہ کرے کسی پر کوئی عذاب آئے، اللہ ہر مسلمان کو بچائے اور کیسا دنیا دار ہو۔ اے اللہ بچا لے۔ تیرے عذاب کا تحمل کس کو ہے؟

پانچواں خطبہ

مراقبہ ومحاسبہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

یہ تو ظاہر ہے کہ بدونِ دوام ومواظبت اور پابندی کے کوئی عمل معتد بہ نہیں ہے اس پابندی کا نام اصطلاح تصوف میں مرابطہ ہے اور علماء نے بھی مرابطہ کو اس معنی میں لیا ہے۔ چنانچہ بیضاوی نے ورابطوا کی تفسیر واظبوا سے کی ہے اور اس دوام و پابندی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ نفس کو اول متنبہ کر دیا جاوے کہ کام کرنا پڑے گا اور فلاں فلاں کام سے پرہیز کرنا ہوگا۔ اس تنبیہ کو مشارطہ (یعنی شرط وقرارداد) کہتے ہیں اور اس کی نگہبانی کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کا نام مراقبہ ہے فقط گردن جھکانا مراقبہ نہیں ہے بلکہ نفس کو گناہوں سے بچاوے اور نیک اعمال پر پابندی کرے اور اس کا ہر وقت خیال رکھے۔ یہ نگہداشت اصل مراقبہ ہے۔ پھر کسی وقت خاص میں اس کا حساب لینا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ اس نے شرط وقرارداد کو پورا کر دیا ہے یا نہیں اس کو محاسبہ کہتے ہیں پھر محاسبہ سے اگر معلوم ہو کہ نفس نے شرط کو پورا نہیں کیا ہے۔ تو اس کا کسی مشقت میں ڈال کر علاج بھی کیا جاوے اس کو معاقبہ کہتے ہیں اور گزشتہ کی تلافی کے واسطے کوئی ایسا نیک عمل بھی کیا جاوے جو نفس کو گراں ہو اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ (وقتی علاج بطور سزا و جرمانہ تو معاقبہ ہے اور دائمی وظیفہ تلافی مافات کے واسطے مقرر کرنا مجاہدہ ہے) پھر اس نفس کو اس کوتاہی پر دھمکا دیں اور ملامت کریں اور تلافی مافات پر برانگیختہ کریں اس کا نام معاقبہ ہے یہ سب چھ چیزیں ہیں حاصل ان کا یہ ہے کہ نفس کو کسی وقت آزادانہ چھوڑیں ورنہ سرکش ہو جاتا ہے۔

اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ آنکھوں کی چوری سے واقف ہے اور اس سے بھی واقف ہے جس کو سینے میں چھپاتے ہیں و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس حاضر ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش نفسانی سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہے اور حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔

حدیث ۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے تھے، پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھہرو (ایسا نہ کرو) اللہ تمہاری مغفرت کریگا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو ہلاکتوں میں ڈالا ہے۔ (مالک)

حدیث ۲: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (دراصل) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اتباع خداوندی کے بارے میں جہاد کرے۔ (بیہقی)

ف: یعنی جس طرح کفار سے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جہاد کیا جاتا ہے اسی طرح نفس سے بھی جہاد کرنا چاہیے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے اور یہ جہاد مقام اور افضل ہے جہاد معروف ہے۔

حدیث ۳: اور حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا ہے کہ تم خود (نفس سے) حساب لے لو اس سے قبل کہ تمہارا حساب لیا جاوے اور اس کو جانچ لو اس سے پیشتر کہ تمہاری جانچ کی جائے اور تیاری کرلو خدا کے سامنے بڑی پیشی کی جس دن تم پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات چھپ نہ سکے گی۔ (عین کنز العمال عن ابن المبارک وغیرہ)

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے مومنو اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر شخص (اس کی) دیکھ بھال کرتا رہے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے واسطے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔

اضافہ: (الف) حق تعالیٰ نے (حضرت داؤد علیہ السلام) سے ارشاد فرمایا ہے کہ خواہش کی پیروی (کبھی) نہ کرنا کہ وہ اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

(ب) و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ (اے مخاطب) کیا اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو خدا بنا رکھا ہے (کہ جو جی میں آتا ہے وہی کر گزرتا ہے)

(ج) و نیز ارشاد فرمایا ہے اے لوگو (خدا کے عذاب) سے بچتے رہو اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن نہ کوئی والد اپنے بچے کے کام آوے گا نہ کوئی بچہ اپنے والد کے کام آوے گا۔

حضرات سامعین! آج کا موضوع مراقبہ اور محاسبہ ہے جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ فکر آخرت پیدا ہوگی اور عاقبت بخیر ہوگی اور فکر آخرت ضروری ہے کیونکہ آخر کار سب نے وطن اصلی پہنچنا ہے جہاں سے اس دنیا میں آئے ہیں وہیں جانا ہے ۔

آخر کی فکر کرنی ہے ضرور جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

عمر یہ اک دن گزرنی ہے ضرور لحد میں میت اترنی ہے ضرور
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

فکر آخرت عصائے موسوی ہے جو دنیا کی تمام فکروں کو کھا جاتی ہے۔ اس لئے ان پر آج ہی سے عمل شروع کر دیں۔

مراقبہ

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

۱ — وكان الله على كل شئ رّقيبا. (الاحزاب آیت ۵۲)

"بے شک اللہ ہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔"

۲ — يآيها الذين امنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد، واتقوا الله، ان الله خبير بما تعملون. (الحشر آیت ۱۸)

"اے مؤمنو اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر شخص (اس کی) دیکھ بھال کرتا رہے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے واسطے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتا رہے۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔"

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

۱ — الاحسان ان تعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك. (رواه مسلم)

"احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی کرو گویا تم اسی کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

۲ — احفظ الله تجده تجاهك. (رواه احمد والترمذى)

"اللہ کا دھیان رکھو تم اسے اپنے مقابل پاؤ گے۔"

۳ — وعن اسلم ان عمرؓ دخل يوماً علىٰ ابى بكر الصديق وهو يحبذ لسانهٔ فقال عمر مه غفر الله لك فقال له ابوبكر ان هذا اورد نى الموارد. (رواه مالكؒ)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ اپنی

زبان کھینچ رہے تھے پس حضرت عمرؓ نے کہا ٹھہروایسا نہ کرو اللہ تمہاری مغفرت کرے گا اس پر انہوں نے فرمایا کہ اس نے تو مجھے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔"

ماہیت: دل سے دھیان رکھنا اس شخص کو جو اس کو دیکھ رہا ہے۔ (تعلیم الدین)

فقط گردن جھکانا مراقبہ نہیں بلکہ نفس کو گناہوں سے بچائے اور نیک اعمال پر پابندی کرے اور اس کا ہر وقت خیال رکھے۔ یہ نگہداشت اصل مراقبہ ہے۔ (خطبات الاحکام)

مراقبہ رویت

کیا اس کو فکر آخرت نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہیں اور کوئی بات کسی وقت ان سے پوشیدہ نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی عظمت و قدرت وجلال اور اس کے عذاب وعقوبت کو بھی یاد کرے، اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھنے لگے گا پھر کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف اس سے نہ ہوگا۔ (تعلیم الدین)

مراقبہ موت الحدیث

اکثر واالذکر هاذم اللذات الموت یعنی لذت کے مٹانے والی شئے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو آدمی تھوڑی دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مر کر قبر میں جانا ہے اور وہاں سانپ بچھو یا جنت کے باغات ہیں اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے پھر قبر سے اٹھنے اور واقعات قیامت کو یاد کرے اس سے جو خوف پیدا ہوتا ہے عین مطلوب ہے اور فکر آخرت ہے۔

اصلاح کا آسان نسخہ

منجملہ ارشادات عالیہ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو۔

"اے اللہ میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں، میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں میری اصلاح ہے۔ اے اللہ میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمایئے۔ میرا قلب ضعیف ہے گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں، آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامان

نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کیجئے، اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہوں انہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمایئے، گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا۔

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو، صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کرلیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو، بد پرہیزی بھی مت چھوڑو، صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کرلیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہوجائے گی، شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی، غرض غیب سے ایسا سامان ہوجائے گا کہ آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

محاسبہ

فرمایا اللہ جل شانہ نے:

۱ — یآیھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد ، واتقوا اللّٰہ ، ان اللّٰہ خبیرٌ بما تعملون. (الحشر آیت ۱۸)

"اے مومنو اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر شخص (اس کی) دیکھ بھال کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت) کے واسطے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک وہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔"

احادیث

۱ — عن اسلم ان عمر دخل یوماً علی ابی بکر الصدیق وھو یحبذ لسانہٗ فقال عمر مہ غفر اللّٰہ لک فقال لہ ابوبکر ان ھذا اورد نی الموارد. (رواہ مالکؒ)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے تو وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے تھے۔ پس حضرت عمرؓ نے کہا ٹھہرو ایسا نہ کرو، اللہ تمہاری مغفرت کرے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس نے تو مجھے ہلاکتوں میں ڈالا ہے۔"

۲ — وقال عمرؓ حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوا قبل ان توزنوا. (رواہ البیھقی)

"حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا کہ تم خود (نفس سے) حساب لے لو۔ اس سے قبل کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اس کو جانچ لو اور اس سے پیشتر کہ تمہاری جانچ کی جائے۔

حقیقت محاسبہ

تنہا بیٹھ کر دن بھر کے گناہوں کو یاد کر کے یہ سوچنا کہ گویا میدان حشر قائم ہے اور میں حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں اور ایک ایک گناہ پر باز پرس ہورہی ہے اور میں لاجواب ہو جاتا ہوں۔ اور میرے لئے سزا کا حکم ہو چکا ہے اور میں اس وقت معافی کی درخواست کررہا ہوں۔ پس ایسے وقت میں جس کیفیت سے معافی کی درخواست کی جاسکتی ہے اس طرح اس وقت استغفار میں مشغول ہو جانا چاہیے اور عہد کرنا چاہیے کہ میں پھر نافرمانی نہ کروں گا اور اسی خیال میں سو رہنا چاہیے۔ صبح اٹھتے ہی یاد کیا جائے کہ میں شب کو کیا عہد کر چکا ہوں اور جب کسی معصیت کا تقاضا ہو اس عہد کو یاد کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال کر لیا جائے تو انشاء اللہ روز بروز حالت درست ہو جائے گی۔ (ماہنامہ امداد)

محاسبہ کے وقت نفس سے یوں مخاطب ہونا اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے اس وقت یہ مال ودولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لئے اپنے انجام سے ڈر۔ یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کریگا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کرلوں۔ مگر اس وقت یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔

جمادی الاولیٰ کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	حادثات وواقعات	جمادی الاولیٰ	مطابق
۱	غزوہ بنی سلیم	۳ھ	اکتوبر ۶۲۴ء
۲	غزوہ ذات الرقاع	۴ھ	نومبر ۶۲۵ء
۳	غزوہ عیص	۶ھ	ستمبر اکتوبر ۶۲۷ء
۴	سریہ یا غزوہ موتہ	۸ھ	اگست ۶۲۹ء
۵	شہادت حضرت جعفر طیار بن ابی طالب	۸ھ	اگست ۶۲۹ء
۶	ولادت سیدنا ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۹ھ	ستمبر ۶۳۰ء
۷	قحطانی قبائل کا قبول اسلام	۹ھ	ستمبر ۶۳۰ء
۸	وفد بن الحارث کا قبول اسلام	۱۰ھ	اگست ۶۳۱ء
۹	وفات حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ	۳۵ھ	نومبر ۶۵۵ء
۱۰	وفات حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ	۴۱ھ	ستمبر ۶۶۱ء
۱۱	وفات ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ	۴۴ھ	جولائی ۶۶۴ء
۱۲	وفات حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ	۵۲ھ	مئی ۶۷۲ء
۱۳	وفات حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	۶۷ھ	نومبر ۶۸۶ء
۱۴	شہادت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	۷۳ھ	ستمبر ۶۹۲ء
۱۵	خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ	۸۷ھ	اپریل ۷۰۶ء
۱۶	وفات احمد بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ	۲۷۹ھ	جولائی ۸۹۲ء

۱۷	وفات امام دارمی صاحب مسند دارمی	۲۸۰ھ	جولائی ۸۹۳ء
۱۸	وفات امام ابوعوانہ صاحب مسند ابی عوانہ	۳۱۶ھ	جون ۹۲۸ء
۱۹	تخت نشینی سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ	۳۹۸ھ	اپریل ۹۹۹ء
۲۰	وفات شیخ سعدی شیرازی	۶۹۱ھ	اپریل ۱۲۹۱ء
۲۱	فتح قسطنطنیہ بدست سلطان محمد فاتح رحمہ اللہ	۸۵۷ھ	مئی ۱۴۵۳ء
۲۲	وفات علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	ستمبر ۱۵۰۵ء
۲۳	وفات مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی	۱۲۴۹ھ	ستمبر ۱۸۳۳ء
۲۴	وفات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ	۴/۱۲۹۷ھ	اپریل ۱۸۸۰ء
۲۵	وفات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۱۳۱۰ھ	نومبر ۱۸۹۲ء
۲۶	وفات فقیہ الامت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ	۱۳۲۳،۲۷ھ	۳۱، جولائی ۱۹۰۸ء
۲۷	وفات علامہ سید رشید رضا مصری	۱۳۵۴ھ	اگست ۱۹۳۵ء
۲۸	وفات شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ	۱۳۷۷،۱۳ھ	نومبر ۱۹۵۷ء
۲۹	وفات خطیب اسلام مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ	۱۴۰۰،۲۴ھ	۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء

(ماخوذ دینی دسترخوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام ودیگر تاریخی کتب ورسائل)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

جمادی الثانی

پہلا خطبہ

برے ہم نشین سے پرہیز............حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

دوسرا خطبہ

سفراور اس کے آداب..............حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

گانے سننے کی ممانعت.............حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر........حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

آداب معاشرت...................حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع جمادی الثانی کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

بُرے ہم نشین سے پرہیز

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض فتنوں کا ذکر کیا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ آپ (اس وقت کے لیے) ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بس تم اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ۔'' (عن جمع الفوائد عن ابی داؤد) یعنی باہر نہ نکلو کہ ان قصوں میں شریک ہونا پڑے۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر پہاڑ کی چوٹی اور بارش کے موقعہ کو تلاش کرتا پھرے گا' اپنے دین کو فتنوں سے بچا کر بھاگے گا۔'' (عین جمع الفوائد عن مالک والبخاری وابی داؤد والنسائی)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے بارے میں کہ پکڑے رہے تو مسلمانوں کی جماعت کو اور ان کے امام کو عرض کیا گیا۔ پس اگر نہ ہو ان کی جماعت سے کوئی امام۔ ارشاد فرمایا (تو ایسی حالت میں) ان کل فرقوں سے دور رہنا۔'' (عن جمع الفوائد عن الشیخین وابی داؤد)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلوت بہتر ہے بُرے ہم نشین سے اور نیک ہم نشین بہتر ہے خلوت (میں رہنے) سے۔'' (بیہقی)

ان سب روایات سے معلوم ہو گیا کہ نہ ہر حال میں خلوت بہتر ہے نہ جلوت بلکہ خلوت برے ہم نشینوں سے بچنے کے واسطے ہے اور جلوت اچھی صحبت کے لیے ہے اور فتنہ کے موقعہ پر ضعیف لوگوں کے لیے (یعنی جو کہ رفع فتنہ پر قادر نہ ہوں خلوت بہتر ہے جیسا کہ ابھی آنے والی آیت سے ثابت ہوتا ہے)

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ (موسیٰ نے کہا) اے میرے رب! نہیں مالک ہوں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا پس علیحدگی کر دیجئے ہم میں اور فاسق قوم میں۔''

اضافہ: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ سوال کیا گیا آپ سے اس

آیت کے بارے میں: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الآیہ" (یعنی اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں)۔ پس فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرو، یہاں تک کہ جب تم حرص کی پیروی اور خواہش کا اتباع اور دنیا کو ترجیح دینا اور ہر ایک رائے والے کا اپنی رائے کو پسند کرنا دیکھو تو پھر تجھ پر اپنی فکر لازم ہے اور اس وقت عوام کے کام کو اپنے (ذمہ) سے الگ کر۔" (عن جمع الفوائد عن ابوداؤد والترمذی)

ف: یعنی جب دیکھا جاوے کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلتا ہے اور خواہش نفسانی کو ترک نہیں کرتا اور حرص میں مبتلا ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاف ہے۔

معزز سامعین! آج خطبہ کا موضوع ہے بری صحبت سے خلوت بہتر ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلُهٗ" یعنی ہر شخص اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ یہ دیکھ لے کہ کس شخص کو دوست بناتا ہے اور دوران خطبہ بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت بیان ہوئی کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلوت بہتر ہے برے ہم نشین سے اور نیک ہم نشین بہتر ہے خلوت سے کیونکہ بری صحبت کا اثر ضرور انسان کے اخلاق واعمال پر پڑتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند ۔۔۔ صحبت طالح ترا طالح کند

یعنی نیک صحبت تجھے نیک بنادے گی اور بروں کی صحبت تجھے برا بنادے گی کیونکہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ بے داغ اور عمدہ خربوزے کو سڑے ہوئے خربوزوں کی ٹوکری میں رکھا جائے تو وہ بھی سڑ جاتا ہے۔ اس لیے بالکل صحیح ہے:

تا توانی دور شو از یار بد ۔۔۔ یار بد بدتر بود از مارِ بد

مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند ۔۔۔ یار بد بر جان و بر ایمان زند

(جہاں تک ممکن ہو بروں کی صحبت سے دور رہو۔ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے۔ زہریلا سانپ تو جان ہی کو مارتا ہے مگر برا دوست ایمان اور جان دونوں کو ختم کر دیتا ہے)۔

اسی بناء پر بقول حضرت شیخ سعدی مرحوم

پسر نوح بابداں بہ نشست ۔۔۔ خاندان نبوتش گم شد

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی اور خاندان نبوت سے منقطع ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لایا اور طوفان نوح (علیہ السلام) میں غرق

ہو گیا۔ قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کو اس کے بارے میں اطلاع دی گئی جبکہ انہوں نے کنعان کے طوفان میں غرق ہو جانے کے بعد استدعا کی تھی:

"یٰنُوحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے نوح (علیہ السلام)! یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں یہ تباہ کار ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برے ہم نشین کی مثال یوں ارشاد فرمائی:

"برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی اگر تجھے اپنی چنگاری سے نہ جلائے تو اس کی بدبو تیرے کپڑوں میں ضرور بس جائے گی اور اچھے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک فروش کہ اگر تجھے مشک نہ دے لیکن اس کی خوشبو تیرے کپڑوں میں بس جائے گی۔"

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا لوگ دراصل بری صحبت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، عیسائیوں سے دوستی ہے، ہندوؤں سے دوستی ہے، آریوں سے دوستی ہے اور ان سے مذہبی چھیڑ چھاڑ بھی رکھتے ہیں اور علم کچھ ہے نہیں۔ (حسن العزیز ج ۴ ص ۲۴۶، ۲۴۷)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو اور نہ یکجائی کرو (یعنی ان کی مجلس میں مت بیٹھو) جو شخص ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے گا اور یکجائی کرے گا وہ انہی میں سے ہے۔"

جسمانی و ظاہری امراض کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا عَدْوٰی" یعنی مرض کا تعدیہ نہیں۔ کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی کہ جس طرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو مستقل اپنے تصرف سے مریض بناتے ہیں۔ مثلاً طاعون کا مرض کسی کو اُڑ کر نہیں لگ سکتا مگر باطنی طاعون یعنی بددینی وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدویٰ یعنی لگ جاتا ہے۔ یعنی بری صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً بددین کی صحبت کا اول اثر یہ ہوتا ہے کہ منکر پر تغیر نہیں ہوتا یعنی گناہ دیکھ کر خفگی نہیں ہوتی اور یہ نا ممکن ہے کہ بددین کی صحبت کا اثر نہ ہو بلکہ ایک لمحہ ہی کے بددین کی صحبت سالہا سال کے مجاہدہ کو غارت کر دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنے مواعظ حسنہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر جو رشوت نہیں لیتے تھے ان کی بیوی اور ایک سپاہی کی بیوی کسی شادی کی تقریب میں جمع ہوئیں۔

پولیس سپاہی کی بیوی تو زیورات میں لدی ہوئی تھی لباس بھی نہایت اعلیٰ نفیس قسم کا تھا اس کے مقابلہ میں پولیس آفیسر کی بیوی کا معمولی لباس اور برائے نام زیور تھا باہم جب تعارف ہوا تو چند منٹوں کی صحبت اثر کر گئی اور پولیس آفیسر کی بیوی اپنے شوہر کو رشوت لینے پر مجبور کرنے پر تل گئی اور کہنے لگی کہ مقام افسوس میرے پاس ایک معمولی سپاہی کی بیوی کے برابر بھی زیور نہیں۔

مقام افسوس ہے کہ آج کل لوگ نہ بری صحبت سے خود بچتے ہیں نہ اپنے بچوں کو بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد کو بد دینوں سے پڑھواتے ہیں جن سے ان کی اولاد کے عقائد فاسد اور اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ معاشرہ کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے جس طرح تعطیلات میں اپنے بچوں کو سیر و تفریح کے لیے صحت افزا مقام پر بھیجتے ہیں۔ اسی طرح اپنی اولاد کو صحبت صالحین کے لیے بزرگوں کے پاس چند روز بھیجنا چاہیے اور اس کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے جب تک یہ میسر نہ ہو بری صحبت سے بچانے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے اور خلوت میں عام فہم دینی و اصلاحی کتب علماء و صلحاء سے انتخاب کرا کر باضابطہ ان کے مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مواعظ حسنہ کا مطالعہ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی میں نیک صحبت کے آثار نصیب ہو جاتے ہیں۔

آج کل عام فہم تسہیل شدہ مواعظ مل جاتے ہیں۔ خلوت میں ان کے مطالعہ کے ساتھ تھوڑی دیر کچھ ذکر اللہ کر لیا کریں تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے:

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است   صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

(اور جب شیخ کامل کی صحبت میسر ہو جائے تو اس سے خوب نفع اُٹھائیں)

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

دوسرا خطبہ

سفر اور اس کے آداب

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اس کو (راستے ہی میں) موت آ جاوے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو چکا جو اس نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ کر لیا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ و نیز ارشاد فرمایا: پس تم میں سے جو شخص (ماہ رمضان میں) مریض ہو یا سفر میں ہو تو (بجائے ایام رمضان کے) دوسرے دنوں کا شمار (کرنا قضا رکھنے کے لیے اُس کے ذمہ) ہے۔ و نیز ارشاد فرمایا کہ اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجاء سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔''

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ جو شخص کوئی راستہ چلے علم کی تلاش میں اس کے لیے جنت کی طرف سے راستہ آسان کر دوں گا۔'' (بیہقی)

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اپنے بھائی سے ملنے کے لیے دوسری بستی میں گیا۔ پس حق تعالیٰ نے اس کی گزرگاہ پر اس کے واسطے ایک فرشتے کو منتظر بٹھا دیا اس نے (یعنی جب وہ وہاں پہنچا تو فرشتے نے) کہا تو کہاں کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس نے کہا میں اُس بستی میں اپنے بھائی (سے ملنے) کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرشتے نے دریافت کیا کہ آیا تیرا اُس پر کوئی احسان ہے کہ جس کو تو بڑھاتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ مگر یہ کہ میں اس کو اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔ فرشتے نے کہا پس میں تیری طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔ یہ خوش خبری دے کر بیشک اللہ تجھ کو دوست رکھتا ہے جیسا کہ تو اُس شخص کو اللہ کے لیے دوست رکھتا ہے۔'' (مسلم)

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر عذاب کا ٹکڑا ہے روکتا ہے سونے سے اور کھانے سے اور پینے سے۔ پس جب پوری کر چکے مسافر اپنی حاجت کو تو اس

کو چاہیے کہ جلدی آ جاوے اپنے اہل وعیال کی طرف۔" (متفق علیہ)

آیت مبارکہ: "ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے اور مت ہو تم ان لوگوں کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے واسطے اور روکتے ہیں۔ اللہ کے راستے سے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کو (اپنے علم) سے گھیرے ہوئے ہے۔

اضافہ: (الف) ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے بعد اس کے کہ ان پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا ہے۔ البتہ ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور اجر آخرت کا بہت بڑا ہے۔

(ب) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سفر کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس زیادہ سواری ہو وہ اس شخص کی مدد کرے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زیادہ زادِ راہ ہو وہ اس شخص کی مدد کرے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو۔ (مسلم) ونیز ارشاد فرمایا ہے جب تم سفر کرو تو فراخ سالی میں تو اونٹ (وغیرہ) سواری کو اس کا حق دے دو (یعنی راستے میں اس کو گھاس کھلاؤ) جب تم قحط کے سال سفر کرو تو جلدی سفر پورا کرو۔ (تاکہ منزل پر پہنچ کر اس کو جلد چارہ مل جاوے) اور جب تم رات کو منزل کرو تو راستے سے بچو (یعنی راستے سے الگ ٹھہرو) کیونکہ رات کو جانور راستوں پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ (مسلم)

معزز سامعین کرام! آج وعظ کا موضوع آداب سفر اور بعض اسفار کے فضائل کا بیان ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دنیوی زندگی خود سفر ہے اور یہ سفر موت تک جاری وساری ہے اس کی منزل آخرت ہے جہاں پہنچنے کے بعد موت نہیں۔

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے

لیکن یہاں سفر سے مراد اپنے وطن یا گھر سے دوسرے مقام پر جانے کا سفر ہے اور مثال مشہور ہے سفر سقر ہے۔ سفر میں ضرور بالضرور مشقت پیش آتی ہے اور ناگوار امور سے سابقہ کرنا پڑتا ہے لیکن اس دنیا میں ضرورت کی بناء پر ہر انسان کو ضرور بالضرور سفر کی حاجت پیش آتی ہے لیکن دینی ضرورت کی بناء پر سفر کرنا باعث سعادت واجر عظیم ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

(جو شخص طلب علم کے لیے نکلے وہ واپسی تک اللہ کے راستہ میں۔ دین کی طلب میں نکلنے والے کے لیے سمندر کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں فرشتے راستے میں پَر بچھاتے ہیں۔" (ترمذی)

اسی طرح سفر حج یا عمرہ یا سفر جہاد۔ دینی ضرورت کا سفر عین عبادت ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے چلا پھر وہ راستہ ہی میں (ان کاموں کے کرنے سے پہلے مرگیا) اللہ تعالیٰ اس کے لیے غازی اور حاجی اور عمرہ کرنے کا ثواب لکھے گا۔ (مشکوٰۃ)

تجارت' کسب معاش یا محض سیر و تفریح کی غرض سے سفر کرے تو اس میں بھی دین کی نیت کرے' یہ اسفار عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً سفر تجارت وکسب معاش میں سے یہ نیت ہو کہ جن لوگوں کا نان ونفقہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ واجب کیا ہے اسے ادا کروں گا۔ مال میں وسعت وفراخی کی صورت میں مفلس بھائیوں کی امداد کروں گا۔ زکوٰۃ' صدقۃ الفطر' قربانی اور حج کی سعادت حاصل کروں گا' نیک کاموں میں تعاون کروں گا۔

سفر سیاحت یا سیر و تفریح میں یہ نیت ہو کہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر دیکھوں گا جس سے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے یقین وایمان میں اضافہ ہوگا اور معرفت الٰہی نصیب ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ؀" (اور یقین والوں کے لیے زمین میں بہت سی قدرت کی نشانیاں ہیں)

آداب سفر

جب گھر سے سفر پر روانہ ہونے لگے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے اور سفر کے بخیر وعافیت طے ہونے اور پیچھے اہل وعیال کی بعافیت رہنے کی دعا کرے۔ حدیث مبارکہ میں یہ دُعا آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمُنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ؀

"اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان فرمادے اور ہم پر اس کی درازی طے کرادے۔ اے اللہ! آپ ہی رفیق ہیں سفر میں اور خبر گیراں ہیں گھربار میں' اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت سے اور بری حالت پانے سے مال میں گھر میں اور بچوں میں۔"

سفر کے لیے جمعرات یا شنبہ کا دن زیادہ مبارک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں دنوں میں سفر کرنے پر برکت کی دعا فرمائی ہے۔

علی الصبح سویرے سفر کرنا بھی مبارک ہے۔ حدیث میں اس کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔

جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے سفر کرنا بہتر نہیں مگر جائز ہے اور بعد اذان جمعہ قبل نماز کے سفر کرنا حرام ہے۔ مناسب ہے کہ اپنا کوئی رفیق سفر تلاش کرے بالخصوص طویل سفر کے لیے۔ اس میں بہت سے دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ حدیث میں اس لیے اکیلے سفر کو پسند نہیں کیا گیا۔ رفیق سفر ایک بھی کافی ہے مگر چار رفیق ہونے زیادہ بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد عن ابن عباسؓ)

اگر چند آدمی مل کر سفر کریں تو کسی ایک کو اپنا امیر بنالیں اور جب آپس میں کوئی اختلاف رائے پیش آئے تو اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔ اگرچہ خلاف طبع ہو۔ حدیث میں اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔

سفر سے پہلے ضروری سامان سفر تیار کرلے تاکہ دوسروں کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔ سفر میں سرمہ، کنگھا، مسواک، قینچی ساتھ رکھنا سنت ہے۔

دوران سفر نماز کی پابندی رکھے، بروقت نماز ادا کرے، ۷۷ کلومیٹر یا اس سے زائد سفر تو نماز ظہر، عصر، عشاء قصر پڑھے۔ ممکن ہو تو باجماعت نماز ادا کرے۔ وقت نہ ہو تو سنتیں اور نفل چھوڑ دے سفر میں سنت مؤکدہ کا درجہ نفل کا ہوتا ہے لیکن اگر وقت اور فرصت ہو تو قصداً نہ چھوڑے۔ غرض سفر میں نماز کا پورا اہتمام کرے، نماز ہرگز قضا نہ کرے۔

سفر کے لیے جب سواری پر سوار ہو تو تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھے اور یہ دُعا پڑھے "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ o" (پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو تابع بنادیا حالانکہ ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم اس کو تابع بنالیتے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں) اور جب کسی بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے۔

دوران سفر ذکر اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ اسی وقت فرصت سے فائدہ اُٹھائے، ریکارڈنگ وغیرہ کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی سوار اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے ساتھ ہوجاتا ہے اور اگر فضول اشعار اور گانے میں مشغول ہوجاتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ جاتا ہے۔

جب ضروریات سفر سے فارغ ہوجائے تو پھر مزید نہ ٹھہرے، واپسی کا قصد کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسافروں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب سفر میں اپنی حاجت سے فارغ ہوجاؤ تو پھر دیر نہ لگاؤ فوراً وطن واپس آجاؤ۔

مستحب ہے کہ جب سفر سے لوٹے تو اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے لیے کوئی تحفہ کھانے پینے وغیرہ سے اپنی گنجائش کے موافق ساتھ لیتا آئے۔ حدیث میں اس کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ اور کچھ نہ ملے تو اپنی جھولی میں کوئی ڈھیلا ہی ڈال کر لے آئے اور بعض روایات میں ہے کہ اگر لکڑیوں کا گٹھا ہی لے آئے تاکہ گھر والے خوش ہوں۔ (کنزالعمال) ڈھیلا پتھر اُٹھا لانے سے یا تو غرض محض تاکیدی مبالغہ ہے اور یا یہ کہ وہ ڈھیلا پتھر جس سے گھر والوں کو نفع ہو۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص طویل سفر سے واپس آ کر اچانک رات کو اپنے گھر پہنچ جائے۔ (کنزالعمال) لیکن اگر پہلے سے اپنے پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہو یا سفر مختصر تھا تو رات ہی کو گھر پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ خود بعض الفاظ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاص ضرورت ہی رات پہنچنے کی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔

سنت ہے کہ جب اپنی بستی یا شہر میں داخل ہو تو مسجد میں جائے اور دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر گھر جائے اور جب گھر میں داخل ہو یہ دعا پڑھے: "تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا لاَ يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا" (ہم توبہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے گا اور حصن حصین میں ہے سفر شروع کرنے والی دعا کے ساتھ مزید یہ دعا پڑھے۔ "آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" (ہم سفر سے آنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تیسرا خطبہ

گانے سننے کی ممانعت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث اول: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔'' (بیہقی)

ف: بعض صوفیائے کرام نے ان شرائط کے مطابق گانا سنا ہے جو فقہاء اور عارفین نے جواز سماع کے لیے لگائی ہیں۔ سو اُن پر کوئی الزام نہیں۔ البتہ جو لوگ بدوں ان شرطوں کے سنتے ہیں وہ گمراہی میں ہیں اور اپنے نفس کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور شرائط کی تفصیل رسالہ حق السماع میں بخوبی موجود ہے۔

حدیث دوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مت خریدو گانے والیوں کو اور نہ ان کو بیچو اور ان کی قیمت حرام ہے اور اسی کی مثل آیت نازل ہوئی: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ (الآیۃ)'' یعنی اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے جو (قرآن سے اعراض کر کے) ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو (اللہ سے) غافل کرنے والی ہیں۔

حدیث سوم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیشک مجھ کو میرے پروردگار نے تمام عالم کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور آلات لہو اور مزامیر اور بتوں اور صلیب اور جاہلیت کے کام کے مٹانے کا حکم دیا ہے۔'' (احمد)

حدیث چہارم: ''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' قیامت کی علامتوں کے بیان میں اور جب ظاہر ہو جاویں گانے والیاں اور آلات لہو (اس کے بعد اور نشانیاں بیان کر کے فرمایا) تو انتظار کرو اُس وقت سرخ ہوا (یعنی سخت آندھی کا) اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور مسخ (یعنی صورتیں بدلنے کا) اور پتھر برسنے کا اور ایسی نشانیوں کا جو لگاتار آویں جیسا کہ وہ لڑی جس کا دھاگہ توڑ دیا جاوے لگاتار گرتی ہے۔''

آیت مبارکہ: ''ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے سو کیا تم اس کلام پاک سے تعجب کرتے ہو اور اس

پر ہنستے ہواور روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔(یعنی گانے بجانے وغیرہ میں مبتلا ہو)''

ف: سامدون کے ایک معنی یہ بھی ہیں جیسا کہ دوسرے معنی منکرات کے ہیں۔ فی الصراح سامد لاہ ویقال للقینة اسمدینا ای الھینا بالغناء

اضافہ: نافع سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک راستہ میں تھا۔ پس انہوں نے ایک مزمار کی آواز سنی اور اپنے دو کانوں میں دونوں انگلیاں رکھ لیں اور اس راستہ سے دوسری طرف ہٹ گئے۔ پھر دور جانے کے بعد مجھ سے فرمایا: اے نافع! تو کچھ (اس کی آواز) سنتا ہے، میں نے عرض کیا نہیں، پس اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ پس آپ نے ایک بانسری کی آواز سنی اور اسی طرح کیا جس طرح کہ میں نے اب کیا ہے۔ نافع نے کہا کہ میں اُس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ (اس واسطے مجھ کو کان بند کرنے کا حکم نہیں دیا تھا)۔ (احمد ابوداؤد)

ف: جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر پرہیز فرماویں اس میں منہمک ہونا کس قدر برا ہوگا۔ اس کو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔

معزز سامعین! آج خطبہ کا موضوع گانا بجانا اور گانا وغیرہ سننا کی حرمت کا بیان ہے:

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے — شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

جب قومیں فاتح اور حکمران ہوتی ہیں ان کے ہاتھوں میں شمشیریں، تلواریں اور نیزے ہوتے ہیں اور جب قوموں کو زوال آتا ہے ان کے ہاتھوں میں ڈھولک، سارنگی اور گانے بجانے کا دیگر سامان ہوتا ہے۔ جب نادر شاہ نے برصغیر پر حملہ کیا تو محمد شاہ رنگیلا اپنے درباریوں کے ساتھ عیش وعشرت میں قوالی سننے میں مست تھا، وہیں اس کو نادر شاہ کے حملہ کی اطلاع دی گئی تو اس نے پوچھا کہ نادر شاہ ابھی دلی سے کس قدر فاصلہ پر ہے تو بتلایا گیا کہ پانچ چھ کوس پر ہوگا تو کہنے لگا ہنوز دلی دور است ابھی دلی دور ہے اس وقت تک دو چار غزلیں اور سن لیتے ہیں۔

خطبہ میں جو آیت مبارکہ تلاوت کی گئی ہے اس میں لفظ ''سامدون'' کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ''ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس کے معنی ہیں ''گانا'' اور یہی قول عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔'' تفسیر ابن جریر ص ۴۳ ج ۲۷، قرطبی ص ۱۲۳ ج ۱۷، روح المعانی ص ۲۷، ج ۲۷ وغیرہا میں بھی یہی مذکور ہے۔

دوسری آیت مبارکہ: والذین لایشھدون الزّور و اذا مرّوا باللّغو مروا کراماً (۲۵: ۷۲)

"اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس ہوکر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔"

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زور کے معنی ہیں گانا بجانا۔"

"حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بیہودہ باتوں اور گانے بجانے کی مجلس میں شامل نہیں ہوتے۔"

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ مختلف اقوال کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سب سے صحیح قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے: وہ (رحمٰن کے بندے) کسی قسم کے باطل میں شریک نہیں ہوتے نہ شرک میں اور نہ گانے بجانے میں اور نہ جھوٹ میں اور نہ اس کے علاوہ کسی ایسے عمل میں جس پر "زور" کا اطلاق ہو۔" احادیث مبارکہ:

"میری اُمت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے۔" (صحیح بخاری)

"میری اُمت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے مگر اس کا نام بدل کر ان کی مجلسیں راگ باجوں اور گانے والی عورتوں سے گرم ہوں گی، اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو بندر و خنزیر بنادے گا۔" (ابوداوٗد)

"نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ چلتے ایک گڈریے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے اور مجھ سے بار بار پوچھتے: "کیا بانسری کی آواز تمہیں سنائی دے رہی ہے؟" میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں میں دیے چلتے رہے، حتیٰ کہ میں نے کہا: "اب آواز نہیں آرہی" تب انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور راستہ چلنے لگے پھر فرمایا ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعینہٖ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کانوں میں انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔" (احمد ابوداوٗد)

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطانی آواز کو لمحہ بھر سننا گوارا نہ فرمایا آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انہیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارا نہیں اور چوبیس گھنٹے ان کی محفلوں کی گرم بازاری اسی لعنت پر موقوف ہے اور اس کی وباء اتنی کثرت سے ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی کوچہ و بازار سے کانوں میں انگلیاں دیئے بغیر گزر نہیں سکتا۔

''اس اُمت پر یہ آفتیں آئیں گی' زمین میں دھنسنا' شکلوں کا مسخ ہونا اور پتھروں کی بارش' ایک صحابی نے دریافت کیا' یارسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا دور دورہ ہوگا اور سرعام شراب نوشی ہوگی۔'' (ترمذی)

''مجھے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لیے ہدایت و رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور باجے شرکیہ تعویذ گنڈے' صلیب اور زمانہ جاہلیت کے غلط کاموں کے مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔'' (احمد)

''طبلہ' سارنگی حرام ہیں اور شراب کے برتن حرام ہیں اور باجے بانسری حرام ہیں۔'' (بیہقی)

شراب کے برتنوں کی حرمت کا حکم ابتداء میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

''جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا ظہور ہو اور شرابیں کثرت سے پی جائیں اور اس اُمت کے آخری لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے لگیں تو ایسے وقت ان عذابوں کا انتظار کرو' سرخ آندھیاں' زلزلے' زمین میں دھنسنا' شکلوں کا بگڑنا' پتھروں کی بارش اور ایسی نشانیاں جو پے در پے اس طرح آئیں جیسے پرانا بوسیدہ ہار جس کی لڑی ٹوٹ جائے اور دانے ایک ایک کر کے بکھر جائیں۔''

''جب میری اُمت یہ پندرہ کام بکثرت کرنے لگے تو ان پر مصیبت اُترے گی۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ گانے والی عورتیں اور باجے بانسریاں عام ہو جائیں۔''

''دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں' ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز' دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔''

''میں دو حماقت اور فسق و فجور سے بھری آوازوں سے روکتا ہوں' ایک لہو و لعب اور شیطانی باجوں کے ساتھ گانے کی آواز' دوسری مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے اور گریبانوں کو چاک کر کے نوحہ کی آواز۔'' (مستدرک حاکم)

''گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔'' (مسلم)

''آخر زمانہ میں اس اُمت کے کچھ لوگ بندروں، خنزیروں کی صورت میں مسخ کیے جائیں گے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وہ اس بات کی گواہی نہ دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر وہ روزے رکھیں گے، حج کریں گے اور نمازیں پڑھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ پھر کس سبب سے یہ عذاب ہوگا؟ فرمایا راگ باجوں اور گانے والی لونڈیوں کا شغل اختیار کرنے کے سبب۔'' (مسند ابن ابی الدنیا)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے اور جب لوگوں کی امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے اور جب زکوٰۃ کو ایک تاوان سمجھا جانے لگے اور جب علم دین کو دنیا طلبی کے لیے سیکھا جانے لگے اور جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو اپنے قریب کرے اور باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے اور قبیلہ کا سرداران کا فاسق بدکار بن جائے اور جب قوم کا سرداران میں ارذل بدترین آدمی ہوجائے اور جب شریر آدمیوں کی عزت ان کے شر کے خوف سے کی جانے لگے اور جب گانے والی عورتوں اور باجوں گاجوں کا رواج عام ہوجائے اور جب شرابیں پی جانے لگیں اور اس اُمت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم انتظار کرو۔ ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین خسف ہوجانے اور صورتیں مسخ ہوجانے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے دانے بیک وقت بکھر جاتے ہیں۔'' (ترمذی)

تنبیہ ضروری: اس حدیث کے الفاظ کو بار بار پڑھیے اور دیکھئے کہ اس وقت کی دنیا کا پورا پورا نقشہ ہے اور وہ گناہ جو مسلمانوں میں عام ہوچکے ہیں اور بڑھتے جارہے ہیں ان کی خبر چودہ سو برس پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی ہے۔ مسلمانوں کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ ایسے حالات سے باخبر رہیں اور گناہوں سے بچنے بچانے کا پورا اہتمام کریں ورنہ جب یہ گناہ عام ہوجائیں گے تو ایسے گناہ کرنے والوں پر آسمانی عذاب نازل ہوں گے اور پھر قیامت کی آخری علامات سامنے آجائیں گی۔ ان گناہوں میں سے عورتوں کا گانا اور گانے بجانے کے آلات طبلہ سارنگی وغیرہ بھی ہیں۔ اس جگہ اس روایت کو اسی مناسبت سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی مستند احادیث ہیں جن میں گانے بجانے کو حرام و ناجائز فرمایا ہے اور اس پر وعید شدید ہے۔

خوش آوازی کیساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں

اس کے مقابل بعض روایات سے غنا یعنی گانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے' یہ روایات بھی رسالہ مذکورہ میں جمع کر دی گئی ہیں۔ تطبیق ان دونوں میں اس طرح ہے کہ جو گانا اجنبی عورت کا ہو یا اس کے ساتھ طبلہ سارنگی وغیرہ مزامیر ہوں وہ حرام ہے۔ جیسا کہ مذکورہ الصدر آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور اگر محض خوش آوازی کے ساتھ کچھ اشعار پڑھے جائیں اور پڑھنے والی عورت یا امرد نہ ہوں اور اشعار کے مضامین بھی فحش یا کسی دوسرے گناہ پر مشتمل نہ ہوں تو جائز ہے۔

بعض صوفیائے کرام سے جو سماع غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غنا پر محمول ہے کیونکہ ان کا اتباع شریعت اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح یقینی ہے۔ ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ محققین صوفیائے کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس معاملہ میں مذاہب اربعہ کے فقہاء اور صوفیائے کرام کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ واللہ المستعان

شرائط سماع

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ قدس سرہ نے فرمایا ایک بار میں حضرت شاہ سلطان نظام الدین قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا اس وقت وہاں سماع کا سامان جمع کیا جا رہا تھا میں فاتحہ پڑھ کر چلنے لگا تو اہل سماع نے مجھے روکا کہ آپ سماع میں شریک کیوں نہیں ہوتے؟ آپ بھی تو چشتی ہیں اور چشتیہ سب صاحب سماع ہوئے ہیں' میں نے کہا میں اس لیے شریک نہیں ہوتا کہ سلطان جیؒ ناراض ہو جائیں گے کہا کیوں؟ سلطان جی خود صاحب سماع تھے۔ میں نے کہا ہاں مگر سلطان جی نے اپنے رسالہ فوائد الفوائد میں سماع کی چار شرطیں لکھی ہیں۔ سامع کے متعلق فرمایا ہے:

''از اہل ہویٰ وشہوت نباشد (سنانے والا خواہش نفسانی اور شہوت والا نہ ہو۔''

مسموع کی نسبت ارشاد ہے: ''کہ مرد تمام باشد زن وکودک نباشد'' (سننے والے سب مرد ہوں بچے اور عورتیں نہ ہوں)

اور مسمع میں شرط لگائی ہے کہ: ''ہزل وفحش نباشد'' (فحش اور بے ہودہ اشعار نہ ہوں)

اور آلہ سماع کے باب میں فرمایا ہے کہ:

''چنگ ورباب درمیان نباشد'' (ڈھولک اور سارنگی وغیرہ نہ ہوں)

اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں یہ شرائط مجتمع نہیں تو مجھ میں حضرت کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں۔ یہ جواب سن کر سب شرمندہ ہوگئے اگر میں عام مولویوں کی طرح وہاں بحث کرنے لگتا کہ سماع مطلقاً حرام ہے کوئی میری بات کو نہ سنتا مگر اس نرمی کے جواب کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اقرار کرلیا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو اور جو سماع ہم سنتے ہیں وہ بزرگوں کی شرائط کے خلاف ہے۔ (الفاظ قرآن ص ۶۰)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم نصب فرمائیں، بدعات سے بچائیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

چوتھا خطبہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات مبارکہ: ”حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلا وے اور ان کو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ و نیز ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ اُن کو مشائخ اور علماء گناہ کی بابت کہنے سے (یعنی جھوٹ بولنے سے) اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے' واقعی ان کی عادت بری ہے۔“

حدیث اول: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے کسی منکر یعنی ناجائز کام کو دیکھے چاہیے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ پس اگر (اتنی بھی) طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان کے ساتھ (آگاہ کردے) اور اگر (اُس کی بھی) طاقت نہ ہو (بلکہ زبان سے روکنے پر بھی اندیشہ ہو تو پھر) اپنے دل سے (اُس کو برا جانے) اور یہ کمزور ایمان ہے یعنی ادنیٰ درجے کا ایمان یہ ہے کہ بری بات کو دل سے برا جانتا رہے اور اگر دل سے اس کو برا بھی نہ سمجھا تو پھر ایمان کہاں رہا۔“ (مسلم)

حدیث دوم: ”ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے کوئی شخص جو ہو کسی قوم میں گناہ کرتا ہوا ان لوگوں میں (اور) وہ لوگ طاقت رکھتے ہوں اُس کو روکنے کی اور (پھر بھی) نہ روکتے ہوں مگر اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نازل کرے گا ان کے مرنے سے پہلے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

حدیث سوم: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب زمین میں کوئی گناہ کیا جاتا ہے تو جو اس کو دیکھتا ہو اور ناپسند کرتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اُس سے دور رہا اور جو غائب ہو اور اُس (گناہ) سے راضی ہوتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس کے پاس حاضر ہو۔“ (ابوداؤد)

حدیث چہارم: ”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اُلٹ پلٹ کردے اس کے باشندوں سمیت پس

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! بے شک اُن میں تیرا فلاں بندہ ہے اس نے آنکھ جھپکنے کی برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا اُلٹ پلٹ کر دے اُس شہر کو اس بندے پر اور اُن لوگوں پر کیوں کہ اُس کے چہرے کا میرے لیے کبھی ایک رنگ بھی نہیں بدلا۔"

آیت مبارکہ: حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ "اختیار کیجئے معافی کو اور حکم کیجئے نیکی کا اور رُوگردانی کیجئے جاہلوں سے۔"

اضافہ: (الف) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ عام طور پر عذاب نہیں بھیجتا، بعض لوگوں کے عمل کی وجہ سے یہاں تک کہ وہ اپنے سامنے منکر کو دیکھیں اور وہ قادر بھی ہوں اس کے انکار پر پھر بھی اُس کو نہ روکیں۔ پس جب وہ ایسا کریں (یعنی باوجود قدرت کے فعل منکر دیکھتے رہیں) تو حق تعالیٰ سب خاص و عام کو عذاب دیتا ہے۔ (شرح السنۃ)

(ب) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اُس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیک کاموں کا امر کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر تم اس سے (عذاب دور کرنے کی) دعا مانگو گے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جاوے گی۔ (ترمذی)

بزرگان محترم! آج خطبہ جمعہ کا موضوع امر بالمعروف و نہی عن المنکر بقدر ضرورت ہے۔ پہلی آیت مبارکہ جو خطبہ میں پڑھی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ

ف: اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص جماعت کا کام ہے۔ ساری اُمت کا کام نہیں ہے اور یہ کام ہے صرف مقتداؤں کا اور اس تخصیص میں ایک راز ہے وہ یہ کہ دعوت عامہ (یعنی وعظ) صرف اسی وقت مؤثر ہوتی ہے جبکہ مخاطب کے قلب میں داعی کی وقعت ہو بلکہ مطلق دعوت میں بھی اگر داعی کی وقعت نہ ہو تو وہ مؤثر نہیں ہوتی تو عام دعوت میں عام مخاطبین کے قلب میں داعی کی وقعت ہونی چاہیے اور ظاہر ہے کہ بجز مقتداء کے کوئی ایسا شخص نہیں جو عام لوگوں کے دل پر اثر ڈال سکے۔ (الدعوات الی اللہ ص ۵۴، ۵۵)

(۱) یہ اس قدر مہتم بالشان امر ہے کہ ایک جماعت سارے کام چھوڑ کر صرف تبلیغ ہی کے واسطے مقرر ہونا چاہیے اس کا ذکر "ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر" میں ہے۔ (تواصی بالحق)

دوسری آیت مبارکہ میں یوں ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ o (آل عمران' آیت نمبر ۱۱۰)

''تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔''

(ف) یہ خطاب تمام اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عام ہے جیسا کمالین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مرفوعاً بسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ منقول ہے کہ میری اُمت خیر الامم ہے۔ (بیان القرآن)

یہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو سب کے لیے عام کیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جو سب کے ذمہ ہے اور علماء کے ساتھ خاص نہیں۔ یعنی انفرادی خطاب ایسے مسائل کے ساتھ جو منصوص اور مشہور ہیں علماء سے خاص نہیں۔ پس علماء کے ذمہ تو تبلیغ اس شان سے ہے کہ وہ اپنے سارے اوقات میں یہی کام کریں اور دوسرے آدمی جستہ جستہ اوقات میں کبھی یہ کام کیا کریں۔ (التواصی بالحق)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ o (حٰمٓ السجدہ آیت ۳۳)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

(ف) احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات دعوت الی اللہ ہے۔ (استفہام)

سبحان اللہ کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے۔ اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ پر کوئی خلاف جواب دے وہاں پوچھا ہی نہیں کرتے۔

آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ دعوت الی اللہ میں عمل صالح سے جس میں دعویٰ بھی پیدا نہیں ہوتا اس سے اچھا کسی کا قول نہیں۔ (الدعوات الی اللہ ص ۲۵' ۳۹)

تبلیغ ہر اُمتی کے ذمہ واجب ہے

اُمت کا ہر فرد وجوب دعوت کے حکم میں داخل ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ جو لوگ امر بالمعروف نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو عتاب عام فرمائے گا اور آپ نے استشہاد کے

لیے یہ آیت پڑھی: "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً"

پھر امر بالمعروف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خطاب خاص یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس کا مدار قدرت پر ہے جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو امر بالمعروف کرے۔ مثلاً ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز، روزہ کی نصیحت کریں۔ خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے۔ (آج کل مرد گھر میں آتے ہیں تو سوائے اس کے کہ کھانے پینے پر بیوی پر عتاب ہوگا یا کرتہ نہ سینے پر غصہ ہوگا، دین کی ایک بات بھی ان سے نہ کہی جائے گی، مجھے زیادہ شکایت دینداروں اور نمازیوں کی ہے کہ وہ بھی اپنے گھر والوں کو دین پر متنبہ نہیں کرتے نہ اس کی خبر رکھتے ہیں کہ بیوی بچوں نے نماز پڑھی یا نہیں)

آقا کے لیے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جوان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے۔ حدیث میں ہے:

"اپنے بچوں کو جب وہ سات برس کے ہو جائیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس برس کی عمر کو پہنچ جائیں ان کو مارو، غرض ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو حکم کرے امور خیر کا اور خلاف شرع باتوں سے روکے۔"

خطاب عام: یعنی وعظ کہنا یہ سب کے ذمہ فرض نہیں صرف علماء پر واجب ہے۔ (آداب التبلیغ ص ۱۰۵، ۱۱۰۱۰)

ارشاد ربانی ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

"اے مسلمانو! تم اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو نار جہنم سے بچاؤ۔" اور حدیث میں ہے:

"تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس ہوگی تو گھر والے تمہارا پیچھا کب چھوڑنے والے۔ اگر یہ جہنم میں گئے تو تم بھی وہاں ان کے ساتھ ہی ہوگے۔" (التواصی بالحق ملحقہ مواعظ دعوت التبلیغ ص ۱۵۶)

تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے جس کو اُمت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کرے گا۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۹۲)

اسلام کا نرالا طرز تبلیغ

ارشاد خداوندی ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

"کہ اپنے رب کی طرف موعظت اور حکمت حسنہ کے ساتھ دعوت دو۔"

یعنی اعمال کی ترغیب اخلاق کے پیرائے میں دو۔ اس سے مخاطب کو وحشت نہ ہوگی اور اس میں راز یہ ہے کہ ابتداء میں شفقت نہ کرنے سے تو خود تبلیغ کا کام اٹکتا ہے اور نا اُمیدی کے بعد حزن کرنے سے تبلیغ کی ترقی رکتی ہے۔ (لیکن تبلیغ میں حسب منشاء کامیابی نہ ہو تو حزن نہ کرے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے: "وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ "(النمل آیت ۷۰) اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں ان سے تنگ نہ ہوں)۔
کیونکہ اب حزن کرنے سے مبلغ کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اس وقت اس کو یہ تعلیم ہے کہ ہدایت تمہارے قبضہ میں نہیں بلکہ خدا کے قبضہ میں ہے۔ بس تم کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ تمہارا تبلیغ کا ثواب کہیں نہیں گیا' جو کام خدا کا ہے اس کو خدا کے سپرد کرو۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن

اب اس تعلیم سے اس کا دل بڑھے گا اور برابر تبلیغ کرتا رہے گا۔ (التواصی بالحق ص ۱۷۸)

ثمرہ تبلیغ

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا. اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کو ہدایت ہو جاتی۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ استفہام انکار کے لیے ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوشش کے یہ معنی نہیں کہ ثمرہ ضرور مرتب ہو مثلاً مرتدین کو تبلیغ کریں تو وہ ارتداد سے بچ ہی جائیں بلکہ کوشش کے یہ معنی ہیں کہ جو کام تمہارے قبضہ میں ہے وہ کر ڈالو۔ ان کو سمجھاؤ بجھاؤ' اسلام کے محاسن بتلاؤ' اس طرح کوشش کرو اگر خدانخواستہ پھر بھی ناکامی ہو تو رنج مت کرو کیونکہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے۔ (ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت و تبلیغ ص ۳۰۹)

تبلیغ کا ایک باریک ادب

یہ ہے کہ تبلیغ کر کے ظہور نتیجہ و حصول ثمرہ کی فکر میں نہ پڑ جانا چاہیے۔ بعض دفعہ اس سے بہت برا اثر پڑتا ہے اور یہ بالخصوص مبلغ شفیق کو پیش آتا ہے کیونکہ جب شفقت زیادہ ہوتی ہے تو نتیجہ عاجلہ پر نظر ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کے اندر عجلت زیادہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جلدی اثر ہو جائے گو اس میں نیت دین ہی کی ہو مثلاً کسی کو نماز سکھاتے ہیں تو اس کا ثمرہ عاجلہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی

آنکھ سے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیں۔ اسی طرح تبلیغ اسلام میں یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تحریک کے ساتھ ہی بہت سے مسلمان نظر آنے لگیں اور بعض اوقات یہ مصلحت بھی نیت میں ہوتی ہے کہ اس سے اہل حق کا مجمع زیادہ ہوگا اور حق بڑھے گا' اہل حق کو قوت ہوگی۔ اہل باطل مغلوب ہوں گے تو وہ مضرت بھی نہ پہنچاسکیں گے۔ یہ مصلحت پیش نظر ہو تو یہ دین ہے مگر اس میں غلو نہ چاہیے۔

اور اگر ثمرہ دنیا ہے مثلاً یہ کہ ہمارا نام ہوگا کہ یہ خوب کام کرتا ہے تو وہ تو ہے ہی برا۔ اگرچہ بصورت نماز ہی ہو۔ غرض بعض وقت ثمرہ دینی ہوتا ہے اور کبھی دنیوی مگر یہ سب ثمرات عاجلہ ہیں جن پر بعض مبلغین کی نظر ہوتی ہے۔ پھر اگر ان ثمرات کا ترتب نہیں ہوتا تو حزن وملال پیدا ہوتا ہے۔ بعض وقت یاس تک نوبت آتی ہے اور مخاطب پر غیظ پیدا ہوتا ہے حاضر یا غائب برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ اصل نتیجہ رضائے حق ہے اور وہ تبلیغ بطریق مذکور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ (آداب التبلیغ ص ۱۱۶ تا ۱۱۷)

تبلیغ میں ضرورت اعتدال

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ یہ بہت کام کرتا ہے تو اس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو اس سے امید رکھو کہ انشاء اللہ یہ غالب ہوگا۔ (تواصی بالحق ص ۴۱) جس کام میں زیادہ ہنگامہ ہوتا ہے وہ جلد ختم ہو جاتا ہے اور جو تدریج کے ساتھ چلے اور اعتدال کے ساتھ بڑھتا رہے اس کو بقاء نصیب ہوتی ہے۔

دور حاضر میں تبلیغ اسلام کا حکم

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ فی زمانہ مسلمانوں پر تبلیغ اسلام واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا جہاں اسلام پہنچ چکا ہو وہاں تبلیغ اسلام واجب نہیں ہے جیسا کہ بلوغ اسلام اکثر جگہ ہو چکا ہے اور تبلیغ سے مقصود بلوغ اسلام ہے اگر خود بلوغ ہو جائے تو فرضیت تبلیغ کی ساقط ہو جائے گی۔ (مقالات حکمت ص ۸۶)

امر بالمعروف کا ایک قاعدہ

کسی پر تشدد یا قطع تعلق کرنے میں مفسدہ کا اندیشہ ہو اور اس کی طرف سے اضرار کا خوف ہو اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو اس کو امر بالمعروف سے سکوت کی اجازت ہے باقی جس کو ہمت ہو اس کو سکوت کی اجازت نہیں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۹)

تبلیغ کس صورت میں واجب ہے

فرمایا تبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے بشرطیکہ مخاطب کو حق نہ پہنچا ہو اور گمان

غالب ہو کہ میرے تبلیغ کرنے سے مجھے ایسا کوئی ضرر بھی نہ ہوگا جس کو میں برداشت نہ کر سوں گا ایسی حالت میں بفحوائے من رأی منکم الخ تبلیغ واجب ہے اور جہاں قدرت نہ ہو یا جس کو تبلیغ کر رہا ہے اس کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو وہاں واجب نہیں۔ اسی طرح اگر ضرر کا تو خوف نہیں لیکن یہ اندیشہ ہو کہ وہ شخص مثلاً شریعت کو گالیاں بکنے لگا تو ایسی حالت میں بھی تبلیغ نہ کرے اور میں تو فتنہ ارتداد کے بعد بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر تبلیغ پر کوئی اثر بھی مرتب نہ ہو اور مخاطبین نماز، روزہ بھی نہ کریں صرف اپنے کو مسلمان کہتے رہیں تو یہ بھی غنیمت ہے۔ آخر مر کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (الکلام الحسن ملفوظ ۶ ص ۲۷)

تبلیغ اور مصالح

بعض لوگ تبلیغ کو مصالح کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے مصالح کو پیس دو۔ مسالہ کو جتنا پیسو گے اتنا ہی کھانا عمدہ ہوگا۔ کیسا مصالح لیے پھرتے ہو غذا کا اہتمام کرو فضول کام میں نہ لگو نیز سامعین کے مجمع کے کم و بیش ہونے پر بھی نظر نہ کرو کام شروع کر دو پھر اثر بھی ہونے لگے گا۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۳۹)

نہی عن المنکر کسی دنیوی مصلحت کی بناء پر معاف نہیں

اگر نہی عن المنکر میں کسی ایسی اذیت کا اندیشہ ہو کہ جس اذیت کا یہ متحمل نہ ہو تو اُس وقت نہی عن المنکر معاف ہے اور جہاں ایسی اذیت نہیں فقط یہ اندیشہ ہے کہ مخاطب برا مانے گا یا ہمارا مرتبہ اس کی نظر میں کم ہو جائے گا یا ہمیں شاید کچھ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور نہ دے گا' یہ سب خیال فاسد ہیں۔ اس وجہ سے نہی عن المنکر معاف نہیں ہے۔ (الدعوات الی اللہ ص ۱۹)

تبلیغ و اشاعت کیلئے دینی مدارس کی ضرورت

جس طرح نماز کے لیے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ و اشاعت کے لیے مدارس کا وجود ضروری ہے۔ مدارس نماز کے لیے بمنزلہ وضو کے ہیں ہاں بعد فراغ تبلیغ و اشاعت سے باز رہنا ایسا ہے جیسا کوئی وضو کر کے نماز نہ پڑھے۔ (الدعوت الی اللہ ص ۲۳)

دوران حصول علم تبلیغ کی نیت

اگر طلباء کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کریں گے تو یہ پڑھنا بھی شعبہ تبلیغ ہی کا ہے۔ اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں۔ دیکھو اگر کوئی شخص نماز کی نیت نہ کرے تو نماز نہیں ہوتی۔

ایسے ہی روزہ ہے اگر کوئی روزہ کی نیت نہ کرے اور دن بھر فاقہ کرے تو روزہ نہیں ہوتا۔

غضب کی بات ہے کہ ہم دن رات پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اعمال و طاعات کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب سے محروم ہیں۔ (آداب التبلیغ ص ۹۸)

تعلیم و تعلم بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے

پھر اگر تبلیغ کی قسمیں کردی جائیں کہ ایک تبلیغ اصول و عقائد کی ہے کفارہ کو دوسری قسم تبلیغ فرد مسلمانوں کو ہے اور تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا پھر تو درس و تدریس کا تبلیغ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور جب تبلیغ کی قسمیں ہیں تو اب یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص ساری قسمیں ادا کرے بلکہ اس کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے۔ پس ان سب کاموں کو خاص خاص جماعت کے سپرد کیا جائے یعنی قابلیت اور مناسبت کو دیکھ کر تقسیم خدمات کی جائے کیونکہ ہر ایک آدمی ہر ایک کام کے قابل نہیں ہوتا۔

اس لیے کہیں طلباء و مدرسین پڑھنا پڑھانا نہ چھوڑ دیں، وہ طلباء جو علم سے فارغ نہیں ہوئے، تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں، میرے نزدیک ان کے لیے اول تکمیل علم ضروری ہے کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہو تو تصنیف و تبلیغ وغیرہ سب بے کار ہیں کیونکہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ کچھ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل معدوم ہو جائے گا۔ غرض تعلیم و تعلم بھی ایک فرد ہے تبلیغ کی۔ (آداب التبلیغ ص ۱۰۳، ۱۰۵)

تبلیغ سے متعلق ہر معاون کام تبلیغ ہے

مقدمات تبلیغ ملحق بالتبلیغ ہیں پس مال دہندہ بھی مبلغ ہے۔ احکام سنانے والا بھی مبلغ ہے اور مضامین لکھنے والا بھی مبلغ ہے۔ تصنیف و تالیف بھی تبلیغ میں شامل ہیں۔ (آداب التبلیغ ص ۱۴)

بے عملی ترک تبلیغ کا عذر نہیں

ارشاد خداوندی ہے: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ (البقرہ آیت ۴۴)

''کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں رکھتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو کیا پھر اتنا بھی نہیں سمجھتے۔''

مسئلہ: اس سے یہ نہیں نکلتا کہ بے عمل کو واعظ بننا جائز نہیں بلکہ یہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے

عمل بنا جائز نہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ص ۱۶)

اسی طرح آیت مبارکہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف آیت ۲، ۳)

"اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

یہ آیت مبارکہ دعویٰ کے متعلق ہے، دعوت سے متعلق نہیں، خوب سمجھ لو۔

اپنی فکر اصلاح مقدم ہے

بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ آج کل یہ مرض عام ہو گیا عوام میں بھی خواص میں بھی کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اور اپنی خبر نہیں۔ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت اپنی گھڑی اٹھوا دینا کیسی حماقت ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۵۸)

مبلغین کو ذکر اللہ کیلئے بھی وقت نکالنا چاہیے

علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لیے بھی مخصوص ہونا چاہیے۔ جیسا کہ علماء سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی مؤثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں۔ (ص ۳۷۷ ج ۸)

(۱) ہر شخص کو اولاً خود دین میں متصلب پختہ اور مضبوط ہونا چاہیے۔ احکام الٰہی پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں کسی سے مرعوب نہ ہونا چاہیے اور نہ دینی کام میں کسی کی مروت و تعلقات کی پرواہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑا لائق محبت و تعلق کون ہے۔ جس کے لیے احکام الٰہیہ کو ترک کیا جائے۔

(۲) ہر شخص کو اس کا خیال کرنا چاہیے کہ کسی جلسہ اور مجلس کو احکام پہنچانے سے خالی نہ رکھے مگر باریک اور اختلافی مسائل میں دخل نہ دیں کہ یہ کام علماء کا ہے اور اگر کوئی رد کر دے یا سخت جواب دے تو صبر و تحمل سے کام لیں، سختی کا جواب سختی سے نہ دیں، جب کسی دنیاوی غرض کے لیے بھی ملاقات ہو یا تجارت و ملازمت کے سلسلہ میں کسی سے ملنا ہو تو حسب موقع باتوں باتوں میں کلمۃ الحق ضرور پہنچا دیا جائے دین کے معاملہ میں مسلمان کی وہی شان ہونا چاہیے جو کہ حضرات صحابہ کی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بتلائی تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرات صحابہ کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا (کہ دین کے معاملہ میں تو وہ گویا مجنون تھے) فاذا ارید احدمنهم علی شیء من امر الله

دارت حمالیق عینیہ کانہ مجنون (ص ۱۱۰ ' ۱۱۱ ' الادب المفرد للبخاری)

(۳) رات دن میں کوئی خاص وقت اس کام کے لیے بھی نکالا جائے کہ اس میں بندگان خدا کو (خواہ مسلم یا غیر مسلم) احکام اسلام پہنچائے جائیں اور برے کاموں سے روکا جائے۔

(۴) احکام اسلام پہنچانے میں لہجہ ہمیشہ نرم ہونا چاہیے۔ گفتگو تہذیب اور متانت سے کرنا چاہیے البتہ جن پر اپنی حکومت ہے جیسے بیوی' اولاد' نوکر' شاگرد وغیرہ ان کو اول نرمی سے نصیحت کی جائے پھر بتدریج سختی سے سمجھایا جائے۔

(۵) احکام اسلام پہنچانے میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔

(الف) جن کو کلمہ اسلام معلوم نہیں ان کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھلایا جاوے اور اس کے معنی سمجھا دیئے جائیں۔

(ب) جن کو کلمہ اسلام معلوم ہے ان کو اس کے معنی بتلائے جائیں اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لا الہ الا اللہ اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی محمد رسول اللہ ملا کر ضرور پڑھ لیا کریں۔ (ففی الحدیث جددوا ایمانکم بقول لا اِلٰہ الا اللّٰہ)

(ج) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کو پابندی نماز کی تاکید کی جائے' مردوں کو مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے جن کو نماز کا طریقہ معلوم نہیں ان کو نماز سکھلائی جائے اور ممکن ہو تو ہر نمازی کو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جائے۔ یعنی سبحانک اللّٰھم سے التحیات' دُرود شریف تک ہر چیز کا ترجمہ یاد کر لیں گے کہ اس سے نماز میں دلجمعی زیادہ ہوتی ہے اور وضو اور پاکی ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جاوے۔

(د) جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے جن پر قربانی واجب ہے ان کو قربانی کی ترغیب دیں۔

(ہ) رمضان شریف کے روزہ کی سب مسلمانوں کو تاکید کی جائے۔

(و) جن پر حج فرض ہو ان کو حج کی تاکید کی جاوے۔

(ز) ہر بستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتب ضرور ہونے چاہئیں جن میں تعلیم قرآن کے ساتھ اردو رسائل بہشتی زیور' بہشتی ثمر' راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائے جائیں تاکہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو جائے۔

(ح) سب مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے کی اور گالم گلوچ' لڑائی جھگڑا بند

کرنے کی تاکید کی جاوے۔

(ط) بستی کے کسی ایک بااثر دیندار کو یا چند بااثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا بنالیا جائے جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھیں اور امور مذکورہ بالا کو رواج دیں اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو تو اس کا شریعت کے موافق علماء سے پوچھ کر فیصلہ کردیں اور سب اس فیصلہ کی تائید کریں۔

(ی) جھوٹ' غیبت' حسد و کینہ' دشمنی' کسی کی بے جا طرف داری' چغل خوری' زنا' بدنگاہی' بے پردگی' شراب نوشی' لڑکوں سے ناجائز تعلقات' سودی لین دین' بے کاری' آوارہ گردی کا انسداد کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

سچ بولنے باہم تواضع اور محبت کا برتاؤ کرنے' انصاف وعدل ومضبوطی کے ساتھ جمے رہنا اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے' کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں'تنگی برداشت کرلیں مگر حتی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں۔

تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت شعاری کرنے والے پر طعن وتشنیع نہ کریں بلکہ اس کی ترغیب دیتے رہیں اور عامل کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں' کسی جائز پیشہ کو عار نہ سمجھیں' گھاس کھودنے تک کو بے کاری اور ذلت و رسوائی پر ترجیح دیں اور نیک اعمال اختیار کرنے کی خود بھی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے رہیں۔

(۶) حیات المسلمین' تبلیغ دین' تعلیم الدین' محاسن الاسلام' بہشتی زیور کو مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اپنے دوستوں' ملنے والوں اور سب بندگان خدا کو پہنچاتے رہیں۔

(۷) جو علماء کسی دینی خدمت میں مشغول ہیں جیسے درس وتدریس تصنیف وتالیف وغیرہ وہ بھی اپنی نشست و برخاست اور اوقات ملاقات میں بندگان خدا کو احکام الٰہیہ پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت اوقات میں جیسے جمعہ کی تعطیل ہے یا رخصت طویلہ کا زمانہ ہے وعظ ونصیحت کا ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ سمجھیں' میں اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والوں کو خاص طور پر مکرر تاکید کرتا ہوں کہ امور مذکورہ بالا کی پوری پابندی' اس میں ہرگز کوتاہی نہ کریں اور تمام اہل اسلام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دستور العمل کو حرز جان بنا کر ہر شخص دین الٰہی کی خدمت کے لیے آمادہ اور مستعد ہوجائے' مجھے اللہ کے بھروسہ پر یقین ہے کہ اگر سب مسلمان اسی طرح کام میں لگ جائیں گے تو تمام مصائب اور پریشانیوں کا جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں' بہت جلد خاتمہ ہوجائے اور نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہوگی اور اس دستور العمل کو چند روز کے

لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم اور جاری رکھیں۔ اب اس مضمون کو اس دعاء پر ختم کرتا ہوں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَo

تبلیغ اور اصلاح نفس میں ترتیب

اگر دوسرے کام کرنے والے موجود ہوں تو اصلاح نفس فرض عین ہے اور اگر موجود نہ ہوں تو اصلاح و تبلیغ دونوں کو جمع کرے۔ (خیر الافادات ص ۷۵)

بیان وعظ میں مجمع کی کثرت وقلت پر نظر نہ ہونا چاہیے

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ بیان فرمایا۔ جب وعظ ختم ہو چکا اور لوگ چل دیئے تو حضرت مولانا بھی تشریف لے چلے۔ دروازہ پر ایک بوڑھے شخص ملے (یہ بڑے میاں وعظ سننے کی خاطر کئی کوس پیدل چل کر آئے تھے) انہوں نے پوچھا کیا وعظ ختم ہو چکا' لوگوں نے کہا کہ ہاں ختم ہو چکا۔ ان بوڑھے میاں نے آہ سرد بھری اور بہت افسوس وعظ سے محروم رہنے کا کیا اور کہا (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ) حضرت مولانا نے فرمایا کہ نہیں تم افسوس نہ کرو میں تمہیں بھی وعظ سنا دوں گا اور ان بوڑھے شخص کو مسجد میں لے جا کر کل وعظ شروع سے اخیر تک جو پہلے بیان ہو چکا تھا سارا پھر سے سنا دیا۔

دیکھئے کس قدر للّٰہیت تھی کہ ایک شخص کی خاطر سارا وعظ پھر سے کہا۔ (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص ۹ ملفوظ نمبر ۶ '۴' قصص الاکابر ص ۲۳)

اس لیے واعظ کو چاہیے کہ مجمع کی کثرت وقلت پر کبھی نظر نہ رکھے۔ ایک شخص کی بھی اصلاح ہو گئی تو بیڑا پار ہو سکتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

پانچواں خطبہ

آداب معاشرت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مختصر طور پر روایتیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک کے متعلق لکھی جاتی ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ان کی پیروی کر کے بہبودی حاصل کرے۔

روایت اول: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اچھے تھے (صورتاً بھی سیرتاً بھی) اور سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔'' (متفق علیہ)

روایت دوم: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی چیز کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو مارا اور نہ کسی خادم کو مارا مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں (اس وقت تو مارنا کیا بلکہ قتل تک کی بھی نوبت آئی ہے)۔'' (مسلم)

روایت سوم: ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بے حیائی کی بات فرمایا کرتے تھے اور نہ بہ تکلف ایسی بات فرما سکتے تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بے حیائی کی بات تکلف اور قصد سے بھی نہ نکل سکتی تھی) اور نہ بازاروں میں چلانے والے تھے اور نہ برائی کا برا بدلہ دیتے تھے بلکہ معاف اور درگزر فرمایا کرتے تھے۔'' (ترمذی)

روایت چہارم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت بھی کیا کرتے تھے اور جنازہ کے ہمراہ بھی تشریف لے جاتے تھے اور غلام کی بھی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔'' (ابن ماجہ، بیہقی)

روایت پنجم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاپوش خود سی لیتے تھے اور اپنے کپڑے بھی سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں کام کاج کر لیتے تھے۔ جیسا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہوں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک تھے) اور بکری دوھ لیتے تھے اور اپنا کام خود کر لیتے تھے۔'' (ترمذی)

روایت ششم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔'' (شرح السنۃ)

روایت ہفتم: ''اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ پس مجھے کبھی اُف نہیں فرمایا اور نہ کسی (کام پر) یوں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور نہ کسی (کام کے متعلق) یوں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔'' (متفق علیہ)

روایت ہشتم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول مشرکین پر بددعا کیجئے؟ ارشاد فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' (مسلم)

روایت نہم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کنواری سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جو اپنے پردے میں ہو۔ پس جب کوئی ناگوار بات ملاحظہ فرماتے تو ہم اُس (ناگواری) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر شناخت کرتے تھے (مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم کی وجہ سے زبان مبارک سے ظاہر نہ فرماتے تھے۔'' (متفق علیہ)

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم پر ہیں۔

اضافہ: (الف) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) نہیں فرمایا ہو۔ (متفق علیہ)

(ب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس سے الگ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ الگ کر لیتا تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی جانب سے رُخ پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی بات وغیرہ پوری کرنے کے بعد اپنا رُخ پھیر لے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے جلیس کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے)۔ (ترمذی)

محترم بزرگو اور دوستو! خطبہ میں آپ حضرات نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور عادات مبارکہ سے متعلق چند روایات اور آیت مبارکہ سنی۔ اب آداب معاشرت وغیرہ سے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں مزید کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے۔ آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا' میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند

کھیلنے والے لڑکوں پر گزرا۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آ کر) میری گردن پکڑ لی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! میں جا رہا ہوں۔" (مسلم)

(۲) ان ہی سے روایت ہے کہ "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ کے بدن پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا، آپ کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ کو چادرہ پکڑ کر بڑی زور سے کھینچا اور آپ اس کے سینے کے قریب جا پہنچے۔ پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف التفات فرمایا، پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔" (بخاری)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا، (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرمالیا)۔" (بخاری ومسلم)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں اور) دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں، آپ نے اس کو سب دے دیں وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا اے قوم مسلمان ہو جاؤ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔" (مسلم)

(۵) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ آپ مقام حنین سے واپس ہو رہے تھے آپ کو بدوی لوگ لپٹ گئے اور آپ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اُڑا دیا اور آپ کا چادرہ بھی چھین لیا، آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔" (بخاری)

(۶) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے مدینے والوں کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (برکت کے لیے) اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے، بعض

اوقات سردی کی صبح ہوتی جب بھی اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔" (مسلم)

(۷) ان ہی سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے فلانے شخص کو کیا ہو گیا اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے (جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں، خصوص اگر سجدے میں لگ جاوے تب تو یہ دعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بری باتوں سے روکنے کی تو یہ اصلاح کی دعا ہوئی)۔" (بخاری)

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردے میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ۔ سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تو (شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے) مگر ہم لوگ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

(۹) حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے۔ (جس کی مثالیں اگلی حدیث میں آتی ہے)۔" (بخاری)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ من جملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا ذاتی کام بھی کر لیتے تھے۔" (ترمذی)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں راہ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصے کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو البتہ اگر کوئی شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے

لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔" (مسلم)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا' اس وقت آپ کی خدمت میں آ گیا تھا اور دس برس تک میں نے آپ کی خدمت کی' میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ نے کبھی ملامت نہیں کی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ فرماتے جانے دو۔ اگر کوئی دوسری بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی۔" (مصابیح بلفظ و بیہقی مع تغییر یسیر)

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ مریض کی بیمار پرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ الخ" (ابن ماجہ' بیہقی)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے' یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے' یہاں تک کہ وہ ہی اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے) ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہو یعنی آپ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔" (ترمذی)

(۱۵ و ۱۶) شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان میں سے بعض جملے نقل کرتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے۔ ایک حصہ اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لیے (پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اس طرح پر تقسیم فرماتے ہیں کہ اس حصہ کی برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعے سے عام لوگوں تک پہنچاتے (یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی۔ پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصہ اُمت میں آپ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم و عمل) کو حاضری کی اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے کیونکہ

کسی کو ایک ضرورت ہوئی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں، کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں آپ اس نسبت سے ان کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں اس کی اور اُمت کی مصلحت ہو جیسے مسئلہ پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے اور (علاوہ علمی فوائد کے کچھ کھا پی کر واپس جاتے) اور دین کے ہادی بن کر نکلتے۔ (یہ رنگ تھا مجلس خاص کا) پھر میں نے اپنے باپ سے آپ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا۔ انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں ان ہی کی دوسری حدیث سے نقل کرتا ہوں۔

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے۔ آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ کے روبرو کوئی بات کرتا، اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا۔ تب اس کو کاٹ دیتے خواہ منع فرما کر یا اُٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا اور مخالفین کے ساتھ برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

(۱۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کو کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگ احد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے اس وقت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتہ سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ کو حکم دیں، اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (بخاری ومسلم)

(ف) دیکھئے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا۔ خصوصاً جب آپ کو یقین بھی دلا دیا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جائیں گے مگر آپ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔ یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ کے مدمقابل تھے بعضے مخالفین آپ کی رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی، ان کے ساتھ بھی برتاؤ سنئے۔

(۱۹) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینے میں آباد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا۔ لوگوں کے دھمکانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی قصے میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" اور یہ بھی کہا کہ میں نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو تورات میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی۔ (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں، نہ درشت مزاج، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے، مجھ کو اس کا دیکھنا تھا (کہ دیکھوں آپ وہی ہیں یا نہیں؟ سو دیکھ لیا آپ وہی ہیں) "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" الخ (بیہقی)۔ بجز دو حدیثوں کے جن میں شمائل کا نام ہے باقی سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

مشورہ: اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روزمرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو یا سن لیا کرو تو پھر دیکھ لو گے تم کیسے جلدی اپنے آپ میں تبدیلی محسوس کرو گے۔

جمادی الثانی کے اہم تاریخی واقعات

نمبر شمار	حادثات وواقعات	جمادی الاخریٰ	مطابق
۱	مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ	۱ھ	جنوری ۶۲۳ء
۲	غزوہ ذو العشیرہ	۲ھ	دسمبر ۶۲۳ء
۳	وفات خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲۱، ۱۳ء	اگست ۶۳۴ء
۴	وفات حضرت عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ	۲۱، ۱۳ء	اگست ۶۳۴ء
۵	توسیع مسجد نبوی	۱۷ھ	جون ۶۳۸ء
۶	وفات حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ	۲۱ھ	مئی ۶۴۱ء
۷	جنگ جمل مابین حضرت عائشہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ	۱۰، ۳۶ھ	نومبر ۶۵۶ء
۸	وفات حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہم	۱۰، ۳۶ھ	نمبر ۶۵۶ء
۹	ڈاکخانہ کا باقاعدہ قیام منجانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	۴۸ھ	جولائی ۶۶۸ء
۱۰	وفات حضرت عبد الرحمٰن ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ	۵۰ھ	جون ۶۷۰ء
۱۱	وفات حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ	۷۳ء	اکتوبر ۲۹۲ء
۱۲	وفات حضرت عکرمہ مولیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	۸۱ھ	جولائی ۷۰۰ء
۱۳	حضرت محمد ابن قاسم رحمہ اللہ سندھ آئے	۹۲ھ	مارچ ۷۱۱ء
۱۴	وفات حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ	۹۴ھ	مارچ ۷۱۳ء
۱۵	وفات حضرت امام زفر رحمہ اللہ	۱۵۸ھ	اپریل ۷۷۵ء
۱۶	وفات خلیفہ ہارون الرشید وخلافت الامین	۱۹۳ھ	مارچ ۸۰۹ء
۱۷	وفات سیبویہ النحوی	۱۹۴ھ	مارچ ۸۱۰ء
۱۸	وفات امام ابوعیسیٰ ترمذی	۲۵، ۲۷۹ھ	
۱۹	وفات امام شاطبی القاری	۵۹۰ھ	مئی ۱۱۹۴ء

۲۰	شہادت حضرت فریدالدین عطار	۶۲۰ھ	جولائی ۱۲۲۳ء
۲۱	وفات مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ	۱۵/۶۷۲ھ	دسمبر ۱۲۷۳ء
۲۲	وفات حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمہ اللہ	۱۰۱۲ھ	نومبر ۱۶۰۳ء
۲۳	وفات اکبر بادشاہ حکومت جہانگیر	۱۰۱۴ھ	اکتوبر ۱۶۰۵ء
۲۴	وفات جہانگیر و حکومت شاہجہاں	۱۰۳۷	فروری ۱۶۲۸ء
۲۵	وفات سلطان العارفین حضرت سلطان باہو	۱۱۰۲ھ	۲ مارچ ۱۶۹۱ء
۲۶	مجلس احرار نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے ختم نبوت تحریک چلائی	۱۲/۱۳۷۲ھ	۲۷ فروری ۱۹۵۳ء

(ماخوذ دینی دستر خوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل و احکام و دیگر تاریخی کتب و رسائل)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

رجب المرجب

پہلا خطبہ

ماہ رجب..... چند غلط فہمیوں کا ازالہ.......... شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

دوسرا خطبہ

سفر معراج کی تفصیلات.............. حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا خطبہ

اصلاح باطن...................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چوتھا خطبہ

تہذیب اخلاق...................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

پانچواں خطبہ

حفاظت شکم وشرم گاہ................. حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

چھٹا خطبہ

اخلاص وصدق...................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

ساتواں خطبہ

کینہ حسد اور غصہ کی قباحت..................... حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

مع رجب المرجب کے اہم تاریخی واقعات پر ایک نظر

پہلا خطبہ

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ماہ رجب کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں ان کی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

رجب کا چاند دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل

اس پورے مہینے کے بارے میں جو بات صحیح سند کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تھے تو چاند دیکھ کر آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

"اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے"۔

یعنی ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہم اپنی زندگی میں رمضان کو پالیں' گویا کہ ہم پہلے سے رمضان المبارک کی آمد کا اشتیاق ہوتا تھا۔ یہ دعا آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے' اس لئے یہ دعا کرنا سنت ہے اور اگر کسی نے شروع رجب میں یہ دعا نہ کی ہو تو وہ اب یہ دعا کر لے۔ اس کے علاوہ اور چیزیں جو عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں ان کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

شب معراج کی فضیلت ثابت نہیں

مثلاً ۲۷ رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ یہ شب معراج ہے اور اس شب کو بھی اسی طرح گزارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے اور جو فضیلت شب قدر کی ہے' کم و بیش شب معراج کی بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "شب معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے" اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کر دیئے کہ اس رات میں اتنی رکعات پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں فلاں فلاں سورتیں پڑھی جائیں۔ خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ خوب سمجھ لیجئے: یہ سب بے اصل باتیں ہیں شریعت میں ان کی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں۔

شب معراج کی تعیین میں اختلاف

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷ رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی رات ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے، کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لے گئے تھے، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا ہے اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سی رات صحیح معنی میں معراج کی رات تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔

اگر یہ فضیلت والی رات ہوتی تو اس کی تاریخ محفوظ ہوتی

اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی اور اسکے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب قدر کے بارے میں ہیں تو اس کی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا لیکن چونکہ شب معراج کی تاریخ محفوظ نہیں تو اب یقینی طور سے ۲۷ رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں۔

وہی ایک رات فضیلت والی تھی

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۷ رجب ہی کو معراج کیلئے تشریف لے گئے تھے جس میں یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مقام قرب عطا فرمایا اور اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا اور امت کیلئے نمازوں کا تحفہ بھیجا تو بے شک وہی ایک رات بڑی فضیلت والی تھی کسی مسلمان کو اس کی فضیلت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے لیکن یہ فضیلت ہر سال آنے والی ۲۷ رجب کی شب کو حاصل نہیں۔

آپ کی زندگی میں ۱۸ مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی لیکن

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ معراج سن ۵ نبوی میں پیش آیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی بننے کے پانچویں سال یہ شب معراج پیش آئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۱۸ سال تک آپ دنیا میں تشریف فرما رہے لیکن ان اٹھارہ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو یا اس کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجرو

ثواب کا باعث ہے۔ نہ تو آپ کا ایسا کوئی ارشاد ثابت ہے اور نہ آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اس کی تاکید فرمائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے طور پر اس کا اہتمام فرمایا۔

اس کے برابر کوئی احمق نہیں

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سو سال تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا میں موجود رہے اس پوری صدی میں کوئی ایک واقعہ ایسا ثابت نہیں ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ۲۷ رجب کو خاص اہتمام کر کے منایا ہو۔ لہٰذا جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کی اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی اس کو دین کا حصہ قرار دینا یا اس کو سنت قرار دینا یا اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کرنا بدعت ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ جانتا ہوں کہ کون سی رات زیادہ فضیلت والی ہے، یا کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ مجھے عبادت کا ذوق ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عمل نہیں کیا تو میں اس کو کروں گا تو اس کے برابر کوئی احمق نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ دین کو جاننے والا کون

لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے اور دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے وہ دین کی فہم نہیں رکھتا۔

اس رات میں عبادت کا اہتمام بدعت ہے

لہٰذا اس رات میں عبادت کیلئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے۔ یوں تو ہر رات میں اللہ تعالیٰ جس عبادت کی توفیق دے دیں وہ بہتر ہی بہتر ہے، لہٰذا آج کی رات بھی جاگ لیں، کل کی رات بھی جاگ لیں، اسی طرح پھر ستائیسویں رات کو بھی جاگ لیں، لیکن اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق اور کوئی نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

۲۷ رجب کا روزہ ثابت نہیں

اسی طرح ستائیس رجب کا روزہ ہے، بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھتے ہیں جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے، اسی طرح ستائیس رجب کے روزے کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعت کا سدباب کیا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بعض لوگ ۲۷ رجب کو روزہ رکھنے لگے، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ ۲۷ رجب کا خاص اہتمام کر کے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں تو چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا ادھر ادھر ہونا ممکن نہیں تھا چنانچہ وہ فوراً گھر سے نکل پڑے اور ایک ایک شخص کو جا کر زبردستی فرماتے کہ تم میرے سامنے کھانا کھاؤ اور اس بات کا ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے باقاعدہ اہتمام کر کے لوگوں کو کھانا کھلایا تاکہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ آج کا روزہ زیادہ فضیلت کا ہے بلکہ جیسے اور دنوں میں نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں اسی طرح اس دن کا بھی نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ آپ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا تاکہ بدعت کا سدباب ہو اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو۔

اس رات میں جاگ کر کون سی برائی کرلی؟

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس رات میں جاگ کر عبادت کرلی اور دن میں روزہ رکھ لیا تو کون سا گناہ کرلیا کیا ہم نے چوری کرلی؟ یا شراب پی لی؟ یا ڈاکہ ڈالا؟ ہم نے رات میں عبادت ہی تو کی ہے اور اگر دن میں روزہ رکھ لیا تو کیا خرابی کا کام کیا ہے؟

دین ''اتباع'' کا نام ہے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتلا دیا کہ خرابی یہ ہوئی کہ اس دن کے اندر روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا اور خود ساختہ اہتمام والتزام ہی اصل خرابی ہے۔ میں یہ کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ ''اتباع'' ہے کہ ہمارا حکم مانو، نہ روزہ رکھنے میں کچھ رکھا ہے، نہ افطار کرنے میں کچھ رکھا ہے اور نہ نماز پڑھنے میں کچھ رکھا ہے جب ہم کہیں کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت ہے اور جب ہمیں کہیں کہ نماز نہ پڑھو تو نماز نہ پڑھنا عبادت ہے، جب ہم کہیں کہ روزہ رکھو

تو روزہ رکھنا عبادت ہے اور جب ہم کہیں کہ روزہ نہ رکھو تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے اگر اس وقت روزہ رکھو گے تو یہ دین کے خلاف ہوگا تو دین کا سارا کھیل ''اتباع'' میں ہے اگر اللہ تعالیٰ یہ حقیقت دل میں اتار دے تو ساری بدعتوں کی خودساختہ التزامات کی جڑ کٹ جائے۔

وہ دین میں زیادتی کر رہا ہے

اب اگر کوئی شخص اس روزے کا زیادہ اہتمام کرے تو وہ شخص دین میں اپنی طرف سے زیادتی کر رہا ہے اور دین کو اپنی طرف سے گھڑ رہا ہے۔ لہٰذا اس نقطہ نظر سے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے اس کی ممانعت نہیں لیکن اس کی زیادہ فضیلت سمجھ کر اس کو سنت سمجھ کر اس کو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اس دن روزہ رکھنا یا اس رات میں جاگنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

کونڈوں کی حقیقت

شب معراج کی تو پھر بھی کچھ اصل ہے کہ اس رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے اعلیٰ مقام پر تشریف لے گئے تھے لیکن اس سے بھی زیادہ آج کل معاشرے میں فرض وواجب کے درجے میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کئے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے۔ خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے؟ نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے نہ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور نہ بزرگان دین سے، کہیں سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں اور اس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو لیکن کونڈے ضرور ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مزہ اور لذت آتی ہے اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے، کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہئے اور کوئی حظ نفس کا سامان ہونا چاہئے اور ہوتا یہ ہے کہ جناب! پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے اور ادھر سے ادھر جا رہی ہیں اور ادھر سے ادھر آ رہی ہیں اور ایک میلہ لگا ہوا ہے، تو چونکہ یہ بڑے مزے کا کام ہے، اس واسطے شیطان نے اس میں مشغول کر دیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو وہ کوئی ضروری نہیں مگر یہ کام ضرور ہونا چاہئے۔

یہ امت خرافات میں کھو گئی

بھائی! ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کر دیا ہے۔

حقیقت روایات میں کھو گئی یہ امت خرافات میں کھو گئی

اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں۔ اس کے بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے' اس لئے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا لیکن دین سے واقف نہیں' ان بیچاروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہوتی ہے اور گوشت ادھر سے ادھر جاتا ہے' یہ بھی قربانی کی طرح کوئی ضروری چیز ہوگی اور قرآن وحدیث میں اس کا بھی کوئی ثبوت ہوگا' اس لئے ایسے لوگوں کو محبت' پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے اور ایسی تقریبات میں خود شریک ہونے سے پرہیز کیا جائے۔

خلاصہ: بہر حال! خلاصہ یہ ہے کہ رجب کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے' اس لئے رمضان کیلئے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مہینے پہلے سے دعا بھی فرما رہے ہیں اور لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اب اس مبارک مہینے کیلئے اپنے آپ کو تیار کرلو اور اپنا نظام الاوقات ایسا بنانے کی فکر کرو کہ جب یہ مبارک مہینہ آئے تو اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی فہم عطا فرمائے اور صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

دوسرا خطبہ

سفرِ معراج کی تفصیلات

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

جب رجب کا مہینہ آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگتے کہ اے اللہ! برکت دے ہمارے رجب میں اور شعبان میں اور پہنچا ہم کو رمضان تک (بیہقی) اس ماہ کی ستائیسویں شب کو معراج ہوئی ہے اور چند روایتیں ۲۷ تاریخ کو روزہ رکھنے کے بارے میں آتی ہیں لیکن کوئی قوی سند سے مروی نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ روزہ نہ رکھا جاوے ہاں اگر کوئی سنت نہ سمجھے بوجہ ضعف روایات کے اور ویسے ہی روزہ رکھ لے کہ اگر زیادہ ثواب نہ ملا تو نفل روزہ کا ثواب مل جاوے گا تو مضائقہ نہیں اور بعض لوگ قصہ معراج کو اس رات میں بیان کرتے ہیں۔ اسی کا وہی حکم ہے جو مولود شریف کا حکم گزر چکا ہے اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے البتہ لے جائے گئے آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک (یہاں تک کہ ساتوں آسمان سے گزر گئے)۔

معزز سامعین! ماہ رجب المرجب کے اہم مسائل آپ نے خطبہ اور اس کے ترجمہ میں سنے۔ اب میں اس ماہ کے اہم ترین واقعہ معراج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تفصیلات جملہ روایات کی قصہ روشنی میں بیان کرتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے کہ یہ اہم واقعہ عقائد سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی عطا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود تشریف لے گئے۔ (معراج روحانی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہے)

کمالات نبویہ کے عظیم الشان واقعات میں سے ایک واقعہ معراج کا بھی ہے جو امام زہری کے قول کے مطابق مکہ میں سن ۵ نبوی میں ہوا۔ (کذا قالہ النووی)

جس کے راوی (مردوں میں) یہ صحابی ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ

عنہ' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ' حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ' حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ' حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ' حضرت ابوحبہ رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ' حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور (عورتوں میں سے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے سوا اور بھی۔ اب چند واقعات تفصیل سے ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا تھا۔ (رواہ البخاری)

ایک روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) شعب ابی طالب میں تھے۔ (رواہ الواقدی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُم ہانی کے گھر میں تھے۔ (رواہ الطبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی۔ (رواہ البخاری)

فائدہ: ان تمام روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُم ہانی کے گھر میں تھے جو شعب ابی طالب کے پاس تھا ان کے گھر کو اپنا گھر فرمایا وہاں سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حطیم میں لے گئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس وقت نیند کا اثر باقی تھا اس لیے وہاں پہنچ کر بھی لیٹ گئے (ف) چھت کھولنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ابتداء ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی عادت کے خلاف معاملہ ہونے والا ہے۔

دوسرا واقعہ: کچھ سونے کچھ جاگنے کی حالت تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے۔ ایک نے کہا وہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان (حاضرین) میں سے کون ہیں؟ دوسرا بولا: وہ جو سب سے اچھے ہیں۔ تیسرا بولا: تو پھر جو سب سے اچھا ہے اسی کو لے لو۔ اگلی رات کو پھر وہ تینوں آئے اور کچھ بولے نہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُٹھا کر لے گئے۔ (رواہ البخاری)

فائدہ: یہ حالت کہ کچھ سونے کچھ جاگنے کی ابتداء میں تھی اور اسی کو سونا کہہ دیا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جاگ اُٹھے اور تمام واقعہ میں جاگتے رہے اور بعض روایت میں معراج کے آخر میں آتا ہے کہ پھر میں جاگ اُٹھا۔ مراد یہ ہے کہ اس حالت سے فاقہ ہو گیا اور بعض نے اس زیادتی کو صحیح نہیں کہا ہے۔ یہ جو کہا گیا کہ ان حاضرین میں سے کون ہیں اس کی وجہ یہ

ہے کہ قریش خانہ کعبہ میں آس پاس سویا کرتے تھے۔ (رواہ الطبرانی)

طبرانی میں ہے کہ اول جبریل ومیکائیل علیہما السلام آئے اور یہ گفتگو کر کے چلے گئے پھر تین شخص آئے۔ مسلم میں ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے: ان تین میں سے ایک شخص ہیں جو دو شخصوں کے درمیان میں ہیں۔ مواہب میں ہے کہ مراد ان دو شخصوں سے حضرت حمزہؓ حضرت جعفرؓ ہیں کیونکہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دونوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے۔

تیسرا واقعہ: پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینہ اوپر سے نیچے پیٹ تک چاک کیا گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل نکالا گیا اور سونے کے تھال میں زمزم شریف کا پانی تھا اس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل دھویا گیا پھر ایک تھال آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا وہ دل میں بھر دیا گیا اور دل کو اسی جگہ رکھ کر درست کر دیا گیا۔ (کذا رواہ مسلم من روایتین عن ابی الجاذر و مالک بن صعصعہ)

فائدہ: ملائکہ نے زمزم شریف سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کو دھویا حالانکہ حوض کوثر سے بھی پانی آ سکتا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آب زمزم کوثر سے افضل ہے۔ (قالہ شیخ الاسلام البلقینی)

سونے کے منع ہونے کے باوجود سونے کے تھال کے استعمال میں کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ سونے کے حرام ہونے کا حکم بعد میں ہوا ہو تو اس وقت سونے کا استعمال حرام نہ تھا۔ (فتح الباری)

دوسرا یہ کہ معراج آخرت کے امور میں سے تھی اور آخرت میں سونے کا استعمال جائز ہوگا۔ تیسرا یہ کہ آپ نے خود استعمال نہیں کیا بلکہ ملائکہ نے کیا اور ملائکہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ (عن ابن ابی حمزہ)

ایمان وحکمت کا تھال میں ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ جواہر غیبیہ میں قوت اور فرحت بڑھتی ہے چونکہ وہ حکمت وایمان کا سبب تھا اس لیے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ (کذا قالہ النووی)

چوتھا واقعہ: پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جو براق کہلاتا ہے۔ دراز گوش سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا نیچا تھا۔ اس قدر برق رفتار کہ اپنے منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے۔ (کذا رواہ مسلم) اور اس پر زین ولگام تھی۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: تجھ کو کیا ہوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ عزت والا کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا بس وہ (شرمندگی سے) پسینہ پسینہ ہوگیا (اور ساری شوخی ختم ہوگئی)۔ (رواہ

الترمذی) اس پر سوار ہوئے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ (عن شرف المصطفیٰ بروایت ابن سعد)

فائدہ: براق کی شوخی غصہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ خوشی کی وجہ سے تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتبہ کا خیال آنے اور تنبیہ ہونے پر شرمندہ ہوکر ہلنا بند کردیا جیسے ایک بار حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پہاڑ پر تشریف فرما تھے اس کو حرکت ہوئی تو آپ کے ارشاد "اثبت فانما علیک نبی و صدیق و شھیدان" سے ساکن ہوگیا۔ بعض روایات میں جو آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور دنیا کے آسمان پر پہنچے۔ (رواہ البخاری) اور بعض میں آیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جبریل علیہ السلام نے براق پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحارث فی سندہ) ان روایات کو روایت بالا سے تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اول تو جبریل علیہ السلام بھی اس مصلحت سے سوار ہوئے ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طبعی خوف معلوم نہ ہو پھر اُتر کر رکاب تھام لی اور دونوں حالتوں میں کبھی کبھی ضرورت کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تھامنے کے لیے ہاتھ پکڑ لیتے ہوں۔

پانچواں واقعہ: جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) منزل مقصود پر روانہ ہوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: اُتر کر یہاں نماز (نفل) پڑھیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے یثرب (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے۔ پھر ایک سفید زمین پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: (یہاں بھی) اُتر کر نماز پڑھیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔ پھر (آپ کا) گزر بیت اللحم پر ہوا۔ وہاں بھی نماز پڑھوائی گئی اور کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (رواہ البزار والطبرانی وصححہ البیہقی فی الدلائل)

ایک روایت میں بجائے مدین کے طور سیناء ہے کہ آپ نے طور سیناء پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ (کذا رواہ النسائی)

چھٹا واقعہ: جس میں برزخ کے عجیب واقعات ملاحظہ فرمائے۔ وہ یہ ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک بڑھیا پر ہوا جو راستہ میں کھڑی تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا: جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: چلئے چلئے آپ چلتے رہے ایک بوڑھا ملا جو الگ کھڑا تھا اور آپ (صلی اللہ علیہ

وسلم) کو بلا رہا تھا کہ محمد اِدھر آیئے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا چلئے چلئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک جماعت پر ہوا انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ السلام علیک یا اول السلام علیک یا آخر السلام علیک یا حاشر۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: ان کو جواب دیجئے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا: وہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی وہ دنیا تھی، دنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے جتنی بڑھیا کی عمر رہ جاتی ہے جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پکارا تھا وہ ابلیس تھا۔ اگر آپ ابلیس کے اور دنیا کے پکارنے کا جواب دے دیتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام تھے۔ (رواہ البیہقی فی الدلائل وقال الحافظ عماد الدین بن کثیر فی الفاظہ نکارۃ وغرابۃ)

اور طبرانی اور بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں بوبھی لیتے تھے اور کاٹ بھی لیتے تھے اور جب کاٹتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کاٹنے سے پہلے تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکیاں سات گنا تک بڑھتی ہیں، وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل (بہترین بدلہ) عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جا رہے ہیں اور جب وہ کچل جاتے ہیں تو پھر دوبارہ صحیح ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ذرا بند نہیں ہوتا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے بے توجہی کرتے تھے۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک قوم پر ہوا کہ ان کی شرمگاہ پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے، جانوروں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم (جہنم کا درخت ہے) اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا۔ آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں گوشت پکا ہوا رکھا ہے اور ایک ہنڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے۔ وہ سڑے ہوئے گوشت کو

کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کا وہ مرد ہے جس کے پاس حلال پاک بیوی تھی مگر وہ ناپاک عورت کے پاس آتا اور رات گزارتا یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔ اسی طرح وہ عورت ہے جو اپنے حلال پاک شوہر کے پاس سے اُٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آتی اور رات اس کے پاس گزارتی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔

پھر ایک شخص پر گزر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر رکھا تھا کہ وہ اس کو اُٹھا نہیں سکتا اور وہ اس میں لکڑیاں لا کر رکھتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی اُمت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کے بہت حقوق اور امانت ہیں جن کے ادا پر قادر نہیں اور وہ زیادہ لدتا چلا جاتا ہے۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور جب وہ کٹ جاتے ہیں تو پہلی ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اور سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے واعظ ہیں۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے پھر شرمندہ ہو مگر اس کو واپس نہ لے سکتا ہو۔ پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور وہاں ایک ٹھنڈی پاکیزہ ہوا اور مشک کی خوشبو آئی' وہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک آواز سنی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ جنت کی آواز ہے وہ کہتی ہے۔ اے رب! آپ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے مجھ کو دیجئے' کیونکہ میرے بالاخانے' استبرق' ریشم' سندس' عقرب' موتی' مونگے' چاندی' سونا' گلاس' تشتریاں' دستہ دار کوزے' مرکب (مختلف چیزوں کے مخلوط شربت وغیرہ) شہد' پانی' دودھ اور شراب بہت زیادہ ہو گئے ہیں تو اب میرے وعدے کی چیز (یعنی جنتی لوگ) مجھ کو دیجئے (کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: تیرے لیے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت اور مؤمن مرد اور مؤمن عورت ہے اور (وہ) جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے' میرے ساتھ شرک نہ کرے' میرے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور جو مجھ

سے ڈرے گا وہ امن میں رہے گا' جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا جو مجھ کو قرض دے گا میں اس کو جزا دوں گا' جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کی کفایت کروں گا۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں' میں وعدہ خلافی نہیں کرتا' بے شک مؤمنوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہیں بابرکت ہیں' جنت نے کہا: میں راضی ہوگئی۔

پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ جہنم کی آواز ہے کہتی ہے: اے رب! مجھ سے آپ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے (دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ کو عطا فرمائیے کیونکہ میری زنجیریں' طوق' شعلے' گرم پانی' پیپ' عذاب بہت زیادہ ہوگئے ہیں میری گہرائی بہت لمبی اور گرمی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: تیرے لیے ہے ہر مشرک اور مشرکہ اور کافر اور کافرہ اور ہر متکبر دشمنی کرنے والا جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا' دوزخ نے کہا: میں راضی ہوگئی۔

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: مجھے دائیں طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا' میری طرف نظر کیجئے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں' میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا' پھر ایک اور (شخص) نے مجھ کو بائیں طرف سے اسی طرح پکارا' میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت نظر آئی جو اپنے ہاتھوں کو کھولے ہوئے تھی اور ہر قسم کی سجاوٹ تھی جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ اس نے بھی کہا: اے محمد! میری طرف نظر کیجئے' میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں' میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا' اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی اُمت یہودی ہوجاتی اور دوسرا پکارنے والا عیسائی کا داعی تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی اُمت عیسائی ہوجاتی اور وہ عورت دنیا تھی (یعنی اس کی پکار پر جواب دینے کا اثر یہ ہوتا کہ آپ کی اُمت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جیسا اوپر آچکا ہے) (یعنی چھٹے واقعے کے شروع میں) اور (ظاہر میں یہ واقعات آسمان پر جانے سے پہلے دیکھے گئے۔ (چنانچہ دلائل بیہقی والی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ وارد ہیں فقال لہا جبریل) اور بعض واقعات میں آسمان پر جانے کے بعد دیکھنے کی صراحت آئی ہے۔

اسی حدیث بالا میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان دنیا پر تشریف لے گئے اور وہاں

آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں بہت سے خوان رکھے دیکھے جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے مگر اس پر کوئی شخص نہیں اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور اس پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھریوں جیسے ہیں جب ان میں سے کوئی ایک اُٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایسی قوم پر ہوا کہ ان کے ہونٹ اونٹ جیسے ہیں وہ قوم چنگاریاں نگلتی ہیں تو وہ ان کے نیچے سے نکل رہی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور ان ہی کھلایا جاتا تھا وہ لوگ چغل خور اور عیب دیکھنے والے تھے۔

فائدہ: عالم برزخ جگہ کے اعتبار سے کہیں بھی ہو مگر اس کے نظر آنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ دیکھنے والا بھی اسی جگہ پر ہو اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ احوال ان صورتوں کے نظر آئے ہوں جو آدم علیہ السلام کے بائیں طرف تھیں جن کا ذکر دسویں واقعہ میں آئے گا اور بعض دیکھی گئی چیزوں کے بارے میں وضاحت نہیں کی کہ آسمان پر جانے سے پہلے دیکھی گئی ہیں یا آسمان پر جانے کے بعد دیکھی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج کرائی گئی تو بعض ایسے انبیاء پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعض ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا یہاں تک کہ آپ کا گزر بہت بڑے مجمع پر ہوا' میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا: موسیٰ اور ان کی قوم ہیں لیکن اپنا سر اوپر اُٹھایئے اور دیکھئے (میں) دیکھتا کیا ہوں کہ اتنا عظیم الشان مجمع ہے کہ سارے آسمان کو گھیر رکھا ہے۔ کہا گیا: یہ آپ کی اُمت ہے اور آپ کی اُمت میں سے ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (کذا رواہ الترمذی)

ساتواں واقعہ: جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس پہنچے۔ حضرت انس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں: میں نے براق اس حلقہ سے باندھ دیا ہے جس سے انبیاء علیہم السلام (اپنی سواریوں کو) باندھتے تھے اور بزار نے بریدہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بیت المقدس میں جو پتھر ہیں اس میں انگلی سے سوراخ کر کے اس سے براق کو باندھ دیا۔

فائدہ: دونوں روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ وہ حلقہ تو پرانے زمانے سے ہو لیکن کسی وجہ سے بند ہو گیا ہو، جبریل علیہ السلام نے انگلی سے کھول دیا ہو اور دونوں حضرات باندھنے میں شریک ہوں اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ باندھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ وہ تو مسخر کر کے بھیجا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس عالم میں آنے سے اس میں کچھ یہاں کے آثار پیدا ہو گئے ہوں اگر بھاگنے کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی اس کی شوخی وغیرہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کے پریشان ہونے کا احتمال ہو اور حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ (کہ اس کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں)۔

آٹھواں واقعہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس پہنچے اور اس مقام پر پہنچے جس کا نام باب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے تو براق کو باندھ کر دونوں صاحب مسجد کے صحن میں پہنچے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو حورعین دکھائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں! جبریل علیہ السلام نے کہا: ان عورتوں کے پاس جائیے اور ان کو سلام کیجئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم کس کے لیے ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیک ہیں حسین ہیں اور ایسے مردوں کی بیویاں ہیں جو پاک صاف ہیں میلے نہ ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے کبھی جنت سے جدا نہ ہوں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔

وہاں سے ہٹ کر تھوڑی سی دیر گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان کہی اور تکبیر کہی گئی۔ ہم صف باندھ کر منتظر کھڑے تھے کہ کون امام بنے گا۔ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: آپ کو معلوم ہے کن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا: جتنے بھی نبی دنیا میں بھیجے گئے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

بیہقی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں اور جبریل بیت المقدس (کی مسجد) میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ ابن مسعود کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ میں مسجد میں گیا تو انبیاء علیہم السلام کو میں نے پہچانا' کوئی صاحب کھڑے ہیں کوئی رکوع میں ہیں اور کوئی سجدہ میں ہیں۔ پھر ایک اذان کہنے والے نے اذان کہی اور ہم صفوف درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کریں گے۔ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھا دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے کہ نماز کا وقت آ گیا اور میں ان کا امام بنا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد اقصیٰ پہنچے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو تمام انبیاء آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ بیہقی میں ابوسعید سے اس طرح روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی (یعنی اس جماعت کے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) امام بنے۔ جب نماز پوری ہو گئی تو فرشتوں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ فرشتوں نے کہا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر سلام نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں (یعنی ہمارے بھائی اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ)۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی اور ان سب نے اپنے رب کی تعریف بیان کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تقریر کی کہ تمام تر حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بس مجھ کو خلیل (اپنا دوست) بنایا' مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا' مجھ کو (لوگوں کا) مقتداء' فرمانبردار بنایا کہ میرا اقتداء کیا جاتا ہے' مجھ کو (نمرود کی) آگ سے نجات دی اور اس کو میرے حق میں ٹھنڈا اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے رب کی تعریف بیان کر کے یہ تقریر کی کہ تمام تر حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا اور مجھ کو چنا ہوا بنایا' مجھ پر توریت نازل فرمائی' فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری اُمت کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق عدل کرتے ہیں۔

پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کر کے یہ تقریر کی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ

کے لیے ہیں جس نے مجھ کو ملکِ عظیم عطا فرمایا' مجھ کو زبور کا علم دیا' میرے لیے لوہے کو نرم کیا' میرے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے ہیں' پرندوں کو بھی (تسبیح کے لیے مسخر بنایا) مجھ کو حکمت اور صاف تقریر عنایت فرمائی۔

پھر سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کے بعد تقریر کی کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہوا کو مسخر کیا' شیاطین کو مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا وہ بناتے تھے جیسے عالی شان عمارت' مجسم تصاویر (کہ اس وقت درست تھیں) مجھ کو پرندوں کی بولی کا علم دیا' اپنے فضل سے مجھ کو ہر قسم کی چیز دی' میرے لیے شیاطین' انسان' جن اور پرندوں کے لشکروں کو مسخر کیا' مجھ کو ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو گی اور میرے لیے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے متعلق مجھ سے کچھ حساب نہ ہو گا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف بیان کر کے یہ تقریر کی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ کو اپنا کلمہ بنایا اور مجھ کو آدم (علیہ السلام) کے مشابہ بنایا' انکو مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ تو (ذی روح) ہو جا اور وہ (ذی روح) ہو گئے' مجھ کو لکھنا سکھایا' تورات و انجیل کا علم دیا' مجھ کو ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل کا ڈھانچا بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تو وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ مجھ کو ایسا بنایا کہ میں بحکم خدا پیدائشی اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا' مردوں کو زندہ کر دیتا تھا' مجھ کو پاک کیا' مجھ کو اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی۔ بس ہم پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔

پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کی تعریف بیان کی اور فرمایا: تم سب نے اپنے رب کی تعریف بیان کی اور میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا' مجھ پر فرقان یعنی قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر (دینی ضروری) بات کا بیان ہے (خواہ صاف ہو یا اشارہ سے ہو) میری اُمت کو بہترین اُمت بنایا کہ لوگوں کے نفع (دین) کے لیے پیدا کی گئی ہے اور میری اُمت کو انصاف کرنے والی اُمت بنایا' میری اُمت کو ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہیں (یعنی رتبہ میں) اور آخر بھی ہیں (یعنی زمانہ میں) میرے سینہ کو کشادہ بنایا اور میرا بوجھ ہلکا کیا' میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا۔ (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سب سے خطاب کر کے) فرمایا: بس ان کمالات کے سبب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے بڑھ گئے۔

ایک روایت میں آپ نے بالخصوص تین پیغمبروں کا ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام' عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور ہر ایک کا حلیہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے ہی مجھ کو سلام کیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لیلۃ الاسراء میں میں نے دجال کو بھی دیکھا اور خازن جہنم کو بھی دیکھا۔ (کذا رواہ مسلم)

نواں واقعہ: ایک روایت میں ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے دو برتن لائے' ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت (یعنی طریق دین) کو اختیار فرمایا۔ پھر آسمان پر تشریف لے گئے۔ (کذا رواہ مسلم) اور احمد کی روایت میں ہے کہ ایک دودھ کا اور ایک شہد کا برتن آیا ہے۔ بزار کی روایت میں تین برتن آئے ہیں دودھ پینے کی چیز اور پانی کا برتن اور شداد بن اوس کی روایت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ نماز کے بعد مجھ کو پیاس لگی' اس وقت یہ برتن حاضر کیے گئے اور جب میں نے دودھ اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ: براق کے باندھنے کے بعد جو واقعات مذکور ہیں ان میں ترتیب اس طرح سمجھ آتی ہے۔

(۱) مسجد کے صحن میں پہنچ کر حوروں سے ملنا اور بات کرنا۔

(۲) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جبریل علیہ السلام کا دو رکعت نماز پڑھنا غالباً یہ تحیۃ المسجد ہے۔ اس وقت غالباً چند دوسرے انبیاء علیہم السلام پہلے سے جمع تھے جن کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مختلف حالتوں میں دیکھا' کسی کو رکوع کی حالت میں اور کسی کو سجدہ کی حالت میں۔ یہ سب تحیۃ المسجد پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کو پہچانا بھی اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی تمام حضرات اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر اسی تحیۃ المسجد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی ہو گئے ہوں گے۔

(۳) پھر بقیہ انبیاء علیہم السلام کا جمع ہونا۔

(۴) پھر اذان و تکبیر ہونا اور جماعت ہونا جس میں آپ امام تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام اور چند

فرشتے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقتدی تھے۔ ان میں سے بعض کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہچانتے نہ تھے۔ اسی لیے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ تمام انبیاء جو مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ یہ کون سی نماز تھی اس کی تحقیق تیسویں واقعہ کے ذیل میں آئے گی۔ اذان و اقامت یا تو ایسی ہی ہوگی جس طرح اب ہے اور اس کا حکم مدینہ پہنچنے کے بعد ہوا ہو یا اور طرح کی ہوگی۔

(۵) پھر فرشتوں سے تعارف ہونا شاید خازن جہنم سے ملاقات بھی اسی ضمن میں ہوئی ہو جس میں انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اور نام سن کر فرشتوں نے پوچھا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان فرشتوں کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ علم تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ایسا ہونے والا ہے۔ اس میں مزید دو احتمال ہیں یا تو ابھی تک نبوت کے ملنے کا علم نہ ہوا ہو کیونکہ فرشتوں کے کام مختلف ہیں' دوسرے کاموں کا علم ہر وقت نہیں ہوتا یا نبوت کا علم پہلے سے ہو اور پوچھنے کا مقصود یہ ہو کہ معراج کے لیے ان کے پاس حکم پہنچ چکا ہے اور اسی طرح آگے جو آسمانوں میں سوال ہوا ہے وہاں بھی یہی بات ہے۔

(۶) پھر حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہونا۔ (۷) پھر سب حضرات کا خطبہ پڑھنا۔

(۸) پھر پیالوں کا پیش ہونا جن کی روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار تھے دودھ' شہد' شراب' پانی' کسی نے دو کہے اور کسی نے تین کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے یا یہ کہ تین ہوں' ایک پیالے میں پانی ہو جو مٹھاس میں شہد جیسا ہو تو کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی کہہ دیا ہو۔ (یہاں دو باتیں ہیں' ایک شراب حرام چیز ہے تو وہ کیوں پیش کی گئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ دودھ کو اختیار کرنے اور باقی چیزوں کو رد کرنے کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے ہر صورت میں شراب اس وقت تک حرام نہ تھی کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامان فرحت ضرور ہے اس لیے دنیا کے مشابہ ہے۔ یہ وجہ ہوئی شراب کو اختیار نہ کرنے کی) شہد بھی اکثر لذت کے لیے پیا جاتا ہے غذا کے لیے نہیں پیا جاتا تو یہ بھی زائد چیز ہے اور اس میں دنیاوی لذت کی طرف اشارہ ہے اور پانی بھی غذا کا مددگار ہے غذا نہیں ہے۔ جس طرح دنیا دین کی مددگار ہے مقصود نہیں (یہ وجہ ہوئی شہد اور پانی کو اختیار نہ کرنے کی) اور دین سے خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ سے غذائے جسمانی مقصود ہے اور غذائیں اگرچہ اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح اس لیے ہے کہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے (یہ وجہ ہوئی دودھ کے اختیار کرنے کی) اس طرح برتنوں کا سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش

ہونا آیا ہے جیسا آگے آئے گا تو یہ پیالوں کا پیش ہونا دوبارہ ہوا۔ (صرح بہ الحافظ عماد الدین ابن کثیر)

(۹) پھر آسمان کا سفر ہوا اور شاید یہاں پر انبیاء اور فرشتوں کا جمع ہونا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استقبال کے لیے ہوا ہو۔ واللہ اعلم

دسواں واقعہ: اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آسمانوں پر جانا ہوا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ براق پر تشریف لے گئے۔ بخاری میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ دل دھونے اور اس میں ایمان و حکمت بھرنے کے بعد مجھ کو براق پر سوار کیا گیا جس کا ایک قدم اس کے منتہائے نظر پر پڑتا ہے۔ مجھ کو جبریل لے چلے' یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی براق ہی پر تشریف لے گئے۔ گو درمیان میں بیت المقدس پر بھی اترے۔ بیہقی میں ابوسعید کی روایت میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ پھر (بیت المقدس میں اعمال سے فارغ ہونے کے بعد بیت المقدس کی) جڑ (یعنی بنیاد کی جگہ) میں میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا جس پر انسانوں کی ارواح (موت کے بعد) چڑھتی ہیں اس زینہ سے زیادہ خوبصورت مخلوق میری نظر سے نہیں گزری تم نے (بعض) مرنے والوں کو آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہوگا' وہ اس زینہ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

شرف مصطفیٰ میں ہے کہ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا۔ اس کو دائیں بائیں اوپر تلے سے فرشتے گھیرے ہوئے تھے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ایک چاندی اور ایک سونے کا زینہ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جبریل علیہ السلام اس پر چڑھے۔ ابن اسحاق کی روایت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے: ''جب میں بیت المقدس کے قصہ سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا اور میرے رفیق راہ (جبریل) نے مجھ کو اس پر چڑھایا یہاں تک کہ آسمان کے دروازے تک پہنچا۔''

فائدہ: (گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر براق پر ہوا۔ اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینہ کے ذریعے آسمان پر گئے تو اس کا جواب یہ ہے) کہ براق اور زینہ کی روایت میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ تھوڑا سفر براق پر کیا ہو۔ تھوڑا سفر زینے پر کیا ہو جس طرح مکرم مہمان کے سامنے کئی سواریاں پیش کی جاتی ہیں اور اس کو اختیار ہوتا ہے جس پر چاہے سفر کرے' خواہ تھوڑی تھوڑی مسافت سب پر سوار ہو کر ہی کیوں نہ طے کرے۔

گیارہواں واقعہ: حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان دنیا پر پہنچے' جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا' دربان فرشتوں کی طرف سے پوچھا گیا کون ہیں؟ کہا جبریل ہوں' پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں (رواہ البخاری)

بیہقی میں ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آسمانوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے۔ اس کا نام باب الحفظہ ہے اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اس کا نام اسماعیل ہے اس کی ماتحتی میں بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

(کیا فرشتوں کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے کی خبر نہیں تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ) بخاری کی ایک روایت میں بھی ہے کہ آسمان والوں کو خبر نہیں ہوتی کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا کیا کرنے کا ارادہ ہے جب تک کہ ان کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہ دے۔ جیسے یہاں جبریل کی زبانی سے معلوم ہوا۔ اس سے فرشتوں کے اس پوچھنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ کیا ان کے پاس کلام الٰہی پہنچا ہے۔ اس پوچھنے میں جو دو احتمال ذکر کیے گئے ہیں اس کی تفصیل آٹھویں واقعہ میں نمبر ۵ میں ذکر کی گئی ہے وہاں خود پوچھنے کی عقلی وجہ بھی لکھی گئی ہے اور اس نقلی دلیل سے اس عقلی وجہ کی تائید ہوگئی۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا آپ کا آنا مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک شخص کو بیٹھا دیکھا جن کے دائیں اور بائیں طرف کچھ صورتیں نظر آتی ہیں' جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ صورتیں دائیں اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں' دائیں والے جنتی اور بائیں والے جہنمی ہیں اس لیے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

بزار کی حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

کے دائیں طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے خوشبودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے اس میں سے بدبودار ہوا آتی ہے۔ جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔ شریک کی روایت بالا میں ہے کہ آپ نے آسمان دنیا میں نیل وفرات کو دیکھا اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی آسمان دنیا میں ایک اور نہر بھی دیکھی جس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے ہوئے ہیں اور وہ کوثر ہے۔

فائدہ: حضرت آدم علیہ السلام سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ پہلے بھی مل چکے تھے۔ اس طرح باقی آسمانوں میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے (کہ سب سے بیت المقدس میں ملے اور آسمان میں بھی ملے اور سب اپنی اپنی قبروں میں بھی ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تینوں جگہ موجود ہوں؟) اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسم کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح نے ان کے جسم کی شکل اختیار کرلی ہو یعنی غیر عنصری جسم جسے صوفیاء مثالی جسم کہتے ہیں روح نے اس جسم کی شکل اختیار کرلی ہو اور یہ جسم کئی بھی ہوگئے ہوں اور ایک ہی وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ہوگیا ہو لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے ہوا ہو اور ظاہراً یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا۔ اسی لیے باوجود بیت المقدس میں ملاقات ہونے کے آسمان میں نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر جسم کے ساتھ ہیں اس لیے ان کو وہاں دیکھنا جسم کے ساتھ ہوسکتا ہے لیکن ان کو بیت المقدس میں جو دیکھا جیسا کہ آٹھویں واقعہ میں گزرا ہے وہ جسم کے ساتھ نہیں تھا بلکہ بالمثال ہے کہ روح کا تعلق مثالی جسم کے ساتھ موت سے پہلے بھی عادت کے خلاف ممکن ہے اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس میں جسم کے ساتھ ہوں اور آسمان سے آگئے ہوں یا دونوں جگہ جسم کے ساتھ ہوں کہ پہلے آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں، بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ بھی ارواح کی صورتیں مثالیہ تھیں اور بزار کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمانوں پر موجود نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے ٹھکانہ پر تھیں اور اس ٹھکانے اور حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ کے درمیان دروازہ تھا اس دروازے سے ان صورتوں کا عکس حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ پر پڑتا ہوگا یا

وہ ہوا جو ان روحوں کی جگہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ تک آتی تھی وہ بھی جسم ہے۔اس میں ان صورتوں کا عکس پیدا کرنے کی خاصیت ہوگی جیسے ہوا شعاعوں سے بدل کر دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہیں (یعنی جب ہوا میں شعاعیں پڑتی ہیں تو ہوا شعاعوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور شعاعوں کی شکل میں نظر آتی ہیں) کیونکہ اس روایت میں دروازے کا ہونا آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دروازہ ان صورتوں کے یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔ واللہ اعلم

اس ساری تقریر پر یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ" (جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح آسمان پر نہیں جاسکتیں تو پھر آسمان دنیا پر یہ کافروں کی روحیں جو بائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟ (جواب یہ ہے کہ وہ آسمان میں نہیں تھیں بلکہ ان کا عکس وہاں پڑ رہا تھا)۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نیل اور فرات کو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں دیکھا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ نیل اور فرات تو زمین میں ہیں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا جواب سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں دیا جائے گا۔ یہاں صرف روایات کو جمع کرنے کی وجہ سمجھ لی جائے وہ یہ ہے کہ نیل وفرات کا اصل سرچشمہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ ہو اور پانی وہاں سے نکل کر آسمان دنیا پر جمع ہوتا ہو اور وہاں سے زمین میں آتا ہو۔ جیسا دوسری احادیث سے حوض کوثر کا جنت میں ہونا ظاہر ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ کوثر جب جنت میں ہے تو آسمان میں کیسے دیکھا؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اصل حوض کوثر وہاں ہو اور یہاں اس کی شاخ ہو جیسا کہ ایک شاخ میدان قیامت میں ہوگی۔

بارہواں واقعہ: بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحییٰ وعیسیٰ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا،

ان دونوں نے جواب دیا۔ پھر کہا صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید ہو۔

فائدہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ کے نواسے ہیں چونکہ نانی بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کو بمنزلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے فرمایا اور اگر یہ حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہوتیں تو یحییٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام خالہ زادہ بھائی ہوتے اس لیے مجازاً ان کو خالہ زاد فرمایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ کی اولاد میں سے ہیں اگر چہ بیٹے نہیں مگر نواسے ہیں اور ان دونوں نے بھائی اس لیے کہا کہ یہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باپ دادا میں سے نہیں ہیں۔

تیرہواں واقعہ: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ یوسف ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا اچھے بھائی اور اچھے نبی کے لیے خوش آمدید ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا میں نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن مسلم)

ایک روایت میں یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ”(میں نے) ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے اور لوگوں پر حسن میں ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند، تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔“ (بیہقی عن ابی سعید وطبرانی عن ابی ہریرہ)

فائدہ: ان روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ حسین تھے۔ اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب: حضرت یوسف علیہ السلام حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ تمام انسانیت میں خوبصورت ہیں۔ روایت میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ مراد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز بنا کر بھیجا لیکن تمہارے نبی سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (ترمذی عن انس)

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام صرف ایک چیز یعنی حسن میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ ہوں لیکن باقی تمام چیزوں میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے بڑھے ہوئے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں یا یوں کہا جائے کہ حسن کی مختلف قسمیں ہوں۔ ایک قسم میں حضرت یوسف علیہ السلام زیادہ حسین ہوں اور ایک قسم میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ حسین ہوں۔

ان دونوں قسموں میں افضلیت ایسی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ظاہری طور پر بہت زیادہ ہو اور ایک حد تک ہو اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حسن معنوی طور پر بہت لطیف اور نازک ہو اور اس حسن کی کوئی حد نہ ہو۔ پہلی قسم کا نام حسن صباحت (یعنی گورے پن کی وجہ سے حسن ہے) دوسری قسم کا نام حسن ملاحت (یعنی چہرے پر نمکینی ہونے کی وجہ سے بہت کشش ہو) ہے۔

چودھواں واقعہ: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔

پندرہواں واقعہ: بخاری میں ہے کہ جبریل علیہ السلام پھر مجھ کو لے کر آگے چلے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کہ ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا ہاں۔ وہاں سے کہا گیا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارون (علیہ السلام وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' پھر کہا اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔

سولھواں واقعہ: سولھویں واقعہ میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں' پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کہ ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا ہاں

کہا گیا۔ خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد بھیجے گئے جن کی اُمت کے جنت میں داخل ہونے والے میری اُمت کے جنت میں داخل ہونے والوں سے بہت زیادہ ہوں گے تو مجھ کو اپنی اُمت پر حسرت ہے کہ انہوں نے میری ایسی اطاعت نہ کی جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت آپ کی اتباع کرے گی اور اس لیے میری اُمت کے ایسے لوگ جنت سے محروم رہے تو ان کے حال پر رونا آتا ہے۔

فائدہ: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت نوجوان فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے والے تھوڑی ہی مدت میں اس وقت تک کہ آپ بڑھاپے تک بھی نہ پہنچے تھے اتنی کثرت سے ہوگئے کہ اوروں کے بڑھاپے تک بھی اتنے ماننے والے نہیں ہوئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی کل عمر ۶۳ سال کی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہوئی۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

سترہواں واقعہ: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چلے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ کہا ہاں۔ کہا گیا خوش آمدید آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام (وہاں) موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور فرمایا اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے بیٹھے تھے اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ (یعنی اگلے روز اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں)۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن مسلم)

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مجھ کو ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام موجود تھے۔ بہت حسین تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ موجود تھے اور میری اُمت بھی وہاں موجود تھی اور وہ دو قسم کی ہے۔ ایک قسم سفید کپڑے والی ہے اور دوسری میلے کپڑے والی

ہے۔ میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑے والے بھی میرے ساتھ داخل ہو گئے اور میلے کپڑے والے روک دیئے گئے۔ میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی۔ (بیہقی عن ابی سعید)

فائدہ: بعض روایات میں انبیاء علیہم السلام کی منازل کی ترتیب دوسری طرح بھی آئی ہے مگر صحیح ترین یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم

اٹھارہواں واقعہ: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ اس کے بیر اتنے بڑے بڑے تھے جیسے ہجر کے مٹکے (ہجر ایک جگہ کا نام ہے) اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان ہوں (یعنی اتنے بڑے تھے)۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، وہاں چار نہریں تھیں، دو اندر جا رہی ہیں اور دو باہر آ رہی ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے باہر آنے والی دو نہروں کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا جو نہریں اندر جا رہی ہیں یہ جنت میں دو نہریں ہیں، جو باہر جا رہی ہیں یہ نیل اور فرات ہیں۔

پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا لایا گیا۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ فطرت (یعنی دین) ہے جس پر آپ اور آپ کی اُمت قائم رہے گی۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں یہ چار نہریں ہیں اور مسلم میں ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد مجھ کو ساتویں آسمان کے اوپر کی سطح پر لے گئے یہاں تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت اور موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور اس پر سبز لطیف پرندے بھی تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دی ہے۔ اس کے اندر سونے اور چاندی کے برتن تھے اور وہ یاقوت اور زمرد کے پتھروں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ میں نے ایک برتن لے کر اس میں سے کچھ پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

بیہقی کی حدیث میں ابوسعید کی روایت سے ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام سلسبیل تھا اور اس سے دو نہریں نکلتی تھیں۔ ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا وہ چھٹے آسمان میں ہے، زمین سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اُٹھا لیے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ پہلے اسی پر اترتے

ہیں اور وہاں سے نیچے (عالم دنیا) میں لائے جاتے ہیں اور (اسی لیے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے)۔

بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ایسی رنگتوں نے چھپالیا کہ معلوم نہیں وہ کیا چیز ہے اور مسلم میں ہے کہ وہ سونے کے پروانے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ سونے کی ٹڈیاں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتوں نے چھپالیا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب خدا کے حکم سے اس کو ایک عجیب چیز نے چھپالیا تو اس کی صورت بدل گئی، مخلوق میں کوئی شخص اس کی صفت بیان نہیں کرسکتا۔ ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کے دیکھنے اور برتنوں کے پیش کیے جانے کے درمیان میں یہ بھی ہے کہ پھر میرے سامنے بیت المعمور بلند کیا گیا۔ (کذا رواہ مسلم) ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی ہے کہ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن الشیخین)

فائدہ: احادیث سے سدرۃ المنتہیٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور چھٹے آسمان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہو کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چار نہریں چھٹے آسمان میں ہوں جیسا کہ روایات میں ہے کہ یہ نہریں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب چھٹے آسمان سے گزر کر ساتویں میں سے گزرتا ہوا آگے پہنچا تو یہ ساتویں آسمان سے گزرنا سدرۃ المنتہیٰ کے لیے جڑ کی طرح ہے جو ساتویں آسمان میں ہے تو وہ نہریں اس دوسری جڑ (جو ساتویں آسمان میں ہے) سے نکلیں اور یہ نہریں جو اندر کو جارہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ حصہ جہاں سے کوثر اور نہر رحمت اس سے نکلی ہو یہ سب سدرۃ المنتہیٰ کی دوسری جڑیں ہوں اور ابن ابی حاتم کی روایت بالا سے کوثر کا ظاہر میں جنت سے باہر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً جنت سے باہر وہ حصہ ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں ہے باقی اس کا زیادہ حصہ جنت میں ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں اس کا جنت میں ہونا آیا ہے۔ نیل و فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ ان کا پانی آسمان سے آتا ہو کیونکہ بارش ہونے کے بعد بارش کا پانی پتھر میں جذب ہو جاتا ہے پھر پتھر سے جاری ہو جاتا ہے تو نیل و فرات کا چلنا بھی ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ بارش تو آسمان سے ہوتی ہے تو جو حصہ نیل و فرات ہے وہ بارش کے ذریعے آسمان سے آتا ہے اس طرح نیل و فرات کی اصل آسمان میں ہوئی۔

سدرۃ المنتہیٰ کے رنگوں کو پروانے اور ٹڈیاں کہنا تشبیہ کے لیے ہے ورنہ وہ فرشتے تھے

(یعنی فرشتے پروانے اور ٹڈیاں لگتے تھے) حتیٰ کہ وہ اتنے حسین تھے کہ ان کے حسن کو کس طرح بیان کیا جائے معلوم نہیں۔ (یعنی اس کے لیے الفاظ سمجھ نہیں آتے)۔

مسلم کی جو روایت بیت المعمور کے متعلق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المعمور سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ مقام ابراہیم علیہ السلام سے اونچا ہے ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ سب سے اوپر بیت المعمور پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مقام ابراہیم علیہ السلام تو جب مقام ابراہیم سب سے نیچے ہے تو ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگا کر کیسے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ بیت المعمور کی بنیاد تو ساتویں آسمان پر ہو اس کی اونچائی سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اونچی ہو جو ساتویں آسمان سے بھی اونچی ہے اور ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے نچلے حصے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو اب ترتیب یوں ہوئی کہ سب سے اونچا بیت المعمور اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے نچلے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اب تمام صورتوں میں مناسبت ہوگئی۔

سترہویں واقعہ: میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنا لکھا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیت المعمور میں نماز پڑھی جو ساتویں آسمان سے اونچا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساتویں آسمان پر پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ جگہ میں تھے تو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ نماز کس طرح پڑھی اس کی آسان صورت یہ ہے کہ نماز بیت المعمور کے نچلے حصے میں پڑھی ہوگی جو ساتویں آسمان پر ہے جس طرح اکثر مساجد میں نماز مسجد کے نچلے حصے میں ہوتی ہے اس کی تائید ایک حدیث میں جو حضرت قتادہ سے منقول ہے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان میں خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ایک مسجد ہے کہ اگر وہ بالفرض گرے تو بالکل کعبہ کے اوپر گرے۔ اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

بیہقی کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جنت کی سیر کے بعد دوزخ کو میرے سامنے کیا گیا تو اس میں اللہ کا غضب و عذاب اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو اس کو بھی کھا لے پھر وہ بند کر دیا گیا۔ اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ تو اپنی جگہ پر رہی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی جگہ رہے۔ درمیان سے حجاب اُٹھا کر دوزخ آپ کو دکھا دیا گیا۔

انیسواں واقعہ: بخاری میں بیت المعمور اور دودھ وغیرہ کے برتنوں کے پیش کیے

جانے کے بعد روایت ہے پھر مجھ پر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ایک روایت میں ابراہیم علیہ السلام سے ملنے کے بعد ہے کہ پھر مجھ کو اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں میں نے قلموں کی (جو لکھنے کے وقت آواز پیدا ہوتی ہے) سنی۔ مجھ پر اللہ نے پچاس نمازیں فرض کیں۔ (کذا فی المشکوٰۃ عن الشیخین بخاری ومسلم)

فائدہ: پہلی روایت سے بیت المعمور کی سیر کے کچھ دیر بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت سے میدان میں پہنچنے کے فوراً بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دونوں روایتوں میں یہ ترتیب سمجھ میں آتی ہے کہ بیت المعمور کے پیش ہونے کے بعد میدان میں پہنچے ہوں گے پھر اس میدان میں پہنچنے کے بعد نمازیں فرض ہوئی ہوں گی۔ واللہ اعلم

بیسواں واقعہ: بخاری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معراج کے متعلق ایک حدیث ذکر کی ہے اس میں جبریل علیہ السلام کا براق پر چلنا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ حجاب تک پہنچے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ حجاب میں سے نکلا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دین دے کر بھیجا ہے "جب سے میں پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا حالانکہ میں مخلوق میں رہنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوں۔" دوسری حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام مجھ سے جدا ہو گئے اور مجھے تمام آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ (کذا فی الشرح النووی مسلم)

شفاء الصدور میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس جبریل آئے اور میرے رب کی طرف چلنے کے سفر میں میرے ساتھ رہے یہاں تک کہ ایک مقام تک پہنچ کر رُک گئے، میں نے کہا: جبریل! کیا ایسے مقام میں کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے؟ انہوں نے کہا اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں گا تو نور سے جل جاؤں گا۔"

فائدہ: شیخ سعدیؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

بدو گفت سالار بیت الحرام　　که اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی　　عنانم زصحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند　　بماندم که نیروئے بالم نماند
اگر یک سرموی برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ: ”بیت اللہ کے سردار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان (جبریل علیہ السلام) سے کہا: اے وحی اُٹھانے والے آگے چل، جب آپ نے مجھے دوستی میں مخلص پایا، میری رفاقت سے باگ کیوں موڑی، انہوں نے کہا میری طاقت اس سے زیادہ نہیں، اوپر جانے کی طاقت نہیں رکھتا، اگر میں ایک بال کے برابر اوپر چڑھوں، تجلی کی شعائیں میرے پروں کو جلا دیں گی۔“

اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر مجھ کو ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے کہ ان میں ایک حجاب دوسرے حجاب جیسا نہ تھا۔ مجھے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ آنی بند ہو گئی۔ اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی اسی وقت ایک پکارنے والے نے مجھ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لہجہ میں پکارا، رُک جایئے، آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: مجھ کو ان دو باتوں سے تعجب ہوا ایک تو یہ کہ کیا ابوبکر مجھ سے آگے بڑھ آئے اور دوسرے یہ کہ میرا رب صلوٰۃ سے بے نیاز ہے۔ ارشاد ہوا: اے محمد! یہ آیت پڑھو:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا

”وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ (خود) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ (اس رحمت کی برکت سے) تم کو (جہالت و گمراہی کی) تاریکیوں سے (علم و ہدایت کے) نور کی طرف لے آئے۔“

میری صلوٰۃ سے مراد آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے لیے رحمت ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کا قصہ یہ ہے کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت کا ایک فرشتہ پیدا کیا جو آپ کو ان کے لہجے میں پکارے تا کہ آپ کی وحشت دور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت نہ ہو جس سے آپ اصل بات نہ سمجھ سکیں اور شفاء الصدور کی ایک روایت میں ہے کہ حجابات کے طے کرنے کے بعد ایک رفرف یعنی سبز مسند میرے لیے اتاری گئی اور مجھے اس پر بٹھایا گیا پھر مجھ کو اوپر اُٹھایا گیا یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا وہاں میں نے ایسی بڑی بات دیکھی کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔

فائدہ: بزار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں پر چڑھنا بھی براق پر ہی ہوا ہے۔ واللہ اعلم

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو رحمت الٰہیہ کی توجہ کے لیے ٹھہرنے کا حکم ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آگے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو توجہ رحمت سے روکنے

والا ہوگا جس طرح مخلوق کے لیے ایک کام میں مشغول ہونا دوسرے کام میں مشغول ہونے سے روکنے والا ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خاص رحمت فرمارہے ہیں اس لیے آپ چلنے کو روک دیجئے اور اس میں مشغول ہو جائیے کیونکہ چلنے میں مشغول ہونا اس رحمت کو مکمل یکسوئی سے حاصل کرنے سے روکنے والا ہوگا۔ واللہ اعلم

اکیسواں واقعہ: ’’حق تعالیٰ کو دیکھنا اور بات کرنا‘‘

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا اور عبدالرزاق نے روایت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر سے دیکھنے کو ثابت کیا۔ کعب احبار اور زہری اور معمر رحمۃ اللہ علیہم سب اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ خلت (دوستی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور رویت (دیکھنا) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہو۔ (نسائی عن ابن عباس صححہ الحاکم) طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ نگاہ سے اور ایک مرتبہ دل سے دیکھا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط بسند ثقات)

مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا لوگ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو شخص یہ سمجھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ بولا ہے تو کس دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے فرمایا خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول ”رأیت ربی“ سے یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ (قالہ الخلال فی کتاب السنۃ) (تو امام احمد کی روایت سے یہ حدیث مرفوع بھی ثابت ہوگئی)

صحاح میں کلام ہے کہ اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اللہ تعالیٰ سے یہ باتیں ہوئیں۔

(۱) پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔

(۲) خواتیم سورۃ بقرہ (یعنی سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں) عنایت ہوئیں۔

(۳) جو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کے گناہ معاف کیے گئے۔ (کذا رواہ مسلم)

(۴) یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو نہ کرے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس کو کر لیا تو (کم از کم) دس گنا کر کے لکھی جائے گی اور جو شخص بدی کا ارادہ کرے اور پھر اس کو نہ کر سکے تو وہ بالکل نہ لکھی جائے گی اور اگر اس کو کر لے تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ (کذا رواہ مسلم)

بیہقی میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک لمبی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے باری تعالیٰ کی خدمت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت (خاص دوستی) اور ملک عظیم، موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی، داؤد علیہ السلام کا ملک عظیم، لوہے کا نرم ہونا اور پہاڑوں کا مسخر ہونا، سلیمان علیہ السلام کا ملک عظیم، انس و جن و شیاطین و ہوا کا مسخر ہونا اور بے نظیر ملک دیا جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل و تورات اور مردوں کو زندہ کرنا عطا ہونا، ان کا اور ان کی والدہ کا شیطان سے پناہ دیا جانا عرض کیا۔ (تو) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تم کو حبیب بنایا، سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، شرح صدر کیا (آپ کے) بوجھ کو ہٹایا اور (آپ کے) ذکر کو بلند کیا کہ جب میرا ذکر ہوتا ہے تو تمہارا ذکر بھی ہوتا ہے، تمہاری اُمت کو خیر اُمت اور اُمت عادلہ بنایا، اول بھی بنایا اور آخر بھی بنایا، ان کا کوئی خطبہ جب تک درست نہیں جب تک کہ وہ آپ کے عبد (بندہ) اور رسول ہونے کی گواہی نہ دیں۔ تم کو پیدائش (عالم نور) میں سب سے اول اور نبی بنا کر بھیجنے میں سب سے آخر قیامت کے روز فیصلہ میں سب سے مقدم بنایا، میں نے تم کو سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) اور خواتیم سورۃ بقرہ (سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں) دوسرے انبیاء کو شریک کیے بغیر، کوثر، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر عطا فرمائے۔ تم کو فاتح اور خاتم بنایا۔ (فی سنن ابو جعفر قال ابن کثیر انہ ضعیف فی الحفظ)

فائدہ: یہاں چند باتیں قابل غور ہیں۔

پہلی بات

بعض صحابہ کی رائے ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی ہیں لیکن جب احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سارے علم کے ساتھ جان لے تو اس طرح کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کو سارا علم ہو جائے۔

دوسری بات

سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور معراج مکہ میں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج میں ان آیات کے نازل کرنے کا وعدہ کیا گیا ہوگا اور مدینہ میں نازل کرکے وعدہ پورا کیا گیا ہے۔

تیسری بات

پانچ نمازوں کے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ آخر میں پانچ رہ گئیں۔ظاہراً یہ ساری گفتگو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے وقت ہوئی ہوگی۔حدیث میں کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور موسیٰ علیہ السلام میں اپنے دیکھنے اور بات کرنے کو تقسیم فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے بات فرمائی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیدار عطا فرمایا۔یہ بات صحیح نہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بار بار اللہ تعالیٰ سے بات کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات کرنا ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ خلت (دوستی) ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ دوستی کی خصوصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوئی ورنہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوستی نہیں ہے۔

"اوپر کے آسمانوں سے نیچے کے آسمانوں کی طرف واپسی"

بائیسواں واقعہ:

بخاری میں بیت المعمور کی سیر اور شراب، دودھ اور شہد کے برتن پیش ہونے کے بعد ہے۔پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔میں واپس لوٹا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: واپسی میں میرا گزر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا، انہوں نے فرمایا: آپ کی اُمت سے دن رات میں پچاس نمازیں ہرگز نہ پڑھی جائیں گی۔واللہ! میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کرچکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں، اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی اُمت کے لیے آسانی کی

درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' انہوں نے پھر اسی طرح کہا' میں پھر لوٹا تو دس اور کم کردیں' میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' انہوں نے پھر اسی طرح کہا' میں پھر لوٹا تو مجھ کو دن میں دس نمازوں کا حکم ہوا' میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' انہوں نے پھر اسی طرح کہا' میں پھر لوٹا' اب دن میں پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی اُمت (یعنی ساری اُمت) ہر دن پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکے گی اور میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کرچکا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھگت چکا ہوں پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنے لیے اور آسانی مانگئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی یہاں تک کہ میں شرما گیا (اگرچہ پھر بھی عرض کرنا ممکن تھا) لیکن اب میں اسی پانچ نمازوں پر راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک پکارنے والے نے (حق تعالیٰ کی جانب سے) پکارا' میں نے اپنا فرض جاری کردیا اور اپنے بندوں کے لیے آسانی کردی۔

مسلم کی روایت میں پانچ نمازوں کا حکم ہونا آرہا ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس کے برابر ہے تو پچاس ہی ہوگئیں (یعنی ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا) اور نسائی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میں نے جس دن آسمان زمین پیدا کیا تھا (اسی دن) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں تو آپ اور آپ کی اُمت اس کی پابندی کیجئے۔ اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے "بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر ان سے (وہ بھی) نہ ہوسکیں اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں تو آپ اور آپ کی اُمت اس کی پابندی کریں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکی بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر جائیے (اور آسانی کرائیے) مگر میں نہیں گیا۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد یہ ہوا: یہ پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیلی اور کمی نہیں ہوئی اور پچاس نمازوں کا بدلنا ہی مقدر تھا اس لیے اس میں تبدیلی ہوئی)۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

”آسمانوں سے زمین کی طرف واپسی“

تیئیسواں واقعہ: محمد بن اسحاق اُم ہانی بنت ابی طالب سے جن کا نام ہند ہے معراج نبوی کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج ہوئی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عشاء کی نماز پڑھی پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے۔ جب فجر سے پہلے کا وقت ہوا تو ہم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جگایا۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھی تو فرمایا: اُم ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا تھا پھر میں بیت المقدس پہنچا اور اس میں نماز پڑھی، پھر اب صبح کی نماز میں نے تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم (لوگ) دیکھ رہے ہو۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر جانے کے لیے اُٹھے تو میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چادر کا کندہ پکڑ لیا اور عرض کیا یا نبی اللہ! آپ لوگوں سے یہ قصہ نہ بیان کیجئے کہ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور ایذاء دیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: واللہ! میں ان سے اس قصہ کو ضرور بیان کروں گا، میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا: آپ کے پیچھے پیچھے جائے تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے جو کہیں اور لوگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہیں اس کو سنے۔

جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو قصہ سنایا۔ انہوں نے تعجب کیا اور کہا: اے محمد! اس کی کوئی نشانی بھی ہے (جس سے ہم کو یقین آئے) کیونکہ ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا، میں نے ان کو بتایا تھا اس وقت میں شام کی طرف جا رہا تھا (یعنی سفر معراج کا آغاز تھا) پھر میں واپس آیا اور جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو سوتا ہوا پایا، ان کے ایک برتن میں پانی تھا اور انہوں نے اس کو ڈھانپ رکھا تھا، میں نے ڈھکنا اُتار کر اس کا پانی پیا پھر اسی طرح برتن ڈھانپ دیا۔ اس کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس کا قافلہ اب بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کی طرف آرہا ہے سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہے اس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں ایک کالا دوسرا دھاری دار ہے۔ لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف دوڑے تو اس اونٹ سے پہلے کوئی اور اونٹ نہیں ملا۔ جیسا کہ آپ (صلی اللہ

علیہ وسلم) نے فرمایا تھا۔دوسروں سے بھی پوچھا (جن کے اونٹ کا بھاگنا بیان فرمایا تھا) یہ لوگ مکہ آ چکے تھے انہوں نے کہا واقعی صحیح فرمایا' اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا ہم نے ایک شخص کی آواز سنی کہ ہمیں اونٹ کا بتا رہا ہے' یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام)

بیہقی کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نشانی کی درخواست کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو بدھ کے دن قافلہ آنے کی خبر دی۔ جب بدھ کا دن آیا تو وہ لوگ نہ آئے یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب پہنچ گیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو سورج غروب ہونے سے رُک گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جیسا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان فرمایا تھا آئے۔ فائدہ: ان روایات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول عشاء اور فجر کے درمیان آنے جانے کا سفر ختم ہو گیا اور عشاء کی نماز گو اس وقت فرض نہ تھی مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا کرتے ہوں گے۔ دوسرے مؤمنین بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پڑھ لیتے ہوں گے۔ فجر کی یہ نماز گو معراج کے بعد تھی مگر احادیث سے جبریل علیہ السلام کی اول امامت ظہر کی نماز کے وقت ثابت ہوتی ہے تو غالباً نماز کی فرضیت کی ابتداء ظہر کے وقت سے ہوگی۔ بیت المقدس میں جو نماز پڑھی اس کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے حانت الصلوٰۃ' اس سے عشاء کی نماز مراد لینا مشکل ہے کیونکہ عشاء آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھ چکے تھے تو غالباً یہ تہجد کی نماز ہوگی جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک زمانہ تک فرائض کی طرح مؤکد رہی اور اذان اسی تہجد کے لیے ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان تہجد کے وقت میں آئی ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ معراج جسمانی تھی ورنہ لوگوں کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس جھٹلانے کی وجہ سے آپ کے یہ جواب دینے کی کیا وجہ کہ معراج جسمانی نہیں ہے بلکہ روحانی اور نیند کی حالت میں ہے کہ نیند کی حالت میں عقل سے بہت دور چیز کا دعویٰ بھی قبولیت کی گنجائش رکھتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ سیرۃ ابن ہشام میں جن قافلوں کا ذکر ہے ظاہراً وہ دونوں الگ الگ ہیں۔ بیہقی کی روایت میں جن کا ذکر ہے کہ وہ آئے نہ تھے یہ الگ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک قافلہ پہنچ گیا تھا اور دوسرا تنعیم کی طرف آیا ہوا ملا اور تیسرے کے متعلق شام تک نہ آنا اور سورج کا اس کے آنے تک رُک جانا مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان دونوں کے علاوہ تیسرا قافلہ ہے۔ مواہب میں بغیر سند کے دونوں قصے یعنی اونٹ کے بھاگنے اور خاکی اونٹ کے

آگے چلنے کے ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب کیے ہیں تو غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قافلے ایک ہی قافلہ کے ٹکڑے ہیں۔ یہ اور وہ قصہ دو جماعتوں میں ہوئے اور تیسرا قافلہ وقت پہ نہ آنے کا اور سورج کے رُک جانے کا تیسری جماعت کے ساتھ ہوا کیونکہ یہ سب ایک ہی قافلے کے مختلف ٹکڑے ہیں اس لیے دونوں کو ایک ہی قافلے کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ سورج رُک جانے میں کوئی اشکال نہیں اس لیے نہ انکار کی وجہ ہوسکتی ہے اور سورج رُک جانے کا عام چرچا اس لیے نہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے سورج رُک گیا ہوگا اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوگی۔

(اور یہ بات مجھ کو تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی کہ آپ کی واپسی براق پر ہوئی تھی یا کس طرح ہوئی تھی اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس جگہ حاشیہ کا نشان بنا کر اس میں لکھ دے)۔

"معراج کا قصہ سننے کے بعد سننے والوں کیساتھ کیا معاملہ ہوا"

چوبیسواں واقعہ: رات ہی رات مسجد اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا تو صبح کو لوگوں سے تذکرہ فرمایا۔ بعض جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے اور بعض مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور کہا: اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے کہتے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس لے جایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا وہ ایسا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے فرمایا: اگر وہ کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں، لوگ کہنے لگے کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے آئے؟ (حالانکہ بیت المقدس کس قدر دور ہے) انہوں نے فرمایا: ہاں میں تو اس سے زیادہ دور کی بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں؟ یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو ان کے پاس صبح یا شام کو آتی ہے (جو کہ شب سے مقدار میں کم ہے) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی لیے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وابن اسحاق)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراج جاگنے کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوئی ورنہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نیند کا دعویٰ فرماتے تو وہ ایسی عقل سے دور بات بھی نہ تھی کہ بعض لوگ مرتد ہو جاتے۔

"واقعہ معراج کے بارے میں کفار کا سوال کرنا اور آپکا جواب دینا"

پچیسواں واقعہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں جن کو میں نے (ضرورت نہ سمجھنے کی وجہ سے) یاد نہ کیا تھا تو مجھ کو اس قدر تھکن ہوئی کہ ایسی کبھی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا کہ جو بھی وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں بیت المقدس کو دیکھ کر بتا تا تھا۔ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

احمد اور بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس کو میرے سامنے لایا گیا کہ میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ عقیل کے گھر کے پاس لا کر رکھا گیا اور آپ نے ساری بات بیان فرمائی۔

ابن سعد نے اُم ہانی سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس تصویر کی شکل میں میرے سامنے آ گیا اور میں ان لوگوں کو اس کی علامتیں بتلا رہا تھا اور اُم ہانی کی اسی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: میں نے ان کو (غیر ضروری ہونے کی وجہ سے) گنا نہ تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: بس میں اس کو دیکھتا رہتا اور ایک ایک دروازہ کو شمار کرتا جاتا تھا۔ ابو یعلی کی روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والا مطعم ابن عدی جبیر بن مطعم کا والد تھا۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر جاگنے کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوا تھا ورنہ یہ اعتراض ہی نہ ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا؟ کہ آپ بیان فرمائیے کیونکہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان فرماتے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ابوبکر! تم صدیق ہو۔ (کذا فی سیرۃ ابن ہشام)

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوچھنے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ ان کا پوچھنا شک و امتحان کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ کفار سن لیں اور کفار کو حضرت ابوبکر صدیق پر اس بات میں اعتماد تھا کہ بیت المقدس کو دیکھے ہوئے ہیں اور یہ اطمینان تھا کہ یہ ظاہری بات میں غلط بات کی تصدیق نہ کریں گے۔

بیت المقدس کا اپنی جگہ پر رہ کر نظر آنا یا دار عقیل کے پاس آ کر رکھا جانا یا اس کی تصویر کا سامنے آ جانا۔ ان روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی تصویر کو سامنے کر دیا اور تصویر جس جگہ نظر آئی وہ دار عقیل ہے کیونکہ بیت المقدس کی تصویر بالکل بیت

المقدس ہی جیسی تھی اس وجہ سے بیت المقدس کا سامنے آنا فرمایا۔ اب یہ اشکال بھی ختم ہو گیا کہ اگر بیت المقدس یہاں آتا تو اپنی جگہ سے اتنی دیر غائب ہوتا اور ایسی عجیب بات تاریخ میں منقول ہوتی۔

بفضلہٖ سبحانہ وتعالیٰ شب معراج کا تفصیلی واقعہ مع فوائد اور اشکالات کے جوابات سے مکمل ہوا۔ باقی ترجمہ خطبہ کے ضمن میں بیان ہوا کہ ۲۷ رب المرجب کا روزہ ثابت نہیں۔ آخر میں حضرت حکیم الامت نے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔ چنانچہ التشرف اور امداد الفتاویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو شخص رجب کی ۲۷ کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۶۰ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ السلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مراد ہے۔ مثلاً معراج کے لیے) روایت کیا اس کو ابو موسیٰ مدینی نے کتاب فضائل اللیالی والایام میں مشہر ن حوشب کی روایت سے وہ ابو ہریرہؓ کی روایت سے۔
ف اگر یہ مہینے آدھے تیس کے لیے جاویں اور آدھے انتیس کے تو ان روزوں کی تعداد سات سوسترہ ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ یہ اصل ہو اُس کی جو عام لوگوں میں اور عام عابدین میں مشہور ہے کہ یہ روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے اور اس کا لقب ہزاری روزہ رکھتے ہیں اور شاید انہوں نے کسر کو سہولت کے لیے حذف کر دیا ہو اور میں نے جو اپنے بعض رسائل میں اس کی نفی کی ہے تو وہ اس اثر پر مطلع ہونے کے قبل ہے بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہو اور مجھ کو سند کا علم نہیں (التشرف ص ۱۴)

قلت احیاء العلوم ص ۳۲۸ ج ا بیان اللیالی والایام الفاصلہ میں اس روایت کی سند پر زین الدین عراقی جیسے جلیل القدر محدث کا حاشیہ میں کلام نہ کرنا دلیل صحت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

تیسرا خطبہ

اصلاح باطن

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبہ

"ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے تو (بات یہ ہے کہ نہ سمجھنے والوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔ ونیز ارشاد فرمایا ہے اعراب (منافقین) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو لیکن یوں کہو کہ ہم (ظاہراً) تابعدار ہوگئے ہیں اور اب تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا اور ارشاد فرمایا ہے: قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو برابر بنایا ہے پھر اس کو پرہیزگاری اور نافرمانی بتلائی ہے کہ ضرور نجات پائی اس شخص نے کہ جس نے اس کو (یعنی نفس کو) پاک کرلیا اور ناکام رہا وہ شخص جس نے اس (نفس) کو خاک میں ملادیا۔"

ف: ان سب آیات سے معلوم ہوگیا کہ ایمان دراصل فعل قلب ہے ونیز دوسرے افعال میں بھی قلب کا بہت بڑا دخل ہے۔ پس قلب (یعنی دل) کی اصلاح نہایت ضروری چیز ہے۔

حدیث ا- "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آگاہ رہو۔ بیشک (انسان کے) بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوجاتا ہے تو تمام بدن درست ہوجاتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو تمام بدن خراب ہوجاتا ہے۔ خبردار وہ (لوتھڑا) قلب (یعنی دل) ہے۔" (متفق علیہ)

حدیث ۲ - "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہؓ سے فرمایا کہ تم میرے پاس نیکی اور گناہ کا سوال کرنے کو آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ راوی نے کہا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو جمع کیا پھر ان کو وابصہؓ کے سینہ پر مارا اور ارشاد فرمایا فتویٰ لے اپنے نفس سے فتویٰ لے اپنے دل سے یہ تین بار فرمایا (اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ) نیکی وہ ہے جس پر نفس کو اطمینان ہوجاوے اور دل کو بھی اطمینان ہوجاوے اور گناہ وہ ہے

جو کھٹکے نفس میں اور کھٹکے سینہ میں اگر چہ تمہیں لوگ فتویٰ دیں۔'' (احمد دارمی)

حدیث ۳- ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال نیتوں کیساتھ ہیں۔''

حدیث ۴- ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان ہوتا ہے نمازیوں سے اور روزہ داروں سے اور زکوٰۃ دینے والوں سے اور حج وعمرہ کرنے والوں سے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب نیکیوں کا حصہ ذکر فرمایا اور پھر (ارشاد فرمایا) کہ قیامت کے دن جزا نہ دی جاوے گی' اس کو مگر اس کی عقل کے موافق (کیونکہ عقل سے معرفت ہوتی ہے) جس سے اخلاص وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔'' (بیہقی)

حدیث ۵- ''ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ پاک روح ہے (جبکہ ان کے پاس نیک آدمی کی روح جاتی ہے) اور (جب برے آدمی کی روح جاتی ہے تو) کہتے ہیں کہ خبیث روح ہے۔'' (احمد)

حدیث ۶- ''ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ ملک الموت (نزع کے وقت مسلمان سے کہتا ہے) اے نفس مطمئنہ اور (کافر کے واسطے) کہتا ہے۔اے نفس خبیث''

آیت مبارکہ: ''حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے' جس کے پاس فہیم دل ہو یا وہ کم از کم دل سے متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا تا ہو۔

اضافہ: (الف) ونیز ارشاد فرمایا ہے حق تعالیٰ شانہ نے کہ جو شخص اس کو (یعنی شہادت کو چھپائے بیشک اس کا دل گناہگار ہے۔ونیز ارشاد فرمایا ہے ولیکن تم سے مواخذہ کرتا ہے اس (قسم کھانے) کا جو تمہارے دل نے (جھوٹ بولنے کا ارادہ کر کے) کھائی ہے (یعنی اگر قصداً جھوٹی قسم نہ کھائی ہو بلکہ اپنے نزدیک سچ سمجھ کر کھائی ہو یا بلا ارادہ زبان سے قسم نکل گئی ہو تو گناہ نہیں ہوتا)۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اللہ کی اطاعت میں جہاد کرے۔ (بیہقی)

(ج) ونیز ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل پر بیٹھا ہوا ہے۔پس جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔ (بخاری)

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تقویٰ اس جگہ ہے اور اپنے سینے مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ (عین تخریج عراقی عن مسلم)

ف: کہیں قلب کا لفظ ہے اور کہیں نفس اور کہیں عقل اور کہیں صدر (سینہ) آیا ہے۔ ان سب سے ایک ہی مراد ہے اور چونکہ ان سب میں کچھ نہ کچھ علاقہ ہے اس واسطے سب کا استعمال صحیح ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ اصلاح ظاہر کا مدار اصلاح باطن پر ہے۔ (وہوالمقصو دفی المقام)

بزرگان محترم وحاضرین مکرم! آج جمعۃ المبارک کا موضوع اصلاح باطن ہے جو بڑا اہم اور ضروری موضوع ہے۔ اکثر لوگوں کی نظر میں صرف ظاہر ہے اور باطن کا بالکل خیال نہیں اور بعض صرف اہل باطن ہونے کے مدعی ہیں اور ظاہر ان لوگوں کا اس کے بالکل خلاف ہے حالانکہ تصوف نام ہے **تعمیر الظاهر و الباطن** (ظاہر و باطن کی اصلاح) کا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَایَسۡتَجِیۡبُ الدُّعَآءَ مِنۡ قَلۡبٍ لَاہٍ

"یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں فرماتے۔"

اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ جس طرح ظاہر ضروری ہے اتنا ہی باطن ضروری ہے۔ ہر عبادت کا ایک جسم (ظاہر) اور ایک روح (باطن) ہے دونوں کے مجموعہ سے عبادت جامع اور کامل ہوگی۔ دل کو پاکیزہ اور صاف بنانے کے لیے اخلاق رذیلہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے جو دس ہیں۔

گر چاہے تو اپنے دل کو آئینہ   دس چیز سے خالی کرلے اپنا سینہ
حرص و امل و غضب و دروغ و   غیبت، بخل وحسد وریا وکبر وکینہ

اور نو اخلاص حسنہ سے اپنے دل کو منور ومجلّٰی کرنا ہوگا۔

جو چاہے کہ ہو منزل قربت میں مقیم   نو چیز کرے اپنے نفس کو تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقین   تفویض و توکل و رضا و تسلیم

ان مجاہدات شاقہ اُٹھانے کے بعد حقیقی معنی میں دل، دل کہلانے کا مستحق بنتا ہے۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل   کچھ نہ پوچھو بس بہت مشکل سے بن پاتا ہے دل

دیکھنے کی چیز دراصل قلب ہے

زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ دل میں دین کی وقعت ہو، عظمت ہو، لوگ اعمال کو دیکھتے ہیں مگر دیکھنے کی چیز دراصل قلب ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کس قدر ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۵۹۶) واقعی ان کے بغیر دل کی مثال ایسی ہے۔

بے ترے دل کیا ہے بس اِک خول ہے جلد آ یہ ناؤ ڈانوا ڈول ہے

افسوس دورِ حاضر میں اکثر لوگوں کے قلوب خشیت خداوندی سے خالی ہیں۔

دغا مکر وحرص و ہویٰ دل کے اندر حسد، بغض کبریا دل کے اندر

نہیں اس زمانہ میں کیا دل کے اندر نہیں ہے تو خوف خدا دل کے اندر

قلب کا اثر لباس اور کلام میں

قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک میں ظاہر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔(کمالات اشرفیہ ص ۶۸) بزرگان کاملین کے قلوب میں یہ برکت ہوتی ہے کہ جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے تجربہ یہی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک شخص نہر میں وضو کررہے تھے۔امام صاحبؒ نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف اس شخص کی طرف خیال کیا کہ امام صاحبؒ مقبول بندے ہیں میرا مستعمل پانی ان کے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے اس لیے وہ اُٹھ کر دوسری طرف ان کے نیچے جا بیٹھا' بعد انتقال کے اس کو کسی نے خواب میں دیکھا' پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں؟ کہا میرے پاس کوئی عمل نہ تھا اس پر مغفرت ہوئی کہ تو نے ہمارے مقبول بندہ احمد بن حنبل کا ادب کیا تھا ہمیں یہ پسند آیا۔(کمالات اشرفیہ ص ۳۳۲)

اسی لیے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کوشش کرو کہ کسی (اہل اللہ) کے دل میں جگہ کرلو کیونکہ ان کے دل تجلی گاہ حق ہیں تو تمہاری حالت کچھ بھی ہو ان شاء اللہ انوار تجلی سے محروم نہ رہو گے' اس میں بڑی بشارت ہے۔(اوج قنوج ص ۳۵' معارف امدادیہ ص ۶۷) اسی لیے اپنے شیخ کی بے ادبی کرنے سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو مانع ہوتی ہے تعدیہ فیض میں' حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی خوب مثال دی ہے کہ اگر کسی چھت کے میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر نہایت صاف وشفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاءِ اعلیٰ سے جو فیوض وانوار نازل ہوتے ہیں ان کا ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور ومصفا ہونے کے تیرہ ومکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔(اشرف السوانح ج:۳' ص ۱۱۷)

اپنے شیخ کو مکدر رکھنے اور مکدر کرنے کا وبال طالب پر یہ ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں جمعیت قلب میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان رہتا ہے۔ (معارف امدادیہ ص ۱۱۴)

لا یعنی کلام سخت مضر قلب ہے

حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر ہوتی رہے تو اس سے قلب پر ظلمت کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کنجڑا دن بھر لے لو امرود پکارتا ہے تو ذرا برابر قلب میں اس سے ظلمت نہ آئے گی کیونکہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی زبان سے نکل جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۲ ص ۱۸۹)

دل زپر گفتن بمیر د در بدن　　　گرچہ گفتارش بود در عدن

بے کاری میں شیطان قلب میں تصرف کرتا ہے۔ فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے چاہے وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔

جو شخص مصروف ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔ ایک بزرگ نے اس کو سلام نہیں کیا اور جب اسی راستہ سے لوٹے وہ شخص زمین کرید رہا تھا۔ ان بزرگ نے اس کو سلام کیا' لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا کہ اس شخص کو آپ نے پہلے تو سلام نہیں کیا اور اب کیا؟ فرمایا کہ پہلے وہ بے کار بیٹھا تھا' اس لیے اس کے قلب میں شیطان تصرف کر رہا تھا اور اب مشغول ہے گو بے کار ہی فعل میں صحیح جو معصیت بھی نہیں اس لیے شیطان اس سے دور ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۲' ص ۵۹۶)

اصلاح قلب کے لیے قطع علائق ضروری ہے

اصلاح قلب تمام علائق قطع کیے بغیر نہیں ہو سکتی اور قطع تعلق سے مراد تقلیل غیر ضروری تعلقات کی ہے اور ضروری تعلقات کی تکثیر مطلق مضر نہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۶)

دل کے تباہ ہونے کی علامات

مبصر شیخ یہ ادراک کر لیتا ہے کہ تمہارے تعلقات کا منشاء حظ نفس ہے یا اتباع سنت۔ وعظ کر کے دل خوش ہو' تعلقات ماسوی اللہ میں دل پھنسا ہو' یکسوئی سے کورا ہو' نماز پڑھنے میں حظ نہ آتا ہو' وہاں وعظ چاہے جتنا کہلوا لو' اس میں حظ آتا ہو جلسوں میں شرکت کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت دل کے تباہ ہونے کی علامت ہے۔ (انفاس عیسیٰ' ج:۱' ص ۳۶۰)

مصائب اور بلاؤں سے قلوب کا آپریشن

جس طرح والدین بچوں کے دنبل کا آپریشن کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو معصیت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل نشتر دینے کے بعد صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۶۶)

واردات قلب منجانب اللہ ہیں

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں فرمایا کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۲' ص ۴۳۳) حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ نماز پڑھنے میں جو کچھ قلب پر وارد ہوتا ہے صحیح ہوتا ہے۔ (روح القیام ص ۹۹) (معارف امدادیہ ص ۱۷۳)

قلب سلیم خیر و شر کا صحیح ادراک کرتا ہے

ایسا قلب جو محل ہوتا ہے تجلیات لامتناہیہ اور مہبط ہوتا ہے انوار الٰہیہ کا' اسی کی نسبت کہا ہے:

آئینہ سکندر جام جم است بنگر　　تا بر تو عرصہ دارد احوال ملک دارا

یہاں سکندر اور دارا سے مراد وہ دو بادشاہ نہیں جن کی کسی وقت لڑائی ہوئی تھی بلکہ دو مخالف مراد ہیں سکندر تم خود ہو اور دارا وہ ذات شریف (ابلیس لعین) ہے جو سب کو دارا پر لے جا رہا ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ تمہارے اندر ایک آئینہ سکندر یا جام جم موجود ہے اس میں دیکھو اور غور کرو تو اس میں ملک دارا یعنی ابلیس کے حالات نظر آئیں گے یعنی ابلیس کے تلبیسات اور مکر و فریب کا انکشاف ہو جائے گا تو ان سے بچ سکو گے یہ اسی قلب کے متعلق کہا ہے جس میں صفات قلب موجود ہوں "کما قال اللّٰہ تعالٰی ان فی ذلک لذکرٰی لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید" (اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو) یعنی جس کا قلب سلیم ہو (اور اس میں علم و عزم

ہو) اور اس میں عقل سلیم سے استعداد ہو صحیح بات سمجھنے کی۔

واقعی اگر قلب میں صفت سلامت پیدا ہو جائے تو ایسا دقیقہ رس ہو جاتا ہے کہ بے تکلف خیر و شر کا ادراک کر لیتا ہے۔ (جلاء القلوب ص ۹۰، ۹۳، ۹۴) مگر قلب میں ایسی صفت پیدا کرنے کے لیے کسی شیخ کامل کی سرپرستی میں سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ بقول عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب:

کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل　　　آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل

وسوسہ قلب کے باہر سے آتا ہے

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ قلب ہی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ ہوتے تو باہر ہی ہیں لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اندر ہیں اور جب قلب میں عقائد حقہ مرکوز ہیں تو ان کے خلاف خود قلب سے کیوں پیدا ہوگا، خارج ہی سے آئے گا یعنی بالقاء شیطان۔ جس طرح کسی شیشہ پر مکھی بیٹھی ہو تو وہ شیشہ کے اوپر ہی ہے لیکن عکس کی وجہ سے دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۰۰)

نماز میں احضار قلب مقصود ہے

قطع وسوسہ کی کوئی تدبیر حدیث میں نہیں آئی یعنی ایسی تدبیر جس کے بعد وسوسہ آئے ہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تدبیر بتلائی ہے کہ اگر وسوسہ آئے بھی تو پریشانی نہ ہو اور وہ عدم التفات ہے اس پر میں نے کہا کہ عدم التفات کے بعد یہ بھی نہ دیکھو کہ وسوسہ گیا یا نہیں یہ بھی التفات ہے بلکہ مجاہدہ کے بعد بھی وساوس موجود ہوں تو پریشان نہ ہو۔ (فناء النفوس) کیونکہ توجہ قلب کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے رویت بصر کی۔ جب آپ ایک نقطہ کی طرف نگاہ کریں گے اور اشیاء بھی تبعاً نظر آئیں گی تو جس طرح حاسہ بصر کے سامنے اور چیزیں بھی اضطراراً جاتی ہیں اسی طرح حاسہ بصیرت کے سامنے بھی کچھ چیزیں (وساوس) آ جاتی ہیں اس لیے سالک کو وساوس سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔

احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری اس کو عمل سے حاصل کرو۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ نماز فعل مرکب ہے جس کے مختلف اجزاء ہیں قیام و قعود اور رکوع و سجود، قرأت واذکار وغیرہ۔ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال و اقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں۔ اب یہ لفظ

کہہ رہا ہوں اب سجدہ کر رہا ہوں اور ہر فعل اور لفظ پر جدید ارادہ کرو۔ اس طرح کہ احضار قلب حاصل ہو جائے (فناء النفوس) اس کو حضور قلب نہ سمجھے گا جو اختیاری نہیں نہ اس کا مکلّف کیا گیا ہے بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر کرنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح اپنی طرف سے وساوس نہ لاؤ اور خود بخود آئیں تو پریشان نہ ہو۔ (اپنی طرف سے احضار قلب کی پوری سعی کرو)

وساوس جو آتے ہیں انکا ہو غم کیوں — عبث اپنے جی کو جلانا برا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے — وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے

اعتکاف کی حالت میں دل کا گھر میں رہنا

اعتکاف کی حالت میں دل کے گھر میں رہنے کا تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ غیر اختیاری ہے ہاں رکھنا نہ چاہیے (کیونکہ یہ اختیاری ہے) اور وہ بھی جبکہ بلا ضرورت ہو اور ضرورت سے تو بموجب ایک کام کیا ہے تو پھر کھٹک پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان سے میں کہتا ہوں کہ شریعت کا ایک یہ بھی قاعدہ ہے "الاثم ماحاک فی صدرک" (کہ گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو) پھر تم نے اس قاعدہ پر عمل کیوں نہ کیا اور جب کسی عمل کے متعلق دل میں کھٹک پیدا ہوتی تھی اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا۔ (ارضاء الحق ج:۲، ص ۳۰)

قلب کا یہ قاعدہ ہے کہ اول وہلہ میں اس کو جس قدر کراہت و نفرت ہوتی ہے دوسری مرتبہ میں ویسی نفرت نہیں ہوتی اور اس میں جو کھٹک اول وہلہ میں پیدا ہوتی ہے اگر اس پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اس کو دبا دیا گیا تو پھر یہ کھٹک کمزور ہو جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱، ص ۲۸۴) اس لیے قلب کی اول ہی کھٹک پر عمل کرنا چاہیے۔

معصیت سے قلبی اور روحانی صحت برباد

جس طرح طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اسی طرح احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہو جاتی ہے۔ (فان الجنة هی المأویٰ)

قلب کا یہ قاعدہ ہے کہ ناجائز فعل سے اول وہلہ میں اس کو جس قدر کراہت و نفرت ہوتی ہے دوسری مرتبہ ویسی نفرت نہیں ہوتی اور اس میں جو کھٹک اول وہلہ میں پیدا ہوتی ہے اگر اس پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اس کو دبا دیا گیا تو پھر یہ کھٹک کمزور ہو جاتی ہے اور بار بار کے دبانے سے بالکل نکل جاتی رہتی ہے جو قلب کے سیاہ (بے حس اور مردہ ہو جانے کی دلیل ہے کہ اب قلب کو گناہ سے اُلفت

ہوگئی ہے اس لیے کھٹک نہیں مگر یہ شخص سمجھتا ہے کہ مجھ پر حق واضح ہوگیا اور شرح صدر ہوگیا اس لیے کھٹک موقوف ہوگئی۔ یادرکھو یہ حالت سخت خطرناک ہے)۔ (ارضاء الحق ج:۲ ص ۲۸)

قلب کا زنا

حدیث میں ہے: "والقلب یزنی وزناہ ان یشتھی" یعنی قلب بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا خواہش کرنا ہے (رفع الموانع ۵۱) چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرتے ہوئے اجنبیہ کا تصور کرے تو اسے زنا کا گناہ ہوگا۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اشرف الاحکام جلد چہارم)

اعمال باطنہ کا محاسبہ

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے اور یہ کہ میرے کاتب اعمال فرشتے تو تمہارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں ورنہ انہوں نے وہ چیزیں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی ہیں اور وہ سب تمہیں بتلاتا ہوں اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں پھر جس کو چاہوں گا بخش دوں گا اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا پھر مؤمنین کو معاف کردیا جائے گا اور کفار کو عذاب دیا جائے گا۔ (قرطبی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ. (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۴)

"جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں اگر تم (زبان وغیرہ سے) ظاہر کروگے یا کہ (دل میں) پوشیدہ رکھوگے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔"

آیت مذکورہ میں جس محاسبہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے قصد اور اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کے عمل میں لانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ پھر اتفاق سے کچھ موانع پیش آجانے کی بناء پر ان پر عمل نہیں کرسکتا۔ قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا پھر حق تعالیٰ جس کو چاہیں اپنے فضل وکرم سے بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیے گئے ہیں یا حرام کیے گئے ہیں وہ کچھ تو اعضاء ظاہری وجوارح سے متعلق ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال واحکام وہ بھی ہیں جو ان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان واعتقاد کے تمام

مسائل تو اسی میں داخل ہیں اور کفر و شرک جو سب سے زیادہ حرام و ناجائز ہیں ان کا تعلق بھی انسان کے قلب سے ہے۔ اخلاق صالحہ تواضع، صبر، قناعت، سخاوت وغیرہ اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر، حسد، بغض، حب دنیا حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ حرام قطعی ہیں ان سب کا تعلق بھی انسان کے اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ دل اور باطن سے ہے۔ اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ کا حساب قیامت میں لیا جائے گا اسی طرح اعمال باطنہ کا بھی حساب ہوگا اور خطا پر بھی مواخذہ ہوگا باقی وساوس اور غیر اختیاری خیالات جو انسان کے دل میں بغیر قصد اور ارادہ کے آ جاتے ہیں بلکہ ان کے خلاف ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں ایسے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو اس اُمت کے لیے حق تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"یعنی اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو معاف کر دیا ہے وہ جو ان کے دل میں خیال آیا جب اس کو زبان سے نہ کہا یا عمل نہ کیا ہو۔" (تفسیر معارف القرآن ج:۱ ص ۲۹۰، ۲۹۱)

اصل رونا دل کا ہے

میرے پاس بعض ذاکرین کے خطوط آتے ہیں کہ ہم کو رونا نہیں آتا، اس کا افسوس ہے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ تمہارا دل تو روتا ہے اور کیا چاہتے ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم کو رونے پر افسوس ہے۔ (فناء النفوس) ایک صاحب نے لکھا مجھے وعظ سن کر نہ رونا آتا ہے نہ ذکر وغیرہ میں خوف خدا ہوتا ہے یہ سنگ دلی تو نہیں۔ اس پر جواباً تحریر فرمایا: "رونا دل کا مقصود ہے، آنکھ کا نہیں وہ حاصل ہے دلیل اس کی یہ تاسف ہے۔" (انفاس عیسیٰ ج:۱ ص ۱۰۶)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر رونا ہی ولایت ہے تو رونا کیا مشکل ہے لاؤ ایک لاٹھی مارنا شروع کروں ایک طرف سے سب رونے لگیں گے خوب کہا ہے:

عرفی اگر بگر بہ میسر شدے وصال صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

حدیث میں ہے: "ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا" یعنی روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بکاء مقصود نہیں کیونکہ ہر حال میں امر غیر اختیاری ہے اور ایسا غیر اختیاری مقصود نہیں ہوتا بس جسکو رونا نہ آتا ہو وہ رونے کی صورت ہی بنا لے یہ کافی ہے۔ (فناء النفوس)

ایک صاحب نے لکھا کہ قلب میں قوت انفعالیہ کا نام و نشان نہیں صحبت مجلس سے بھی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اس لیے سخت خطرہ ہے کہ کہیں "قائلین قلوبنا غلف یا ارشاد

ولا یجاوز حناجرھم" (الحدیث) کا مصداق تو نہیں ہوگیا۔فرمایا کہ جولوگ اس کے مصداق ہوتے ہیں ان کو اس کے مصداق ہونے کا احتمال تک نہیں بلکہ التفات تک نہیں ہوتا یہی دلیل ہے اس کے مصداق نہ ہونے کا۔(کمالات اشرفیہ ص ۸۴)

دل اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی یاد کیلئے بنایا ہے

دل گزر گاہ جلیل اکبر ست

اس کے معنی تو یہ ہیں کہ دل تجلی گاہ حق تعالیٰ کا لہٰذا اس کو غیر کی آلودگی سے بچاؤ۔اپنے گھر میں دوسرے کے آنے کو کون پسند کرتا ہے۔(الظاہر ص ۵۰)

دل بدست آور کہ حج اکبر است　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

(مگر جب دل میں غیر اللہ کی یاد بس جائے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے)

دل جو دیکھا تو صنم خانہ سے بدتر نکلا　لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں خدا رہتا ہے

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے۔عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ کون سی چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جائے۔آپ نے ارشاد فرمایا موت کا زیادہ دھیان رکھنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اصلاح قلب کا آسان نسخہ

(۱) کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرے۔اس سے اصلاحی تعلق قائم کر کے اس کے ارشادات پر عمل کرے۔ان شاء اللہ اس کی صحبت سے جلد قلب کی حالت میں تغیر محسوس ہوگا اور دل کی دنیا بدلنا شروع ہوگی۔(۲) فی الحال یہ دشوار ہو تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ حسنہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرے، بہت نفع محسوس ہوگا۔(۳) مناجات مقبول سے چند دعائیں نقل کرتا ہوں۔اپنی دعاؤں میں ان کو بھی پڑھا کریں۔

اللّٰھُمّ مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک (مسلم نسائی)

"اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔"

اَللّٰھُمّ اجعل فی قلبی نورا (بخاری و مسلم)

"اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے۔"

اَللّٰھُمَّ ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی و نور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمّی. (ابن حبان، حاکم، طبرانی)

''یا اللہ! قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم کی کشائش اور میرے فکر کا ذریعہ فرمادے۔''

اَللّٰھُمَّ انّا نسألک قلوبا اوّاھة مّخبة فی سبیلک

''اے اللہ! ہم تجھ سے مانگتے ہیں ایسے دل جو متاثر ہوں اور عاجزی کرنے والے ہوں اور رجوع کرنے والے ہوں تیری راہ میں۔''

اَللّٰھُمَّ ارزقنی عینین بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدّموع دما والاضراس جمرا.

''یا اللہ! مجھے آنکھیں برسنے والی نصیب کریں جو سیراب کریں دل کو بہتے ہوئے آنسوؤں سے تیرے خوف سے قبل اس وقت کہ آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے ہوجائیں۔''

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

چوتھا خطبہ

تہذیب اخلاق

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

حدیث ۱- ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زیادہ بھاری چیز جو قیامت کے دن میزان عمل میں رکھی جاوے گی وہ نیک خلق ہے اور بے شک اللہ ناپسند رکھتا ہے بدزبان، بیہودہ گو کو۔''

حدیث ۲- ''اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک مؤمن اچھے خلق کے سبب شب بیدار اور روزہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔'' (ابوداؤد)

حدیث ۳- ''نیز ارشاد فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان لوگوں سے ملتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ ان سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور اُن کی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔'' (ترمذی وابن ماجہ)

حدیث ۴- ''و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ مؤمنوں میں زیادہ کامل ایمان رکھنے والا وہ ہے جو ان میں اچھے خلق والا ہو۔'' (ابوداؤد، دارمی)

آیت مبارکہ: ''اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ چھوڑو تم ظاہر گناہ اور باطن (یعنی پوشیدہ) گناہ کو بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو کہ وہ کرتے ہیں۔''

ف: اس خطبہ میں اخلاق حسنہ کا مجمل بیان تھا اور اگلے خطبہ سے نمبر ۳۸ تک اخلاق حسنہ کا مفصل بیان ہے کہ کون کون سے اخلاق اچھے ہیں۔

اضافہ: (الف) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (بخاری)۔

(ب) و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو۔ (متفق علیہ)

(ج) اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے رسول خدا جو چیزیں انسان کو دی گئی ہیں ان میں سب سے عمدہ کیا چیز ہے: ارشاد فرمایا اچھا خلق۔

(د) اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں تا کہ اچھے اخلاق کو پورا کروں۔ (احمد و مالک)

محترم بزرگو' بھائیو' دوستو! آج جمعتہ المبارک کا موضوع ہے تہذیب الاخلاق یعنی اخلاق ذمیمہ و رذیلہ کی اصلاح کرنا اور ان کا امالہ کرنا اور اخلاق حمیدہ اور محاسن اخلاق کی تحصیل۔ اسی بارے میں تفصیل سے عرض کروں گا کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَo

ترجمہ: ''تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ و اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ و بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان کے کیے کی سزا عنقریب ملے گی۔''

تفسیری نکات

گناہ کی دو قسمیں

پس اس میں یہ بات بھی بتلا دی کہ بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑا جائے اور سب کو چھوڑا جائے اور یہ بھی بتلا دیا کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً کہتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ ہے کسی نامحرم کو دیکھنا امرد کو دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہیے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں' ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاo

''ہرگز مت اُٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی آزمائش کے لیے نفع کے واسطے دی ہیں یعنی دنیا کی رونق وغیرہ۔''

اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی طرح زبان کا گناہ چغل خوری ہے غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔ الا ماشاء اللہ اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضی حق تو نہ ہوگی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے' گانا سنے' ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نامحرم کو چھوئے

کوئی ناجائز مضمون لکھے، پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حلال سب برابر پھر کہاں تک بچیں۔ صاحبو! یہ گمان بالکل غلط ہے جس کو فقہ حلال کہہ دے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ ظاہری گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو دوسروں کو اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہری گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں اور یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں؟ محسوس اس لیے ہیں کہ انکا محل محسوس ہے یعنی ہاتھ پاؤں، آنکھ، زبان وغیرہ ان جوارح سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جوارح محسوس ہیں اس واسطے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو خود محسوس نہیں اس لیے وہ بھی غیر محسوس ہیں۔ وہ محل کون ہے؟ وہ محل ہے قلب اور نفس تو معلوم ہوا کہ بعضے گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں۔

اخلاق حسنہ کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے نقش قدم پر چلے اس لیے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند اخلاق حسنہ کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جو شعر ہذا کا مصداق ہے:

فتوح فی فتوح فی فتوح   وروح فوق رُوح فوق رُوح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کو اپنے دل میں جمانا جس سے آپ کی محبت بھی بڑھے اور جس سے ان عادات کو اختیار کرنے کا بھی شوق ہو۔ اب چند آیتیں اور حدیثیں اس باب کی لکھتا ہوں:

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ ہیں۔ (سورہ نون)

(۲) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری (سب کی) مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔ (سورہ توبہ)

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اُٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے۔ (سورہ احزاب)

ف: کیا انتہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مروت کی کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو اور یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا اور احکام الٰہی کی تبلیغ میں نہ تھا۔ یہ آیتیں تھیں آگے حدیثیں ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی۔ آپ نے کبھی مجھ کو اُف بھی نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلانا کام کیوں کیا اور فلانا کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

ف: ہر وقت کے خادم کو دس برس کے عرصے تک ہوں سے ہاں نہ فرمایا۔ یہ معمولی بات نہیں کیا اتنے عرصے تک کوئی بات بھی خلاف مزاج لطیف نہ ہوئی ہوگی۔

(۲) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا' میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا۔ (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گزرا۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آ کر) میری گردن پکڑ لی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو' میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جا رہا ہوں۔ (مسلم)

(۳) ان ہی سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادرہ پکڑ کر بڑی زور سے کھینچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سینے کے قریب جا پہنچے۔ پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف التفات فرمایا' پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا۔ (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرمالیا)۔ (بخاری و مسلم)

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں، اور) دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب دے دیں۔ وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا اے قوم! مسلمان ہو جاؤ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔ (مسلم)

(۶) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب کہ آپ مقام حنین سے واپس ہو رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدوی لوگ لپٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اڑا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چادرہ بھی چھین لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو! اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔ (بخاری)

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے مدینے (والوں) کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا۔ سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (برکت کے لیے) اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی، جب بھی اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔ (مسلم)

(۸) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے، کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے: فلانے شخص کو کیا ہو گیا، اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں، خصوص اگر سجدے میں لگ جاوے تب تو یہ دعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بری باتوں سے روکنے کی تو یہ اصلاح کی دُعا ہوئی۔ (بخاری)

(۹) حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردے میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تو (شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے مگر) ہم لوگ اس کا اثر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰) حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے (جس کی مثالیں اگلی حدیث میں آتی ہیں)۔ (بخاری)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم من جملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا (ذاتی) کام بھی کر لیتے تھے۔ (ترمذی)

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو ہاں راہِ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصے کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم)

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا اس وقت آپ کی خدمت میں آ گیا تھا اور دس برس تک میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ملامت نہیں کی۔ اگر آپؐ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جانے دو۔ اگر کوئی (دوسری) بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی۔ (مصابیح بلفظہ و بیہقی مع تغیر یسیر)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپؐ مریض کی بیمار پرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ الخ (ابن ماجہ و بیہقی)

(۱۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص

سے مصافحہ فرماتے تھے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہی اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے) ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ (ترمذی)

(۱۶ اور ۱۷) شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان میں سے بعضے جملے نقل کرتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے۔ ایک حصہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے (حقوق ادا کرنے کے لیے) اور ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لیے پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اس طرح پر تقسیم فرماتے کہ اس حصہ (کے برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعے سے عام لوگوں تک پہنچاتے۔ (یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی۔ پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصہ اُمت میں آپ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم وعمل) کو (حاضری) کی اجازت دینے میں دوسرے پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے کیونکہ کسی کو ایک ضرورت ہوئی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں، کسی کو کئی ضرورتیں آپ (اسی نسبت سے ان کے ساتھ مشغول ہوتے) اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں ان کی اور اُمت کی مصلحت ہو جیسے مسئلہ پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے اور (علاوہ علمی فوائد کے کچھ کھا پی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے' یہ رنگ تھا مجلس خاص کا) ۔ پھر میں نے اپنے باپ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا (انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں ان ہی کی دوسری حدیث سے نقل کرتا ہوں)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو' نرم خو' نرم مزاج تھے' آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کوئی بات کرتا' اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے

بڑھنے لگتا۔ تب اس کو کاٹ دیتے۔ خواہ منع فرما کر یا اُٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا اور مخالفین کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

(۱۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی موقعہ پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر بددعا کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا' میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

ف: اس لیے آپ کی عادت دشمنوں کے لیے بھی دعائے خیر ہی کرنے کی تھی اور کبھی کبھار اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ ان کی شرارت سے آپ کی حفاظت فرمادے یہ اور بات ہے۔

(۱۹) حضرت عائشہؓ سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کے کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگ اُحد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتہ سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا' اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ کو حکم دیں' اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (بخاری و مسلم)

ف: دیکھئے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا۔ خصوص جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یقین بھی دلایا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جائیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔ یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل تھے۔ بعضے مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی ان کے ساتھ بھی برتاؤ سنئے۔

(۲۰) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینے میں آباد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کچھ قرض تھا اور اس نے آپ کو ایک بار اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا۔ لوگوں کے دھمکانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو

معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی قصے میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا:"اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اور یہ بھی کہا کہ میں نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو تورات میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ میں ہے اور سلطنت شام میں ہوگی۔(چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں اور نہ درشت مزاج' نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے مجھ کو اس کا دیکھنا تھا (کہ دیکھوں آپ وہی ہیں یا نہیں؟ سو دیکھ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں!)
"اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ"
الخ (بیہقی) بجز دو حدیثوں کے جن میں شمائل کا نام ہے باقی سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

مشورہ

اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روزمرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو' سن لیا کرو تو پھر دیکھ لو گے تم کیسی جلدی کیسے اچھے ہو جاؤ گے۔وماعلینا الاالبلاغ

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

پانچواں خطبہ

حفاظت شکم وشرم گاہ

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات

''حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ارشاد فرمایا ہے بیشک جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ وہ نیز ارشاد فرمایا ہے اور تم لوگ میراث (یعنی دوسروں کا حصہ بھی) سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور برا طریقہ ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم جہاں والوں میں سے یہ حرکت کرتے ہو کہ مردوں پر گرتے ہو اور ان بیویوں کو چھوڑتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے واسطے پیدا کی ہیں بلکہ تم حد (انسانیت) سے گزرنے والی قوم ہو۔

حدیث اول: ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ مضر نہیں چھوڑا۔'' (بخاری ومسلم)

حدیث دوم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ دوبارہ نظر نہ کرو کیوں کہ تمہارے لیے پہلی نظر (یعنی جو اچانک پڑ جاوے وہ) جائز ہے اور دوسری (بدنظری کرنا یا پہلی نظر کو برقرار رکھنا) جائز نہیں ہے۔'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد، داری)

حدیث سوم: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار لیتے سنا تو فرمایا کم کر اپنی ڈکار کو (یعنی کم کھایا کرو) کیوں کہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہوں۔'' (شرح السنہ)

حدیث چہارم: ''اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے پاس آنیوالے کا بھی تیرے ذمہ حق ہے اور تیرے بدن کا بھی تیرے اوپر حق ہے'' (عین مسلم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بھوک اور خواہش نفس کے بارے میں جس طرح زیادتی مذموم ہے اسی طرح ایسی کمی بھی مذموم ہے جس سے نفس کا یا اہل وعیال وغیرہ کا حق فوت ہوتا ہے۔

آیت مبارکہ: ''اورارشادفرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔''

اضافہ: (الف) و نیز ارشاد فرمایا کہ خدا آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اس کی بھی جس کو وہ دل میں چھپاتے ہیں۔(پس آنکھ اور دل کو بھی گناہ سے بچانا لازم ہے)۔

(ب) اور ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے سبب سے تھا۔(مسلم)

معززین حاضرین! خطبہ جمعہ کے پہلے موضوع حفاظت شکم اور عدم حفاظت کی صورت میں اس کے نقصانات عرض کرتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ اولاد آدم کے لیے سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن شہوت پیٹ کی شہوت ہے۔اسی کی وجہ سے حضرت آدم وحوا علیہما السلام جنت سے نکالے گئے اور اس دنیا میں بھیجے گئے' انہیں ایک خاص درخت کھانے سے منع کیا گیا تھا مگر شہوت غالب آئی اور انہوں نے وہ درخت کھالیا' اس نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام برائیاں جو اب تک مستور تھیں کھل گئیں۔

شکم......تمام شہوات کا سرچشمہ

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ ہی تمام شہوتوں کا سرچشمہ اور تمام آفتوں کا منبع اور معدن ہے۔ شہوت شکم سے شہوت جماع کو تحریک ملتی ہے۔جب آدمی کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تب ہی وہ یہ سوچتا ہے کہ بہت سی عورتیں نکاح میں ہوں اور خوب صحبت کی لذت حاصل کی جائے' کھانے اور نکاح کرنے کی شہوتیں جاہ ومال کی رغبت پیدا کرتی ہیں' جاہ ومال یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو منکوحات اور مطعومات میں توسع کا ذریعہ بنتی ہیں۔مال کی کثرت اور جاہ کی زیادتی سے آدمی میں رعونت' ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی خواہش اور اپنے سے بالاتر کے لیے حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ان کے بطن سے ریا' مفاخرت اور غرور جیسے عیوب پیدا ہوتے ہیں۔کینہ' بغض اور عداوت کے جذبات کو تحریک ملتی ہے' پھر آدمی سرکشی' نافرمانی' بغاوت اور تمرد پر کمر باندھ لیتا ہے' منکرات اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے' یہ سب معدہ کو خالی نہ رکھنے کے نتائج وثمرات ہیں۔یہ پیٹ بھر کر کھانا

ملنے کا غرور اور نشہ ہے اگر آدمی اپنے نفس کو بھوک سے ذلیل رکھتا اور شیطان کی آمدورفت کے راستوں پر پہرے بٹھا دیتا تو وہ ہرگز سرکشی اختیار نہ کرتا بلکہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا، کبر وریا اور نافرمانی وسرکشی کی راہ نہ چلتا، نہ دنیاوی لذات میں غرق ہوتا، نہ عاجلہ (دنیا) کو عقبی (آخرت) پر ترجیح دینے کی غلطی کرتا، نہ دنیا کے مال ودولت پر اس طرح ٹوٹتا جس طرح کتے اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں۔

بہر حال جب شہوت شکم کی آفت اتنی زیادہ خطرناک اور مہلک ہے تو اس کے خطرات سے اللہ کے بندوں کو آگاہ کرنا اور ان سے بچنے کے طریقوں سے واقف کرانا ضروری ہے۔

خطبے میں مذکورہ آیت سے پہلے

عام مسلمانوں کو خطاب عام ہے کہ اس کا پورا اہتمام کریں کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد کو پورا پورا پہنچ جائے اور ہر ایسے طریقہ سے پرہیز کریں جس میں اولاد کے حصہ پر کوئی ناگوار اثر پڑتا ہو۔ اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کسی مسلمان کو کوئی ایسی وصیت یا تصرف کرتے ہوئے دیکھیں جس سے اس کی اولاد اور دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس کو ایسی وصیت یا ایسے تصرف سے روکیں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا پورا مال یا آدھا مال صدقہ کرنے سے روک دیا اور صرف ایک تہائی مال کو صدقہ کرنے کی اجازت دیدی۔ (مشکوٰۃ باب الوصایا ص ۲۶۵) کیونکہ پورا مال یا آدھا مال صدقہ کر دیا جاتا تو وارثوں کا حصہ ختم یا کم ہو جاتا۔

نیز اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ یتیم بچوں کے اولیاء ان کے مال کی حفاظت اور پھر بالغ ہونے کے بعد ان کو پورا پورا دینے کا بڑا اہتمام کریں۔ اس میں ادنیٰ کوتاہی کو راہ نہ دیں اور دوسروں کے یتیم بچوں کے حالات کو اپنے بچوں اور اپنی محبت کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیں اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ لوگ اچھا معاملہ کریں اور وہ پریشان نہ ہوں، کوئی ان پر ظلم نہ کرے تو ان کو چاہیے کہ دوسرے کی اولاد یتامیٰ کے ساتھ یہی معاملہ کریں۔

یتیم کا مال ظلماً کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

خطبے میں تلاوت کردہ آیت میں یتیموں کے مال میں ناجائز تصرف کرنے والوں کے لیے وعید شدید کا بیان ہے کہ جو شخص ناجائز طور پر یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔

اس آیت نے یتیم کے مال کو جہنم کی آگ قرار دیا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اس کو تشبیہ اور کنایہ پر محمول کیا ہے۔ یعنی یتیموں کا مال ناحق کھانا ایسا ہے جیسے کوئی پیٹ میں آگ بھرے

کیونکہ اس کا انجام بالآخر قیامت میں ایسا ہی ہونے والا ہے مگر اہل تحقیق کا قول یہ ہے کہ آیت میں کوئی مجاز اور کنایہ نہیں ہے بلکہ جو مال یتیم کا ناجائز طریقہ سے کھایا جائے وہ حقیقت میں آگ ہی ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کی صورت آگ کی معلوم نہ ہوتی ہو جیسے کوئی شخص دیا سلائی کو کہے کہ یہ آگ ہے یا سنکھیا کو کہے کہ قاتل ہے تو ظاہر ہے کہ دیا سلائی کو ہاتھ میں لینے سے ہاتھ نہیں جلتا اور سنکھیا کو ہاتھ میں لینے سے بلکہ منہ میں رکھنے سے بھی کوئی آدمی نہیں مرتا۔ البتہ ذرا سی رگڑ کھانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جس نے دیا سلائی کو آگ کہا تھا وہ صحیح کہا تھا۔ اسی طرح حلق کے نیچے اترنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سنکھیا کو قاتل کہنے والا سچا تھا۔ قرآن کریم کے عام اطلاقات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جو عمل نیک یا بد کر رہا ہے یہی عمل جنت کے درخت اور پھل پھول ہیں یا جہنم کے انگارے ہیں۔ اگرچہ ان کی صورت یہاں اور ہے مگر قیامت کے روز اپنی شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آئیں گی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا

"یعنی قیامت کے روز وہ اپنے کیے ہوئے کو موجود پائیں گے۔"

یعنی جو عذاب وثواب ان کو نظر آئے گا وہ حقیقت میں ان کا اپنا عمل ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ یتیم کا مال ناحق کھانے والا قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے منہ، ناک اور کانوں آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم قیامت کے روز اس طرح اُٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا ○ (ابن کثیر ۴۵۶ ج ۱)

آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کا مال جو ناحق کھایا جائے وہ درحقیقت جہنم کی آگ ہوگی۔ گو اس وقت اس کا آگ ہونا محسوس نہ ہو۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں شدید احتیاط کے لیے واضح ہدایات دی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اُحَرِّجُ مَالَ الضَّعِیْفَیْنِ الْمَرْاَۃِ وَالْیَتِیْمِ ○ (ابن کثیر ص ۴۵۶ ج ۱)

"میں تم کو خاص طور پر دو ضعیفوں کے مال سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں' ایک عورت اور دوسرے یتیم۔"

سورۃ نساء کے اول رکوع میں شروع سے آخر تک عموماً یتامیٰ ہی کے احکام ہیں۔ یتامیٰ کے اموال کی نگہداشت رکھنے' ان کے مال کو اپنا مال نہ بنا لینے' ان کے وراثت میں ملے ہوئے اموال سے ان کو حصہ دینے کا حکم فرمایا اور بڑا ہو جانے کے ڈر سے ان کا مال اڑا دینے میں جلدی کرنا' یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے مہر کم کر دینا یا ان کے مال پر قبضہ کر لینا وغیرہ ان سب امور کی ممانعت فرمائی۔

آخر میں فرمایا کہ ناحق یتیم کا مال کھانا پیٹ میں آگ کے انگارے بھرنا ہے کیونکہ اس کی پاداش میں موت کے بعد اس طرح کے لوگوں کے پیٹوں میں آگ بھری جائے گی۔ لفظ "یَاْکُلُوْنَ" استعمال فرمایا ہے اور یتیم کا مال کھانے پر وعید سنائی گئی ہے لیکن یتیم کے مال کا ہر استعمال کھانے پینے میں ہو یا برتنے میں' سب حرام اور باعث عتاب و عذاب ہے کیونکہ محاورے میں کسی کا مال ناحق کھا لینا ہر استعمال کو شامل ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص وفات پا جاتا ہے تو اس کے مال کے ہر ہر حصہ اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے ساتھ ہر وارث کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس کے نابالغ بچے یتیم ہوتے ہیں' ان بچوں کے ساتھ عموماً ہر گھر میں ظلم و زیادتی کا برتاؤ ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان بچوں کے باپ کی وفات کے بعد مال پر قابض ہوتا ہے خواہ ان بچوں کا چچا ہو یا بڑا بھائی ہو یا والدہ ہو یا اور کوئی ولی یا وصی ہو' اکثر اُن امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں جن کی ممانعت اس رکوع میں کی گئی ہے۔ اول تو سالہا سال مال کو تقسیم کرتے ہی نہیں ان بچوں کی روٹی' کپڑے پر تھوڑا بہت خرچ کرتے رہتے ہیں' پھر بدعات' رسومات اور فضولیات میں اسی مال مشترک سے خرچ کیے چلے جاتے ہیں' اپنی ذات پر بھی خرچ کرتے ہیں اور سرکاری کاغذات میں نام بدلوا کر اپنے بچوں کا نام لکھواتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے کوئی ہی گھر خالی رہتا ہوگا۔

مدرسوں اور یتیم خانوں میں جو چندہ یتیموں کے لیے آتا ہے اس کو یتیموں پر خرچ نہ کرنا بھی ایک صورت یتیم کا مال ہضم کرنے کی ہے۔

مسئلہ: میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کو حساب میں لگائے بغیر یونہی صدقہ کر دیتے ہیں' بعض علاقوں میں تانبے پیتل کے برتن مال کو تقسیم کے بغیر فقیروں کو دے دیتے ہیں حالانکہ ان سب میں نابالغوں اور غیر حاضر وارثوں کا بھی حق ہوتا ہے پہلے مال بانٹ لیں جس میں سے مرنے والے کی اولاد' بیوی' والدین' بہنیں جس جس کو شرعاً

حصہ پہنچتا ہواس کو دیدیں اس کے بعد اپنی خوشی سے جو شخص چاہے مرنے والے کی طرف سے خیرات کریں یا مل کر کریں تو صرف بالغین کریں، نابالغ کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں اور جو وارث غیر حاضر ہواس کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر بھی تصرف درست نہیں۔

مسئلہ: میت کو قبرستان لے جاتے وقت جو چادر جنازہ کے اوپر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں ہے اس کو میت کے مال سے خریدنا جائز نہیں کیونکہ وہ مال مشترک ہے، کوئی شخص اپنی طرف سے خرچ کردے تو جائز ہے، بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے لیے کفن ہی کے کپڑے میں سے مصلّٰی تیار کیا جاتا ہے اور پھر یہ مصلّٰی امام کو دیدیا جاتا ہے، یہ خرچ بھی کفن کی ضرورت سے فاضل ہے ورثاء کے مشترک مال میں سے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

مسئلہ: بعض جگہ میت کے غسل کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔ پھر ان کو توڑ دیا جاتا ہے۔ اول تو نئے خریدنے کی ضرورت نہیں کیونکہ گھر کے موجودہ برتنوں سے غسل دیا جاسکتا ہے اور اگر خریدنے کی ضرورت پڑ جائے تو توڑنا جائز نہیں۔ اول تو اس میں مال ضائع کرنا ہے اور پھر ان سے یتیموں کا اور غائب وارثوں کا حق وابستہ ہے۔

مسئلہ: ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ وخیرات کچھ جائز نہیں۔ اس طرح کے صدقہ وخیرات کرنے سے مردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا بلکہ ثواب سمجھ کر دینا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے اس لیے کہ مورث کے مرنے کے بعد اب یہ سب مال تمام وارثوں کا حق ہے اور ان میں یتیم بھی ہوتے ہیں، اس مشترک مال میں سے دینا ایسا ہے جیسا کہ کسی کا مال چرا کر میت کے حق میں صدقہ کردیا جائے، پہلے مال تقسیم کردیا جائے، اس کے بعد اگر وہ وارث اپنے مال میں سے اپنی مرضی سے میت کے حق میں صدقہ خیرات کریں تو ان کو اختیار ہے۔

تقسیم سے پہلے بھی وارثوں سے اجازت لے کر مشترک ترکہ میں سے صدقہ خیرات نہ کریں اس لیے کہ جو ان میں یتیم ہیں ان کی اجازت تو معتبر ہی نہیں اور جو بالغین ہیں وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی سے اجازت دیں، ہوسکتا ہے وہ لحاظ کی وجہ سے اجازت دینے پر مجبور ہوں اور لوگوں کے طعنوں کے خوف سے کہ اپنے مردہ کے حق میں دو پیسے تک خرچ نہ کیے، اس عار سے بچنے کے لیے بادل ناخواستہ حامی بھرلے۔ حالانکہ شریعت میں صرف وہ مال حلال ہے جب کہ دینے والا طیب خاطر سے دے رہا ہو، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

یہاں ہم ایک بزرگ کا واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔ یہ بزرگ ایک مسلمان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر مریض کے پاس بیٹھے تھے کہ اس کی رُوح پرواز کر گئی۔ اس موقع پر جو چراغ جل رہا تھا انہوں نے فوراً اسے گل کر دیا کیونکہ اب یہ چراغ اور اس کا تیل وارثوں کا مشترکہ مال ہے۔

آیت مبارکہ: "وتاکلون التراث اکلا لما وتحبون المال حبا جما" (اور تم وراثت کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو)۔

جوارح اور دل کے گناہ

پس تاکلون التراث تو ہاتھ منہ کا گناہ ہے جس کے گناہ ہونے کو سب جانتے ہیں اور تحبون المال دل کا گناہ ہے جس سے یہ ظاہری گناہ متفرع ہوا۔

بلاغت کلام باری تعالیٰ

اور دیکھئے رحمت حق تعالیٰ کی کہ شکایت صرف حب مال کی نہیں فرمائی بلکہ اس کو مقید فرمایا ہے حباً جماً سے مطلب یہ ہے کہ نفس حب مال کی ہم شکایت نہیں کرتے بلکہ شکایت اس بات کی ہے کہ مال کی بہت زیادہ محبت رکھتے ہو ان ہی رعایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام تو آدمی کا نہیں ہے آدمی اپنے کلام میں خواہ کتنی ہی رعایت کرے مگر ہر پہلو پر اس کی نظر نہیں رہتی جس ایک پہلو کو لیتا ہے اس میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ہم لوگ غصہ میں کسی کی توہین یا کسی کا نقص یا ملامت کریں گے تو حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر اس وقت حد پر رہنے کی کوئی تدبیر بھی کرنا چاہتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا یا ہمت نہیں ہوتی بخلاف کلام باری تعالیٰ کے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم لوگ تو مغلوب ہیں طبیعت کے اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں دیکھئے ملامت فرما رہے ہیں لیکن اس میں بھی کیا رحمت ہے کہ نفس حب پر ملامت نہیں اگر نفس حب مال پر شکایت ہوتی تو مخاطبین سخت سوچ اور فکر میں پڑ جاتے اس لیے کہ ایسا کون ہے جس کو مال سے تعلق نہیں اس لیے یہ فکر ہو جاتی کہ بس جی ہم تو بالکل ہی مردود ہیں۔ چنانچہ بعضے سالک جہل یا غلبہ حال سے یا ناواقف مشائخ کے ہاتھ میں پھنس جانے سے بھی سمجھ بیٹھے کہ غیر اللہ سے کسی درجہ کا بھی تعلق رکھنا مذموم ہے۔ بس ان کی یہ حالت ہوئی کہ بیوی کو چھوڑ دیا' مال کو لٹا دیا اور تماشا ہے کہ ان کے ناواقف مشائخ اپنے مریدوں کی اس حالت پر ناز کرتے ہیں۔ سو یہ لوگ خود ہی اس قابل

ہیں کہ ان کی اصلاح کی جاوے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی کس کی تربیت ہوگی۔ سو سن لیجئے ایک صحابی دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے اور شب کو قیام بہت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے کمزور ہو جاؤ گے آنکھ کا بھی حق ہے' مہمان کا بھی حق ہے' خدا تعالیٰ کا بھی حق ادا کرو اور دوسرے حقوق بھی ادا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تربیت دیکھئے کہ دشمنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ مال کی محبت تم کو زیادہ کیوں ہے اور یہی مذموم ہے باقی حب مال مطلقاً مذموم نہیں۔

گناہوں کی قسمیں

آیت مبارکہ: وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا o وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا o کی ایک حکمت اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ظاہر میں بھی گناہ ہیں اور اکثر لوگ ان ہی کو گناہ سمجھتے ہیں جیسے چوری' زنا' قتل' ناحق ظلم پرایا مال کھا جانا' شراب پینا وغیرہ۔ دوسرے وہ گناہ کہ لوگ ان کو گناہ نہیں سمجھتے اور نہ کبھی اس طرف ان کا ذہن جاتا ہے وہ یہ گناہ ہیں مثلاً مال کا لالچ ہونا خدا کے سوا کسی سے محبت ہونا' اللہ کی یاد سے غافل ہونا' یہ وہ چیزیں ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کا شبہ تک بھی نہیں ہوتا۔ (آیت مبارکہ میں اسی پر تنبیہ ہے)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے دو شکایتیں فرمائی ہیں ایک یہ کہ پرایا حق کھا جاتے ہو دوسرے مال سے محبت رکھتے ہو یہ دونوں جدا جدا مضمون نہیں بلکہ ثانی اول کے لیے علت ہے یعنی حق تعالیٰ کو میراث کھا جانے کی وجہ بیان فرمانا بھی مقصود ہے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تم کو مال سے بہت محبت ہے۔ اکل میراث کا مذموم ہونا گویا دو حیثیتوں سے بیان فرمایا کہ یہ فعل خود بھی برا ہے اور اس کا منشاء جس سے یہ پیدا ہوا ہے وہ بھی برا ہے جیسے کسی کی مذمت کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ تم بھی نالائق ہو اور تمہارا باپ بھی نالائق تھا اس میں بلاغت زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس جب موقع شکایت میں "وتاکلون التراث" فرمایا تو جس کی طبیعت میں ذرا بھی سلامتی ہو وہ خود سمجھ لے گا کہ یہ فعل برا ہے۔

نفس مذمومیت تو اسی سے سمجھ میں آ گئی لیکن حق تعالیٰ نے اس پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کا سبب بھی بتایا کہ وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا o اور وہ سبب ایسا ہے کہ وہ خود بھی گناہ ہے تو اس سے اس کا مذموم ہونا اور زیادہ بوجہ ابلغ واضح ہو گیا۔ پس ایک حکمت تو علت بیان کرنے سے یہ تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں نظر صرف پرایا مال کھا جانے ہی پر متصور نہ رہے بلکہ اصل علت پر بھی نظر

ہو جاوے تا کہ اس سے اس کے علاوہ جتنی شاخیں متفرع ہوتی ہیں سب پیش نظر ہو جاویں اور حق تعالیٰ کے نزدیک سب کا مذموم ہونا واضح ہو جاوے۔ تیسرے ایک اور حکمت اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ظاہر نظر میں بھی گناہ ہیں اور اکثر لوگ ان کو ہی گناہ سمجھتے ہیں جیسے چوری، زنا، قتل، ناحق ظلم، پرایا مال کھا جانا، شراب پینا وغیرہ۔ دوسرے وہ گناہ کہ لوگ ان کو گناہ نہیں سمجھتے اور نہ اس طرف کبھی ان کا ذہن جاتا ہے کہ یہ گناہ ہیں مثلاً مال کا لالچ ہونا خدا کے سوا کسی سے محبت ہونا، اللہ کی یاد سے غافل ہونا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کا شبہ تک بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب کبھی اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں تو ظلم، چوری، چغلی، غیبت وغیرہ تو یاد آتے ہیں مگر یہ ہرگز یاد نہیں آتا کہ ہمارے دل میں لالچ ہے، ہماری تمام عمر غفلت میں گزر گئی اور تمام عمر اس کوشش میں گزر گئی کہ ہم بڑے بن کر رہیں، ناک اونچی ہو ان کو وہی لوگ گناہ سمجھتے ہیں جو جاننے والے ہیں اور جاننے والوں سے میری مراد وہ ہیں جو علم دین کامل رکھتے ہیں نہ صرف حرف شناس یا مدعی جیسے بعض جاہل یا اکثر عورتیں جو کچھ حرف شناس ہو جاتی ہیں وہ اپنے کو عالم اور محقق سمجھنے لگتی ہیں۔

خطبہ کا دوسرا موضوع شرمگاہ کی حفاظت کے بارے میں ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں وہ چیز جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (زبان) اور وہ چیز جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (شرمگاہ)۔ شرمگاہ سے متعدد گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں وہ مؤمنین جو آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے ان کے بارے میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ٥ (المؤمنون آیت ۵،۶)

"اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔"

یعنی اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے میں کوئی الزام نہیں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے۔ مقصد زندگی بنانا نہیں اس کا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں اس کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں، اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے۔ اس سے نکاح

بھی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔یعنی کسی مرد یا لڑکے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کرلینا بھی اس میں داخل ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگ اس طرح اُٹھیں گے کہ ان کے ہاتھوں سے زنا کی بدبو آرہی ہوگی۔اسی طرح سورۃ الفرقان میں عبادالرحمٰن کی صفات میں ارشاد فرمایا:

وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝

''اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اسے سابقہ پڑے گا۔''

ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جگہ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام ایک جہنم کی وادی کا نام ہے جو سخت اور شدید عذابوں سے پُر ہے۔بعض روایات حدیث بھی اس کی شہادت میں لکھی ہیں۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرمگاہوں سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے اور آگ کے عذاب کے ساتھ ان کی رسوائی جہنم میں ہوتی رہے گی۔(رواہ البزار عن بریدۃؓ)

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زنا کرنے والا زنا کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا اور چوری کرنے والا چوری کرنے کے وقت مؤمن نہیں ہوتا اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مؤمن نہیں ہوتا۔(بخاری ومسلم) اس کی شرح ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ ان جرائم کے کرنے والے جس وقت مبتلائے جرم ہوتے ہیں تو ایمان ان کے قلب سے نکل کر باہر آجاتا ہے اور پھر جب اس سے لوٹ جاتے ہیں تو ایمان واپس آجاتا ہے۔

شب معراج میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور ایک ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے وہ لوگ اس سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی اُمت میں سے وہ مرد ہے جس کے پاس حلال طیب بی بی ہو اور پھر وہ ناپاک عورت کے پاس آئے اور شب باش ہو یہاں تک کہ صبح

ہو جائے۔ اسی طرح وہ عورت ہے جو اپنے حلال طیب شوہر کے پاس سے اُٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آئے اور رات کو اس کے پاس رہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔

اسی طرح شب معراج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی عورتوں پر ہوا کہ پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہیں اور وہ زنا کرنے والیاں تھیں۔ قرآن حکیم کی آیت مبارکہ:

لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلًا ۝

''زنا کے پاس نہ جاؤ' بے شک وہ بے حیائی کے کام ہے بری راہ ہے۔''

میں زنا کے پاس نہ پھٹکنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا کے مبادیات سے بچنا ہے جن میں مبتلا ہو کر انسان زنا کے قریب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا بری نظر سے دیکھنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا بری نیت سے پکڑنا ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا برے ارادے سے چل کر جانا ہے اور دل زنا کرتا ہے اور اس کا زنا خواہش کرنا ہے اور دل بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا تمنا اور اشتہاء ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے تا تکذیب۔

فرج کے زنا کو الگ ذکر فرمایا اس سے صاف معلوم ہوا کہ قلب کی تمنا اور اشتہاء پر بھی مؤاخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کو ہر قسم کے ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

چھٹا خطبہ

اخلاص وصدق

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات: حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم (قیامت کے روز) اس عمل کی طرف ہوں گے جس کو وہ لوگ (دنیا) میں کر چکے تھے۔ پس ہم اس کو پریشان غبار کی طرح بیکار کر دیں گے۔

ف: یہ خسارہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں۔۱۲

و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے لئے ایسی عبادت ہے جو (شرک اور ریاء سے) خالص ہو۔ و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ مومن وہی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے رستہ میں جہاد کیا۔ وہی لوگ صدق والے ہیں۔

ف: صدق کے معنی ہیں کامل طور پر کسی طاعت کو بجالانا۔

حدیث ۱- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے دین کو خالص کر لے تجھے تھوڑا ہی عمل کافی ہے۔ (عین ترغیب عن الحاکم)

حدیث ۲- ایک شخص نے پکار کر دریافت کیا اے رسول اللہ ایمان کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا اخلاص۔ (عین ترغیب عن البیہقی)

حدیث ۳- و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال نیت ہی کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کے واسطے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (متفق علیہ)

حدیث ۴- اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور ابوبکرؓ اپنے کسی غلام کو لعنت کر رہے تھے۔ پس آپ نے ان کی طرف التفات فرمایا اور (از راہ تعجب) یہ ارشاد فرمایا کہ لعنت کرنے والے ہیں اور صدیق ہیں ایسا ہرگز نہیں۔ قسم ہے رب کعبہ کی۔ بس (یہ سن کر) ابوبکرؓ نے اسی روز اپنا کوئی غلام آزاد کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا پھر کبھی ایسا نہ کروں گا۔

آیت مبارکہ: اور حق تعالیٰ شانہٗ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) ارشاد

فرمایا ہے۔ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اس حال میں کہ (شرک وغیرہ سے) خالص رکھوں اس کے واسطے عبادت کو۔

اضافہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بشارت ہے مخلصین کے واسطے کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں ہر اندھیرا فتنہ ان کی وجہ سے کھل جاتا ہے۔ (عین ترغیب عن البیہقی)

حضرات گرامی! آج خطبہ جمعہ کے وعظ کا موضوع اخلاص اور صدق ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **اِنَّ اللّٰہ لا یَنظُرُ الی صورکم ...... وَاَموَالِکُم وَلٰکِن یَّنظُرُ اِلٰی اَعمَالِکُم وَ نِیَّاتِکُم** یعنی اللہ تعالیٰ صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے اعمال اور نیتوں کو دیکھتے ہیں۔

دین کا مدار اعمال پر ہے

اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے لفظ دین کے دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ایک عمل دوسری نیت اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین کا مدار اعمال پر ہے کسی اور شئے پر مثلاً کسی دنیوی و دینی شرف کی طرف انتساب پر نہیں بہت لوگ آج کل مغرور ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہماری نجات ہو جاوے گی اعمال کی ہم کو ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں: **تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون**۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ گزر گئے ان کے لئے ان کے اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم سے ان کے اعمال کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ ہاں بزرگوں کے انتساب سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اعمال وعقائد کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہو اور اگر اعمال نہ ہوں نہ عقائد صحیح ہوں تو نری برکت کیا کام آوے گی برکت مثال چٹنی اور مربے کی سی ہے اور اعمال کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ جزو بدن ہوتی ہے۔ مربے اور چٹنی معین ہضم طعام ضرور ہیں لیکن غذا بھی ہونی چاہیے اور اگر غذا نہ ہو صرف مربے اور چٹنی مہمان کے سامنے رکھ دیں اور روٹی وغیرہ کچھ نہ ہو تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ پس اسی طرح انتساب الی الانبیاء والاولیاء باعث برکت فی الاعمال ہے نہ کہ نجات کے لئے انتساب ہی کافی ہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص بیٹی کو خطاب کر کے فرمایا یا **فاطمة انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً**۔ یعنی اے فاطمہ نفس آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا

یعنی اگر تمہارے پاس اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو میں کچھ کام نہ آؤں گا اور اس کی نفی نہیں کہ اعمال کے ہوتے ہوئے بھی باعث ترقی درجات ہونا خود منصوص ہے۔

درجات کا اصل مدار

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (**والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شیء**) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کے ایمان کے ساتھ اتباع کیا ہم اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہ ہوں جیسے کہ آباء کے تھے لیکن اگر اس اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہوگا تو ہم ان کو ان کے آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے تو اسی الحاق کا انکار نہیں ہو سکتا مگر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ صرف یہ انتساب ہی الحاق کے لئے کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا ہے اور **ماالتنھم من عملھم من شیء** (اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری عمل بھی شرط ہے کیونکہ دفع دخل میں یہ فرمایا کہ ہم ان اسلاف کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل مدار درجات کا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ اصل کا ہونا ضروری ہے اور یوں اضافہ خواہ غیر عمل سے ہو جاوے۔ پس خود آیت میں بھی دلالت ہوگئی کہ آباء کے مرتبہ میں ذریت اس وقت پہنچے گی جبکہ اعمال اور عقائد دونوں کا ضروری ذخیرہ جمع ہو۔ آج کل کے پیروں نے اپنی دکان جمانے کے لئے اور دنیا کمانے کے لئے اپنے مریدین کے دلوں میں یہ جما رکھا ہے کہ تم کو اعمال کی کچھ ضرورت نہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ افسوس پیری مریدی کی غرض تو اصلاح نفس اور مجاہدہ نفس تھی کہ خود شاید عمل کی توفیق نہ ہوتی پیر کے اثر یا تاکید سے عمل کی توفیق ہو جاوے گی اور نفس مہذب ہو جاوے گا اب لوگوں نے اس طریق کو تعطل کا آلہ بنا رکھا ہے ایک ایسے پیر کی حکایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں گئے اور لاغر اور کمزور ہو رہے تھے۔ مریدوں نے پوچھا کہ پیر جی دبلے کیوں ہو رہے ہو کہنے لگے ارے کمبختو تمہاری ہی وجہ سے تو دبلا ہو رہا ہوں اور تم کو خبر بھی نہیں تمام کام تمہاری طرف سے مجھے ہی کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزے نہیں رکھتے میں روزے رکھتا ہوں پھر سب سے بڑھ کر یہ مصیبت کہ پل صراط پر جو کہ تلوار سے

تیز اور بال سے باریک ہے اس پر بھی چلتا ہوں۔

مرید بہت خوش ہوئے کہ پیر ہی سب کام ہماری طرف سے کر لیتے ہیں اور ایک مرید خوشی میں بولا کہ جامیں نے تجھ کو فلاں کھیت وہاں کا دیا پیر بہت خوش ہوئے مگر یہ بھی سوچے کہ اس نے کھیت تو دے دیا لیکن قبضہ ہمارا اس پر ہوا نہیں مبادا یہ زبانی ہی زبانی لین دین ہوا مناسب یہ ہے کہ قبضہ کر لیں اور اس کو دیکھ لیں یہ سوچ کر اس مرید نے فرمایا کہ چل کر دکھلا دے وہ ساتھ ہوا اور پیر صاحب تشریف لے چلے چاول کے کھیت میں پانی زیادہ تھا اور مینڈ تنگ تھی ایک جگہ پیر صاحب پھسل پڑے مرید نے ایک لات جڑی اور کہا کہ ارے تو پلصراط پر کیا چلتا ہوگا اتنے چوڑے رستہ میں تو تجھ سے چلا نہ گیا تو جھوٹا ہے جا ہم تجھ کو کھیت نہیں دیتے۔ آج کل کے پیروں نے خوب سمجھا دیا ہے کہ جو چاہو کرو سب بخشے جاؤ گے۔

روح دین

اس حدیث شریف میں اس زعم باطل کا رد ہے اسی واسطے بجائے لفظ دین کے لفظ اعمال فرمایا اور ہر چند کہ عمل میں نیت بھی آ گئی تھی لیکن نیت کو علیحدہ اس لئے بیان فرمایا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ خود اعمال ہی جب معتبر ہیں جبکہ نیت درست ہو اور نیز ان دو لفظوں سے دو گروہوں کی اصلاح فرمائی لفظ اعمال سے تو غالب عوام کی کیونکہ عوام کو دنیا کے دھندوں میں شب و روز غلطاں پیچاں رہنے سے اکثر اعمال کی طرف توجہ کم ہوتی ہے لیکن بد نیتی یعنی ریاء وغیرہ سے اس لئے مبرا ہیں کہ ان کو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس کا قصد بھی نہیں کرتے اور لفظ نیات سے غالب خواص کی جو دیندار کہلاتے ہیں تمام شعائر اسلام کے پابند ہیں لیکن اخلاص سے خالی ہیں اس لئے ان کی یہ دینداری محض صورتا ہے۔ روح دین کی ان کو حاصل نہیں ایسے لوگوں میں اکثر مرض ریاء کا ہوتا ہے ان کو لفظ نیت سے اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ نماز روزہ ذکر حج زکوٰۃ تم کرتے ہو اگرچہ نفس اعمال نفع سے خالی نہیں ہیں اور بہ نسبت اس شخص کے جو کچھ نہ کرے اس سے بدرجہا بڑھ کر ہے مگر جو اصل مقصود ہے یعنی رضا وہ جب ہی حاصل ہوگا جبکہ اخلاص بھی ہو اور اس کی ایسی مثال ہے کہ دو شخص کسی بادشاہ کے ہاں گئے ایک تو ہدیہ لے گیا اگرچہ وہ ہدیہ بادشاہ کے لائق نہ ہو اور دوسرا بغیر ہدیہ کے گیا تو اگرچہ اس ہدیہ نہ لے جانے والے کی یہ شکایت تو نہ ہوگی کہ ہدیہ کیوں نہ لایا جیسا اس دوسرے سے یہی باز پرس ہوگی اور اس اعتبار سے یہ اس سے

غنیمت ہے مگر یہ شکایت ضرور ہوگی کہ تمہارا ہدیہ ہمارے لائق نہیں اور چونکہ مقصود ہدیہ سے ارضاء ہے اور اگر وہ حاصل نہ ہوگا تو ہدیہ کالعدم ہوگا اسی طرح مقصود عبادت سے رضاء ہے پس جس عبادت میں غرض مفاسد کی آمیزش ہو اور نیت درست نہ ہو تو ایسی عبادت کا بھی عدم و جود برابر ہوگا سو ہم لوگ اعمال کرتے ہیں مگر ہمارے اغراض اکثر فاسد ہوتے ہیں۔

ہمارے اعمال کی حالت

چنانچہ اہل علم اہل زہد اپنی حالت کا موازنہ صحیح کر کے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے مثلاً عبادات نافلہ تلاوت قرآن وذکر و نوافل تہجد اور جو اعمال اخفاء کے قابل ہیں ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے۔ اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اس کے متجسس رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بے کار ہی ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔

خوشی کی تین قسمیں

جاننا چاہیے کہ عمل نیک کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اس خوشی کی تین قسمیں ہیں ایک تو طبعاً جی خوش ہوتا ہے کہ الحمدللہ اس شخص نے ہم کو اچھی حالت میں دیکھا یہ خوش ہونا تو ایسا ہے جیسے لذیذ کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے طبیعت کا مقتضا ہے کہ اچھی شئے سے خوشی ہوتی ہے غرض یہ فرحت تو آثار طبعیہ میں سے ہے اس کے ازالہ اور رفع پر قدرت نہیں ایسے خوش ہونے میں کچھ ملامت نہیں۔

غلو فی الاخلاص

اہل خلوص کو سخت غلطی ہوتی ہے کہ اس فرحت میں اور ریاء میں ان کو امتیاز نہیں ہوتا اس لئے اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کہ جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی ریاء ہوگئی حالانکہ یہ فرحت طبعی ہے ریاء نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بے کار جانتے ہیں اور شب و روز اسی غم میں رہتے ہیں۔ انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا

ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کار آمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا پس یہ شخص مایوس ہو کر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہو جاتی ہے کبھی ان کے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفران نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہو جاوے گی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے کہ ایک دولت حاصلہ کی نفی کر رہے ہو۔ کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوا دعاء کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ اس کا کفران کیا جاوے غرض یہ فرحت طبعی ہے اس کو ریا سمجھنا غلطی ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ریاء اعمال اختیاریہ میں سے وسوسہ ریاء غیر اختیاری پس وسوسہ ریا نہیں ہے جیسا کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وساوس آجاتے تھے۔

وسوسہ ریاء ریاء نہیں

بس وسوسہ ریاء سے ریاء کار نہیں ہوتا ہے یہ بھی شیطان کی رہزنی کا ایک طریق ہے کہ ضروری مقصود سے دور کر کے اس دھندے میں لگا دیتا ہے۔ پس یہ ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا کہ جو امر غیر اختیاری ہو وہ مذموم نہیں اور اس قاعدے کے ذہن نشین کر لینے سے بہت سے صعوبات جو سالک کو پیش آتے ہیں سب حل ہو جاتے ہیں۔ عارف شیرازیؒ اسی کو فرماتے ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(طریقت میں جو کچھ سالک کو پیش آئے اس کے لئے خیر ہی ہے صراط مستقیم پر کوئی گمراہ نہیں ہے)

خالی الذہن ہونا بھی ایک قسم کا اخلاص ہے

ہاں عوام میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ عمل کے وقت اکثر خالی الذہن ہوتے ہیں اس عمل کی نہ کوئی غایت مذمومہ ان کے ذہن میں ہوتی ہے اور نہ غایت محمودہ مگر عادت سے اور اجمالاً اس اعتقاد سے کہ خدا کا حکم ہے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ خلو عن الغایۃ المحمودۃ والمذمومۃ

(غرض محمود یا مذموم سے خالی) بھی اخلاص ہی میں داخل ہے اس مقام پر اسی وقت ایک تحقیق ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور وقصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے اب دیکھنا چاہیے کہ اس معنے کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں متحقق ہے کہ نہیں ہم غور کر کے جو دیکھتے ہیں تو اس معنے کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاۃ حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ مافی الباب گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اس کا تصور ہو جاتا ہے کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنے یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کو تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اس کا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا اور اسی بناء پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور مسبوق بتصور الغایۃ ہوتا ہے مجھ کو اس مسئلے میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایۃ بھی ذہن میں نہیں ہوتی تنویر اس کی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر بجر د صدور کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کا کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گڑھ مڑھ کر کوئی وجہ بیان کردیں تو وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بجر د سوال اس کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً ہم کسی امر پر زدوکوب کریں اور بعد میں اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلا دیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے اس سے غایت کا قصد ہو گیا تھا اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اس کا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اس وقت کیا فائدہ سوچ کر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اس لئے نہیں بتلا سکے۔ اس لئے یہ قاعدہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے درجہ میں غایۃ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنے لئے جاویں گے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بے کار ٹھہریں گے۔

نیت کا مفہوم

اب نیت کے معنے میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنے ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیار اور قصد ا ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کر کے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگا

دے اور اس کے ضمن میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت ضروری ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوۃ اٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلوٰۃ ادا کرے مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اس لئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں۔

اعمال صالحہ کی تین صورتیں

پس نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہو سکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اس میں نہ غایۃ محمودہ کا تصور ہو نہ غایۃ مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایۃ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایۃ مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاء مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولی وثانیہ اخلاص میں داخل ہے۔ اس لئے کہ ریاء یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کے لئے کوئی فعل کرے سو اس کے ارتفاع کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایۃ مقصود نہ ہو ہاں محرک اس کا امتثال ہو گو اس امتثال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتفاع کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہ ہو دوسری خاص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہ ہو۔ البتہ صورۃ اولیٰ اخلاص کا ادنیٰ درجہ ہے اور صورۃ ثانیہ اعلیٰ درجہ۔

دنیا مخلصین سے خالی نہیں

غرض کہ یہ جو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی خاص غایت کی نیت نہ ہو تو اخلاص نہیں یہ غلط ہے۔ پس نیت کے معنے واضح ہو جانے سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ خوش نیت اور مخلصین سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی شاید میری ابتدائی تقریر اور اخیر تقریر میں کوئی تعارض سمجھے کہ اول میں تو شکایت تھی کہ اخلاص مفقود ہو گیا ہے اور فساد نیت میں عوام وخواص سب مبتلا ہیں اور آخر میں ثابت ہوا کہ ابتلاء عام نہیں ہے بلکہ مخلصین بھی بہت ہیں تو ظاہر نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے ورنہ واقع میں کچھ تعارض ہی نہیں۔

حاصل وعظ

اس لئے کہ میری تقریر کا حاصل دو امر کا اہتمام ہے اول یہ کہ جن لوگوں کے اعمال میں غایۃ مذمومہ پائی جاتی ہے مثلاً جاہ وحب مال وارضاء خلق ان کو متنبہ کرنا مقصود ہے دوسرا امر یہ ہے کہ جن کے اندر امراض موجود ہیں۔ اور انہوں نے معالجہ شروع نہیں کیا اور نہ معالجہ کی فکر ہے ان کو معالجہ کی طرف توجہ

دلاتا ہے اور جن میں غایات مذمومہ نہیں پایئں مگر انہوں نے معالجہ شروع کردیا ہے اگرچہ ان کے اندر امراض بھی ہیں ان پر ملامت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے **فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم** (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے) پر عمل شروع کردیا ہے اور کثرت سے وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں غایت مذمومہ موجود ہے اور معالجہ کی فکر نہیں کرتے پس مراد ابتداء تقریر سے یہ ہے کہ بکثرت مبتلا ہو کر بھی بےفکر ہیں اور آخر تقریر سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص کے ادنیٰ درجہ سے بھی نفرت اخلاصیت کی نہ کرنی چاہیے باقی جنہوں نے اپنے کو کسی معالج کے سپرد کردیا ہے ان کو پریشان نہ ہونا چاہیے ان کو یہ کہا جاتا ہے۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست　　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں)

وہ جب لگے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچ جاویں گے۔ اور

اندریں رہ می تراش و میخراش　　　تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس طریق وصول الی اللہ میں تراش خراش کرتے رہو اور آخر وقت تک بھی ایک لحظہ فارغ مت رہو) اب دوسرا موضوع صدق کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

صدق

اس سے مراد خاص صدق ہے یعنی مقامات میں صادق ہونا۔

ارشاد فرمایا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے:

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ ، اولٰئک ھم الصّٰدقون. (الحجر آیت ۱۵)

''مؤمن تو وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر، پھر کچھ تردد نہیں کیا اور جہاد کیا اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں یہی لوگ پورے سچے ہیں۔''

ف: صدق کے معنی ہیں کامل طور پر کسی طاعت کو بجالانا۔ (خطبات الاحکام ص ۱۴۵)

حدیث مبارکہ: **وعن عائشۃ قالت مرّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بابی بکر وھو یلعن بعض رفیقہ فالتفت الیہ فقال لعانین و صدیقین الی قول ابی بکر لااعود.** (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت ابوبکرؓ پر

ہوا وہ اپنے ایک غلام پر لعنت کر رہے تھے، آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لعنت کرنے والے پھر صدیق۔ پھر ابو بکر صدیقؓ نے کہا ایسا نہ کروں گا۔"

ماہیت: جس مقام کو حاصل کرے کمال تک پہنچائے کہ پھر اس میں کسر نہ رہے۔ (تعلیم الدین) اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی ہو اور واقع کے مطابق ہو اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر بحکم الٰہی ہو شریعت کے خلاف نہ ہو اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے مطابق ہوں پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں۔ (الکمال فی الدین)

طریق تحصیل

۱- ہمیشہ نگران رہے اگر کچھ کمی ہو جائے تو اس کا تدارک کرے اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جائے گا۔ (تعلیم الدین) یعنی جو حالت طاری ہو اس کا اثر ہمیشہ رہے یعنی وہ حالت مقام ہو جائے اور زائل نہ ہو (باقی احوال کا ہمیشہ غلبہ رہنا ضروری نہیں) اس لئے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے۔

۲- جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے مثلاً نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع جامع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا۔ علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے اس کا اختیار کرنا صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ ہو یہ اخلاص ہے مثلاً نماز میں ریا کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے۔ رضائے غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاقت ہے اور صدق موقوف ہے مابہ الکمال کے جاننے پر اور اخلاص موقوف ہے غیر طاقت کے جاننے پر۔ اس کے بعد مثبت جز واخیر رہ جاتا ہے۔ یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اس سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ اور وعید کا اور مراقبہ نیت کا یعنی اس کی دیکھ بھال کہ میری نیت غیر طاعت کی تو نہیں۔ (انفاس عیسیٰ ج:ا ص ۲۶۶،۲۶۷)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ساتواں خطبہ

کینہ‘ حسد اور غصہ کی قباحت

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ

آیات طیبات

”حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ (مظلوم مسلمان مکہ سے کہیں) ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی۔“

ف: اس موقع پر جو بیجا ضد کفار نے کی تھی وہ محض حسد و کینہ کی وجہ سے تھی۔ و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ و نیز ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ (اے پیغمبر آپ کہیے کہ) میں حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرنے لگے۔

حدیث ۱- ”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا جس نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ مت ہوا کر اس شخص نے اس (سوال) کو کئی مرتبہ دہرایا۔ آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ غصہ مت ہوا کر۔“ (بخاری)

حدیث ۲- ”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آوے اور وہ کھڑا ہوا ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ جاوے۔ پس اگر اس کا غصہ چلا جاوے (تو خیر) ورنہ لیٹ جاوے۔“ (احمد‘ ترمذی)

حدیث ۳- ”اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ بغض رکھو۔“ (متفق علیہ)

حدیث ۴- ”اور ارشاد فرمایا ہے تم سے پہلی اُمتوں کی بیماریاں تم میں آہستہ آہستہ پہنچ جاویں گی (یعنی) حسد‘ بغض اور وہ مونڈ دینے والی ہے‘ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈ دیتی ہے ولیکن دین کو مونڈ دیتی ہے۔ (یعنی برباد کر دیتی ہے)۔“ (احمد‘ ترمذی)

حدیث ۵۔ ''اور ارشاد فرمایا ہے کہ بچو تم حسد سے کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔'' (ابوداؤد)

حدیث ۶۔ ''و نیز ارشاد فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات اور پیر کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ پس ہر اس شخص کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، سوائے اس شخص کے کہ جس کو اپنے (مسلمان) بھائی سے بغض ہو۔ پس کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔'' (مسلم)

آیت مبارکہ: ''اور ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تیار کی گئی ہے جنت ان متقیوں کے لیے جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں فراغت میں (بھی) اور تنگی میں (بھی) اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔''

ف: غصہ سے حسد (کینہ) پیدا ہوتا ہے جب کہ بدلہ لینے کی طاقت نہ ہو اور جس شخص سے کینہ ہو جب اس پر اللہ کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو حسد پیدا ہو جاتا ہے اس علاقے کے سبب سے ان کو ایک ہی خطبہ میں بیان کیا گیا ہے۔

اضافہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کو پچھاڑنے والا درحقیقت پہلوان نہیں، پہلوان وہی شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (متفق علیہ)

(ب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندے نے کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک اس غصہ کے گھونٹ سے افضل نہیں پیا کہ جس کو اللہ کی رضامندی کیلئے پی جاوے۔ (احمد)

(ج) و نیز ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک غصہ ایمان کو اس قدر بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو۔ (بیہقی)

محترم بزرگو اور دوستو! آج خطبہ جمعہ کا موضوع تین روحانی بیماریوں غصہ، کینہ اور حسد کے بیان میں ہے۔ ان روحانی بیماریوں کی مذمت میں خطبہ اور اس کے ترجمہ کے ضمن میں آپ حضرات نے آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کا ترجمہ سنا اب پہلے غصہ کے بیان میں مزید آیات و احادیث اور ان کا مفہوم سن لیجئے۔

۱۔اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیّۃ حمیۃ الجاھلیّۃ (الفتح:۲۶)

ترجمہ: ''جب کیا ان لوگوں نے کافر ہوئے اپنے دلوں میں کد کد کی جاہلیت کی۔''

۲–ولا یجرمنکم شنان قوم علٰی ان لاتعدلوا ط o (المائدۃ آیت نمبر ۸)
ترجمہ: ’’کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔‘‘
۳–واما ینزغنک من الشیطٰن نزع فاستعذباللہ (الاعراف آیت ۱۹۹)
ترجمہ: ’’اور اگر آپ کو شیطان مردود کی طرف سے غصہ آئے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔‘‘

سأل رجل رسول اللہ ﷺ مایبعدنی من غضب اللہ قال لاتغضب
’’ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون چیز مجھے غضب الٰہی سے دور کر سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو غضب مت کرنا۔‘‘ (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۹۷)

عارف رومی نے اپنے اس شعر میں اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے:

گفت از خشم خدا چہ بود اماں گفت ترک خشم خویش اندر زماں

ولاتحاسدوا ولا تباغضوا (متفق علیہ) (اور نہ حسد کرو اور نہ غصہ کرو)۔

غصہ کا وجود مذموم نہیں

غصہ کا وجود مذموم نہیں۔ ہاں اس کے مقتضاء پر عمل کرنا برا ہے۔ اخلاق ذمیمہ خود برے نہیں کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے کوئی چیز بھی بغیر مصلحت اور حکمت پیدا نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ کفر کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بہ سوز در گر بولہب نباشد

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کا قول ہے کہ ہر چیز میں بھلائی اور برائی دونوں ہیں۔ موقع استعمال کے فرق سے ایک ہی چیز خیر اور شر ہو جاتی ہے۔ غصہ کو حق تعالیٰ نے نفرت کے لیے پیدا کیا ہے اس دفعہ کا ایسا اثر ہے جیسا تلوار میں کاٹنے کا۔ تلوار خواہ دشمن کی گردن پر رکھ دو خواہ کسی دوست کی گردن پر، بہر صورت کاٹے گی۔ غرض غصہ میں فی ذاتہ کوئی برائی نہیں بلکہ قصور کام لینے والے کا ہے کہ اسے اعداء اللہ کے مقابلہ میں کام لینا چاہیے۔ (غوائل الغضب ص ۲۳)

غصہ کے وقت حرارت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں

غصہ آگ کا ایک شعلہ ہے۔ غصہ کے وقت حرارت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک موجود ہے کہ ’’غصہ شیطان کا اثر ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے‘‘ چنانچہ کسی نے شیطان سے پوچھا کہ تو انسان کے جسم میں

کہاں رہتا ہے؟ شیطان نے کہا جس وقت انسان خوش ہوتا ہے اس وقت اس کے دل میں اور جس وقت غصہ کی حالت میں ہوتا ہے اس وقت سر میں ہوتا ہوں۔ (غوائل الغضب ص ۶۷۵)

غصہ آنا غیر اختیاری ہے

غصہ آنا غیر اختیاری ہے اس لیے غصہ آنے پر کوئی مواخذہ باز پرس نہیں، ہاں غصہ کے مقتضاء پر کوئی عمل کرنا یا نہ کرنا اختیاری ہے۔ پھر فکر کیا ہمت سے کام لینا چاہیے اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ (خیر السوانح)

غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھنے کی بشارت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پہلوان کس کو کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا پہلوان وہ ہے جو کشتی لڑے فرمایا نہیں، پہلوان وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے اس حدیث کا خوب ترجمہ کیا ہے۔

نہ مرد است آں بہ نزدیک خرد مند | کہ با پیل و پیکار جوید
بلے مرد کہ آنکس از روئے تحقیق | کہ چوں خشم آید لیش باطل نگوید

بقول بہادر شاہ ظفر مرحوم

ظفر اس کو آدمی نہ جانئے گا | چاہے ہو وہ کیسا صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی | جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

”نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”قوی وہ شخص ہے جو غصہ کا مالک ہو“ بیہقی کی ایک روایت ہے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص غصہ روکے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے عذاب روکیں گے۔ ابوداؤد، احمد، ترمذی کی حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصہ کا گھونٹ ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابی داؤد میں ہے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کو غصہ آئے اور اپنے بیوی بچوں پہ اور اپنا غصہ جاری رکھ سکتا ہو اور سزا دے سکتا ہو اگر وہ اس کو ضبط کر جائے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالیٰ اس کا قلب امن و امان سے بھر دے گا۔“

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحمل کی بدولت انسان شب بیدار، روزہ دار، عابد و زاہد کا مرتبہ پالیتا ہے۔ (تبلیغ دین اردو ص ۱۹۳)

غصہ سے مختلف امراض خبیثہ پیدا ہوتے ہیں

غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے چھوٹا سمجھا تو اپنے آپ کو بڑا سمجھا' اسی کا نام کبر ہے۔ (اوج قنوج ص ۲۳)

گویا غصہ کبر کی بھی جڑ ہے۔ غیبت جب بھی ہوتی ہے تو کسی ایسی بات کے بعد ہوتی ہے جو خلاف طبع ہو' جب وہ بات ناگوار ہوتی ہے تو اس کا ذکر زبان پر آجاتا ہے اگر غصہ نہ آئے یا آدمی بجز اس ناگواری کو ضبط کرلے تو شکایت کیوں زبان پر آئے۔ اس سے ثابت ہوا شکایت و غیبت غصہ ہی کا نتیجہ ہے۔ (غوائل الغضب ص ۳)

اگر انتقام لینے کی قدرت ہو تو غصہ میں اکثر ظلم ہوتا ہے کیونکہ غصہ میں اتنا ہوش نہیں رہتا کہ اس نے اتنی برائی میرے ساتھ کی ہے اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کے برابر ہوگی۔ اکثر ظلم اور زیادتی ہوتی ہے کیونکہ غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی ہی نظر آتی ہے۔ (اوج قنوج ص ۲۳)

اگر انتقام لینے کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے اس سے ایذاء رسانی کی فکر ہوتی ہے۔ پھر مکروفریب کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ (اوج قنوج ص ۲۶)

غصہ ہی کے سبب مار پیٹ' گالم گلوچ' افشاء راز تک کی نوبت آتی ہے غصہ کی وجہ سے مسلمان بھائی کا خوش کرنا ناگوار گزرتا ہے اور اس کا رنج و تکلیف میں رہنا پسند آتا ہے۔ غرض غصہ بہت سے امراض روحانی کی جڑ ہے۔

غصہ میں عفو سے کام لینا عزیمت ہے

اگر صاحب غضب کو اتنی قدرت بھی ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہوجائے اور سزا بقدر عمل پر بھی کرنے کی پوری طاقت نہ ہو تب قرآن پاک میں حکم ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی سے لینا جائز ہے اور یہ فتویٰ ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے ورنہ عزیمت تو درگزر کردینا ہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وجزاء سیّئة سیّئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجرهٗ علی اللّٰه ط انه لا یحب الظٰلمین۝

ترجمہ: ''اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر بعد انتقام کے جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے واقعی اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

نیز محققین ومحسنین کی صفات میں فرمایا:

"والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" (اور غصہ پینے والے لوگوں کو معاف کرنے والے)

غصہ کا اعتدال

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ غصہ کو مہذب اور عقل وشرع کا تابعدار بنالیا جائے کہ جب شریعت حکم دے، بھڑک اُٹھے ورنہ ضبط سے کام لے۔ (تبلیغ دین)

دین اسلام، دین وایمان، جان ومال، ملک ووطن اور عزت وناموس کی خاطر غصہ کو استعمال کرنا اعتدال ہے۔ (سیرت کی اہمیت از مولانا شمس الحق افغانیؒ)

دین کی حمیت پر غصہ نہ آنا انسانیت کے خلاف ہے

اگر کوئی دشمن دین واسلام، عزت وناموس اور ملک ووطن پر حملہ کرے تو ایسے وقت پر غصہ نہ آنا تو انسانیت نہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ اور پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے۔ (سیرت کی اہمیت)

آج کل اکثر نوتعلیم یافتہ احکام الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس وقت غصہ کا استعمال ضروری ہے۔ اگر طاقت ہوتو ہاتھ سے روک دینا چاہیے ورنہ زبان سے اگر یہ بھی نہ ہوتو دل سے برا سمجھا جائے۔ یہ ضعف ایمان ہے۔ "او کمال قال رسول اللہ ﷺ" (بہتر ہے کہ ایسے وقت مجلسوں سے اُٹھ جائیں اور استغفار کریں)۔

نفس پر غصہ

شیخ العرب والعجم سید الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر اعداء اللہ کے مقابلہ میں غصہ سے کام لینے کا موقع نہ ہوتو اپنے نفس پر اس سے کام لو کیونکہ سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے: "اعدیٰ عدوک التی بین جنبیک" (تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے)۔ (غوائل الغضب ص ۲۳)

غصہ کا علاج

جس وقت انسان کو غصہ آئے اس وقت تعوذ پڑھنا چاہیے اس سے غصہ جاتا رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غصہ کے وقت وضو کر لینا چاہیے۔

حکمت

غصہ کے وقت حرارت تیز ہوتی ہے کیونکہ نار کا اثر ہوتا ہے جو اعضاء کے دھونے سے بے شک کم ہو جاتا ہے لیکن صرف ہاتھ پاؤں دھونا اس لیے نہیں فرمایا کہ غصہ میں شیطان کا اثر بھی ہوتا ہے اور ہاتھ پاؤں دھونے سے یہ اثر کم ہو جائے گا بلکہ وضو کرنے میں یہ حکمت عملی ہے کہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت تکبر کی ضد ہے اور شیطان کی تمام شیطانیت کا خلاصہ کبر ہے۔ تو جہاں عبادت ہو وہاں شیطان کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ نیز وضو چونکہ عبادت ہے اور عبادت کہتے ہیں تقرب الی اللہ کو۔ جب انسان حق تعالیٰ سے قریب ہوگا تو یقیناً شیطان سے بعد ہوگا بلکہ شیطان خود وہاں نہ ٹھہر سکے گا اور اس کو دور ہونا پڑے گا۔

دشمن چہ کند چوں مہربان باشد دوست

اگر کسی کا غصہ وضو کرنے سے بھی نہ جائے تو یہ اس کا فساد طبیعت اور ضعف ایمان ہے۔ مہربان طبیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاج پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ متعدد علاج بیان فرمائے تاکہ کسی طرح ان کی جان بچ جائے۔

چنانچہ فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر اس سے بھی نہ جائے تو لیٹ جائے کامل یقین ہے کہ اس سے آگے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں اور غصہ فرو ہو جائے گا۔'' (غوائل الغضب ص: ۶، ۷)

حکمت

اس علاج میں اہل لطائف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو زمین سے اس کے جسم کو بعد ہوتا ہے اور بیٹھنے میں بہ نسبت زمین سے قرب ہو جاتا ہے اور لیٹنے میں اس سے بھی زیادہ آدمی زمین سے لپٹ جاتا ہے اور زمین کی طبیعت میں حق تعالیٰ نے انکسار رکھا ہے وہ انکسار آدمی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور انکسار غضب اور تکبر کی ضد ہے تو گویا یہ علاج بالضد ہوا اور یہی اصل الاصول علاج کا ہے اور فطری طور پر بھی علاج واقعی علاج ہے۔ یہ یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ یہی معاملہ کریں تو عذاب الٰہی سے کون چھڑائے گا اور یہ سوچ کر بدوں ارادہ خداوند کے کچھ واقع نہیں ہوتا، میں کیا چیز ہوں؟ جو مشیت الٰہی کو مزاحمت کروں۔

جہاں غصہ آیا ہے اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے کیونکہ وہاں نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ

آیا نہ وہ اسباب موجود ہوں گے جو غصہ کے باعث ہوئی تو غصہ آپ ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ جس شخص کو غصہ زیادہ ہو، کاغذ پر یہ لفظ لکھ کر ایسی جگہ لگا دے جہاں سب کی نظر پڑتی ہو وہ یہ کہ:

"خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔" کہ جتنی تجھ کو ایک دوسرے انسان پر ہے، انسان سوچے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ میں بڑا ہوں، اس وقت میں زبردست ہوں لیکن ممکن ہے کہ ابھی ذرا سی دیر میں یہ شخص زبردست ہو جائے اور میں زیردست ہو جاؤں؟ (غوائل الغضب ص ۲۱)

یہ سوچنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص مجھ سے آخرت میں بہتر ہو بلکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے بہترین آدمیوں یا اولیاء اللہ میں سے ہی نہ ہو؟ کیونکہ کسی کی بدی اور نیکی پیشانی پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ اگر یہ شخص حق تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کے ستانے والے کو تو خداوند قدوس اعلان جنگ کا چیلنج دیتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب فلیعزم بحرب من اللّٰہ (تفسیر مظہری)

تو گویہ شخص ضعیف ہے مگر اس کی پناہ میں سب سے بڑا زبردست موجود ہے۔ غصہ کے سبب اگر کسی سے اور کینہ پیدا ہو گیا تو بہ تکلف اس شخص سے ملاقات کر کے اس کے ساتھ طرح طرح کی خدمت واحسان سے پیش آئے، یہاں تک کہ اس کو اس شخص سے محبت پیدا ہو جائے اور اس کا احسان سمجھے جیسا کہ اپنا احسان ماننے والے اور اپنے ساتھ محبت کرنے والے سے کینہ باقی نہ رہے۔ (فروع الایمان)

عین غصہ کے وقت فیصلہ نہ کرنیکا حکم

حدیث شریف میں ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ عین غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کرنے والا تاریخ بڑھا دے۔ (یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے ان کی دو آدمیوں پر حکومت ہو) اس میں معلم، استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے۔ لہٰذا غصہ میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں پر کسی جرم میں بھی سزا دینے پر جلدی نہ کرے بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے اور یاد رکھیں کہ جس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یہاں تک کہ کافر ذمی پر کوئی ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں، لہٰذا سزا دینے کے وقت احتیاط لازمی ہے۔ (شریعت وطریقت ص ۲۳۸)

غصہ میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے

غصہ میں طلاق دینے کی مثال ایسی ہے جیسے بھری ہوئی بندوق کی کیل دبا دی، ہنسی میں دباؤ، تب بھی گولی لگ جائے گی، غصہ میں دباؤ تب بھی لگ جائے گی۔ اسی لیے تو قابو میں رہنے کا حکم ہے۔

غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے اور بہتر سزا یہ ہے کہ بچوں کی چھٹی بند کر دی جائے اور اس کا اثر ان پر کافی ہوتا ہے۔ ملاجی (اساتذہ) مارنے میں اس واسطے آزاد ہیں کہ ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں، بچے تو باز پرس کے اہل نہیں اور والدین کا مقولہ ہے کہ ہڈی تو ہماری اور چمڑا میاں جی کا۔ یہ بس ایک ضرب المثل ہے جس کی کوئی اصل نہیں مگر یاد رکھو جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۰۱، ج:۱)

غصہ کا بیان ختم ہوا۔ اب کینہ اور اس کے علاج کا بیان سنیے۔

کینہ کی مذمت آیات قرآنی کی روشنی میں

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

☆...... **خذ العفو و أمر بالعرف واعرض عن الجاهلين.** (آل عمران:۸)

''معاف کر دینے کو اختیار کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لو۔''

☆...... **والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس.** (آل عمران:۱۳۲)

''حق شانہ نے متقین کی صفات میں فرمایا کہ وہ لوگ غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی (تقصیرات) سے درگزر کرنے والے ہیں۔''

ف: چونکہ غصہ کینہ رکھنے سے ہی پیدا ہوتا ہے اس لیے ان متقین کی تعریف بیان کی گئی جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔

☆...... **لايحب الله الجهر بالسّوءِ من القول الا من ظلم ط** (النساء:۱۴۸)

''اللہ تعالیٰ بری بات کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے بجز مظلوم کے۔''

اسمیں ضعفاء کی شان ہے اور اس میں مصلحت ہے کہ قلب کینہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ (مسائل السلوک)

کینہ کی مذمت احادیث کی روشنی میں

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

لاتباغضوا (آپس میں بغض نہ رکھو)۔ (متفق علیہ)

یفتح ابواب الجنۃ یوم الاثنین ویوم الخمیس ویغفر لکل عبدلا یشرک باللّٰہ شیئا الا رجلا کانت بینہٗ وبین اخیہ شحنآء فیقال انظروا ھٰذین حتّٰی تھامدوا۔ (مسلم)

"جمعرات اور پیر کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ پس اس شخص کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ سوائے اس شخص کے جس کو اپنے مسلمان بھائی سے بغض و کینہ ہو۔" کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ ان میں صلح ہو جائے۔

کینہ کی حقیقت

جب غصہ میں بدلہ لینے کی ہمت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہوتی ہے اس کو حقد یعنی کینہ کہتے ہیں۔ (اور بغض کہتے ہیں)۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

کینہ اور انقباض طبعی میں فرق

کینہ وہ ہے جو قصد و اختیار سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آئے طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے گناہ نہیں ہے۔ (بصائر حکیم الامت ص ۴۴۹)

کینہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے

میٹھا غصہ دل کے اندر جمع رہتا ہے اسی کو کینہ کہتے ہیں، کینہ کا منشاء غصہ ہے۔ سو ایک تو خود وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ کہ جب غصہ نکالا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور معمولی بات و بہانہ پر رنجیدگیاں بڑھتی ہیں تو صرف ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے۔" (غوائل الغضب ص: ۲۴، ۲۵)

عورتوں کو کینہ کے علاج کی طرف زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔

چونکہ کینہ میٹھے غصے میں ہوتا ہے اور میٹھا غصہ عورتوں میں زیادہ ہے۔ مردوں میں بھی کینہ ہوتا ہے لیکن عورتیں اس سے بڑھی ہوئی ہیں کیونکہ مردوں کا غصہ اکثر جوشیلا ہوتا ہے اور چیخنے

چلانے سے ان کا ابال نکل جاتا ہے اس لیے عورتوں کو کینہ کے علاج کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ (غوائل الغضب ص ۲۵)

علاج

جس شخص سے کینہ ہو اسے معاف کردے اور اس سے میل جول شروع کریں۔ گو بہ تکلف ہی سہی، چند روز میں کینہ دل سے نکل جائے گا۔ (تعلیم الدین ص ۸)

اگر وہ شخص جس سے دل میں بغض و کینہ ہے سامنے نہیں بلکہ کسی اور شہر میں ہے تو اس سے خط لکھ کر معافی کرے۔ (ارشاد حضرت مرشدی مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ)

بعض اوقات کسی سے انتقاماً یہ کہنا کہ تمہاری حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے۔ اچھا ہے اس سے دل صاف ہو جاتا ہے البتہ زیادہ پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۴۷)

اپنے مخالف کو کوئی نقصان پہنچ جائے اور قلب میں فرحت محسوس ہو تو اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جائے کہ یہ فرحت قابل دفعہ ہے اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس فرحت کو دفع فرمائیں۔ اس لیے کہ:

کفراست در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

(ہماری طریقت میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا آئین سینوں کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا ہے) (انفاس عیسیٰ)

اب حسد اور اس کا علاج بیان کرتا ہوں:

وقال علیه الصّلوٰة والسلام ایاکم والحسد فان الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: ''اور ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچو تم حسد سے کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔''

ف: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ پھول پوری (خلیفہ اعظم حضرت حکیم الامت تھانویؒ) فرماتے ہیں: ''حدیث شریف میں حرق یعنی جلانے کے بجائے اکل یعنی کھا جانے کو جو فرمایا گیا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے میرے قلب میں ایک عجیب حکمت وارد فرمائی ہے وہ یہ کہ بعض چیزوں کو آگ جلا کر پہلے سے بھی زیادہ قابل قدر اور قیمتی بنا دیتی ہے۔ مثلاً ببول اور املی کی لکڑی کو جلا کر کوئلہ بنا لیتے ہیں تو کوئلہ زیادہ بیش قیمت ہو جاتا ہے۔ پس حسد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ حسد اعمال حسنہ کو کھا جاتا ہے یعنی کسی درجہ میں اعمال کی نافعیت باقی نہیں رہتی۔ یہ کمال بلاغت ہے۔" (ضمیمہ مشتملہ بر چند اہم خطوط اصلاحیہ در اصول الوصول ص ۶۶)

حسد کی حقیقت

حسد کے لغوی معنی "برا چاہنے" کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے، حسد کہلاتا ہے۔ (تعلیم الدین ص ۶۶)

حسد اور غبطہ میں فرق

حسد وہ ہے جس میں محسود سے زوال نعمت کی تمنا ہو اور غبطہ وہ ہے کہ اس کے پاس رہتے ہوئے حصول کی تمنا کرنا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۰۲)

حسد کے دینی و دنیوی نقصانات

حسد سے دین کا نقصان تو یہ ہے کہ کیے ہوئے اعمال صالحہ حبط (ہیچ اور باطل ہونا) ہو جاتے ہیں۔ نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنتا ہے کیونکہ حاسد حق تعالیٰ کی نعمتوں میں بخل کرتا ہے اور اس کے وسیع خزانہ کی بے شمار نعمتوں میں سے دوسرے پر انعام ہونا نہیں چاہتا۔

اور حسد سے دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا اور ہمیشہ اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت وافلاس نصیب ہو حالانکہ محسود کو اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا نہ اس کی نعمتوں میں کسی قسم کی کمی آتی ہے بلکہ اس سے حاسد ہی کو علاوہ عذاب آخرت کے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت ہوتی ہے اس کی مثال تو یوں ہے کہ جو ڈھیلا دشمن کو مارنا چاہا وہ اپنے ہی آ لگا جس سے آنکھ پھوٹ گئی۔ (تبلیغ دین اردو از حجۃ الاسلام امام غزالیؒ)

حسد قلبی مرض ہونے کے علاوہ روحانی مرض بھی ہے اور اس کا سبب یا تو نخوت وغرور ہوتا ہے اور یا عداوت خباثت نفس کہ بلاوجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے گا۔ (تبلیغ دین ص ۱۱۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسد صرف اکیلا نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ دیگر متعدد امراض روحانیہ کا موجب ہوتا ہے۔ عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ قدس سرہ نے خوب فرمایا:

دغا، مکر و حرص و ہویٰ دل کے اندر حسد، بغض و کبر وریا دل کے اندر
تمہیں اس زمانے میں کیا دل کے اندر نہیں ہے تو خوف خدا دل کے اندر

حسد کے درجات

حسد کے تین درجے ہیں:

☆...... کیفیات نفسانیہ: جس میں انسان معذور، مجبور ہے۔

☆...... عمل اس کے مقتضاء پر: اس میں انسان مازور (گنہگار) ہے۔

☆...... مخالفت اس مقتضاء کی: اس میں انسان ماجور (ثواب پانے والا) ہے۔

یعنی: حسد کے غلبہ سے کسی کی مذمت کا تقاضا ہو، اس کی مدح کرو، اس سے اعراض (منہ پھیرنا) کو دل چاہے تو اس سے ملو، اس کی تعظیم کرو، اس کے ساتھ احسان کرو۔ (انفاس عیسیٰ ج:۱ ص ۱۶۹)

بعض ذاکرین شاغلین بھی حسد سے مبرا نہیں ہوتے

اکثر ذاکر شاغل لوگ بھی حسد سے مبرا اور پاک نہیں ہوتے اس لیے ان کو بھی حسد کے علاج کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ مکہ معظمہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کے پاس عرصہ چھ ماہ کے قیام کی نیت سے تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ پر خاص الخاص توجہات عنایات شروع فرمادیں اور اس درجہ شفقت و دیات فرماتے تھے کہ دوسروں کو حسد ہونے لگا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت حکیم الامتؒ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت میرے اوپر اتنی عنایات و شفقت سب کے سامنے نہ فرمایا کریں تو اچھا ہے۔

آخر میں حضرت حکیم الامتؒ کو ان حاسدین سے اتنا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ چھ ماہ پورا فرمانے کے بجائے ہفتہ عشرہ قبل ہی اجازت لے کر روانہ ہو گئے کہ آئندہ یہ لگائی بجھائی کرنے والے حاسدین میری طرف سے حضرت کو کہیں مکدر نہ کر دیں اس لیے انشراح کی حالت میں رخصت ہو جانا چاہیے۔ (اشرف السوانح ص ۲۹۲، ج:۱)

اسی لیے شیخ کے زیادہ مقرب بننے سے لوگوں میں حسد پیدا ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ ۳۴۶)

اسی بناء پر حضرت حکیم الامتؒ نے اپنا مقرب کسی کو بننے نہیں دیا بلکہ فرمایا کرتے کہ یہ مقرب کے مکرب بن کر لوگوں کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں بلکہ فرمائشیں تک کرتے ہیں اور مرید بیچارے شکایت کے ڈر سے ان کی ناجائز فرمائش بھی پوری کرتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حسد کے زوال کی علامت

حسد کے زوال کی علامت یہ ہے کہ محسود علیہ (جس پر حسد کیا جائے) کے منعم (اس کو کوئی نعمت نصیب ہونا) ہونے سے عقلاً کوئی پریشانی اور قلق نہ ہو۔ (تجلیات رحمانی ص ۳۷۷)

حسد اور غبطہ میں فرق

دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ میں کسی کی نعمت کا ازالہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس جیسی نعمت کے اپنے آپ کو حاصل ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (تبلیغ دین اردو ص ۱۱۴)

کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے وہ اس جیسی نعمت کی تمنا کرنے والے کو عطا فرما سکتے ہیں۔

تیرے یہاں سے بے نیاز کونسی شے ملی نہیں
اپنی ہی جھولی تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

برخلاف حسد کے اس میں دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہوتی ہے۔ یہی فرق ہے حسد اور غبطہ میں۔

حاسد کے سامنے اپنی نعمت کا ذکر نہ کرنا مستحسن ہے

جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوشحالی اور نعمت کا ذکر سنے گا تو اس کو حسد ہوگا اور نقصان پہنچانے کی فکر کرے گا تو اس کے سامنے اپنی نعمت دولت وعزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو کیونکہ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔" (معارف القرآن ص ۱۱ ج:۵)

حسد کا علاج

☆حسد کا علمی علاج: حاسد کو جاننا چاہیے کہ حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس سے محسود کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ اس میں حاسد کا نقصان ہے، دین کا بھی اور دنیا کا بھی۔ (جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے) اور محسود کا اس میں یہ نفع ہے کہ اس کو مفت میں حاسد کی نیکیاں ملتی ہیں۔ (تبلیغ دین از امام غزالی)

☆ حسد کا عملی علاج: گو بہ تکلف ہی سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو اور اس کے ساتھ خوب احسان، سلوک سے اور تواضع کے ساتھ پیش آؤ۔ ان معاملات میں اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت ہوگی، پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آئے گا اور اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔ (تعلیم الدین محشی مکمل ومدلل ص ۱۲۰)

☆ کسی دوست یا دشمن کے زوال نعمت سے اگر اندر سے دل خوش ہوا اگرچہ بظاہر اس سے اظہار افسوس بھی کیا جائے یہ چونکہ غیر اختیاری ہے اور اس کو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لیے معصیت نہیں البتہ نقص ہے اس کا علاج بہ تکلف اس شخص کے لیے دعا کرنا ہے بکثرت ایسا کرنے سے انشاء اللہ یہ نقص زائل ہو جائے گا۔ (کمالات اشرفیہ ص ۴۹۸)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

رجب المرجب کے اہم تاریخی واقعات

نمبرشمار	حادثات وواقعات	رجب	مطابق
۱	طوفان نوح علیہ السلام کا آغاز	۱-رجب	
۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء اور معراج کا واقعہ	۲۷، ۱۰نبوی	۸ مارچ ۶۲۰ء
۳	پنجگانہ نماز کی فرضیت، شب معراج	۲۷، ۱۰نبوی	۸ مارچ ۶۲۰ء
۴	فرضیت زکوۃ	۲۷/۱۰نبوی	۸ مارچ ۶۲۰ء
۵	حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام	۲ھ	جنوری ۶۲۴ء
۶	غزوہ تبوک	۹ھ	۶۳۰ء
۷	جزیہ لینے کا حکم	۹ھ	۶۳۰ء
۸	سریہ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ	۹ھ	۶۳۰ء
۹	وفات حضرت سعد ابن عبادۃ	۱۵ھ	۶۳۶ء
۱۰	وفات اسید ابن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ	۱۵ھ	۶۴۱ء
۱۱	وفات ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۳۹ھ	نومبر ۶۵۹ء
۱۲	وفات ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۴۱ھ	اکتوبر ۶۶۱ء
۱۳	وفات حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ	۴۳ھ	۶۶۳ء
۱۴	وفات حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ	۴۵ھ	ستمبر ۶۶۵ء
۱۵	وفات حضرت معاویہ ابن خدیج رضی اللہ عنہ	۵۲ھ	جولائی ۶۷۲ء
۱۶	وفات حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ	۵۴ھ	جون ۶۷۴ء
۱۷	وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وخلافت یزید	۶۰ھ	اپریل ۶۸۰ء
۱۸	وفات حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلافت یزید ثانی	۱۰۱ھ	جنوری ۷۲۰ء
۱۹	وفات مالک ابن دینارؒ	۱۲۴ھ	اپریل ۷۴۵ء

۲۰	وفات حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ	۱۴۸ھ	اگست ۷۶۵ء
۲۱	وفات امام الائمہ حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ	۱۲، ۱۵۰ھ	اگست ۷۶۷ء
۲۲	خدائی کے دعویدار مقنع نے آگ میں کود کر خودکشی کر لی	۱۵۹ھ	اپریل ۷۷۶ء
۲۳	وفات حضرت حماد ابن ابی حنیفہؒ	۱۷۶ھ	اکتوبر ۷۹۲ء
۲۴	بغداد میں کاغذ سازی کے پہلے کارخانے کا قیام	۶، ۱۷۵ھ	اکتوبر ۷۹۲ء
۲۵	وفات حضرت موسیٰ کاظم	۵، ۱۸۳ھ	اگست ۷۹۹ء
۲۶	وفات حضرت امام شافعی	۳۰، ۲۰۴ھ	دسمبر ۸۱۹ء
۲۷	وفات امام مسلم قشیریؒ صاحب، مسلم شریف	۲۵، ۲۶۱ھ	اپریل ۸۷۵ء
۲۸	محمود غزنویؒ کا ملتان پر پہلا حملہ	۳۹۶ھ	مئی ۱۰۰۶ء
۲۹	وفات امام احمد ابن محمد قادوری مصنف قدوری	۴۲۸ھ	اپریل ۱۰۳۷ء
۳۰	وفات سلطان محمود غزنویؒ	۴۴۰ھ	دسمبر ۱۰۴۸ء
۳۱	وفات امام غزالی	۵۰۵ھ	جنوری ۱۱۱۲ء
۳۲	وفات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری	۶۳۳ھ	مارچ ۱۲۳۶ء
۳۳	وفات ابن خلکان المورخ	۶۸۱ھ	اکتوبر ۱۲۸۶ء
۳۴	وفات علامہ عبداللہ نسفی حنفی صاحب تفسیر مدارک	۲۱، ۷۰۱ھ	مارچ ۱۳۰۱ء
۳۵	پانی پت کی جنگ	۷، ۹۳۲ھ	اپریل ۱۵۲۶ء
۳۶	وفات قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی	۱۲۲۵ھ	اگست ۱۸۱۰ء
۳۷	دہلی پر انگریز کا قبضہ	۱۲۷۴ھ	فروری ۱۸۵۸ء
۳۸	وفات حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۱۶، ۱۳۶۲ھ	۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء
۳۹	وفات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب	۱۲، ۱۴۰۰ھ	۲۷ مئی ۱۹۸۰ء

(ماخوذ دینی دستر خوان جلد ۲، اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام ودیگر تاریخی کتب ورسائل)

تمت